مقالاتِ چشتی

مقالات، مضامین، مقدمات و تقاریظ کا مجموعہ

جلد سوم

رشحاتِ قلم:

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی صاحب

طیب اللہ آثارہ واعلی درجاتہ فی دار السلام

سابق رئیس شعبۂ تخصص علومِ حدیث

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

مرتب: شوکت علی

فہرست

تبصرے

تبصرہ بر

مقام حضرت ابو حنیفہؒ

از

مولانا سرفراز خان صفدرؒ

(ماہنامہ بینات، مئی 1963ء)

التقریظ والانتقاد

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ از مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خاں، تقطیع متوسط صفحات ۲۶۰۔ کاغذ، کتابت طباعت عمدہ۔ قیمت تین روپے پچاس پیسے، ملنے کا پتہ: ادارۂ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ

ائمہ اربعہ میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ عالم میں امام موصوف کے مسائل پر عمل کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ سے زیادہ رہی ہے۔ ہندوستان میں ابتداء سے حنفی مسلک رائج رہا ہے یہی وجہ ہے کہ جزئیات مسائل کی تدوین میں ہندوستان کی جلیل القدر خدمات ہرگز اس قابل نہیں کہ فراموش کی جاسکیں لیکن افسوس کا مقام ہے کہ امام اعظمؒ کی سوانح پر ہندوستان میں عربی اور فارسی میں کوئی قابل قدر کام نہیں ہوا۔ اس آخری دور میں جب مسلمانوں کی سلطنت کا زوال ہوا اور قضا کا محکمہ ٹوٹا تو یہاں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جس کو اگرچہ فن روایت سے شغف تو ہوا لیکن وہ فقہ حدیث سے ہمیشہ بے بہرہ رہا اور اس نے امامؒ کے حدیث میں مرتبہ و مقام کو سمجھنے کے لئے حدیث کی ان چند کتابوں کو معیار قرار دیا جن کے مؤلفین میں سے کوئی بھی مجتہد مطلق تو کجا مجتہد منتسب بھی نہیں تھا اور اس طرح اس نے امام اعظمؒ کے حدیث میں مرتبہ اور مقام کو موضوع بحث بنایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تجدد پسند طبقہ کو انکار حدیث کا بہانہ مل گیا، روایت پرستوں کے اس گروہ نے اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے فقہ پر حرف گیری شروع کی تو اہل علم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور اردو میں امام اعظمؒ پر بڑا تحقیقی کام ہوگیا۔ مولانا شبلی نعمانی نے سیرۃ النعمان لکھی اور اس میں امام کے فقہی مقام پر جیسا کچھ لکھدیا وہ آج بھی حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے پھر مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی نے "امام ابن ماجہ اور علم حدیث" میں امام موصوف کے حدیث میں مرتبہ و مقام پر نہایت نفیس تحقیقات پیش کیں اور حدیث میں امام اعظمؒ کی تصانیف پر تو ایسی سیر حاصل بحث کی ہے جس سے امام ممدوحؒ کے مناقب کی تمام کتابیں یکسر خالی ہیں۔ ان کے بعد اب مولانا محمد سرفراز خاں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ موصوف ملک کے ممتاز علماء میں سے ہیں قدرت نے ان کو تدریس کے ساتھ تصنیف کا بھی ذوق عطا کیا ہے ان کی متعدد تصانیف ملک میں شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ فاضل مؤلف نے اس کتاب میں امام اعظمؒ کے مقام حدیث کو

نہایت جامعیت کے ساتھ بڑے محققانہ انداز میں پیش کیا ہے کتاب کی جامعیت کا اندازہ اس کے ابواب سے ہو سکتا ہے
یہ کتاب حسب ذیل آٹھ ابواب پر مرتب ہے ــــ باب اول میں تفقہ کی حقیقت کا بیان ہے ــــ باب دوم میں
فقہ و درایت پر بحث ہے ــــ باب سوم میں فقہاء صحابہ و تابعین کا تذکرہ ہے ــــ باب چہارم میں امام اعظمؒ کی فقہی حیثیت
پر سیر حاصل بحث ہے ــــ باب پنجم میں حضرت امام اور علم حدیث کے عنوان سے پر مغز معلومات جمع ہیں ــــ باب ششم
میں مذموم رائے پر کلام ہے ــــ باب ہفتم میں مخالفت حدیث کی نوعیت پر نہایت بصیرت افروز بحث کی ہے ــــ
باب ہشتم میں معترضین کے بعض اعتراضات کی جواب دہی کی گئی ہے ــــ ان ابواب کے تحت حضرت امام کی سوانح سے
متعلق بہت سے عنوانات زیر بحث آگئے ہیں جو گوناگوں معلومات کے حامل ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اس کتاب کا بیشتر حصہ
مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی کی تالیفات سے ماخوذ ہے اور خود مصنف نے دیباچہ میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ کتاب کا
انداز بیان دلچسپ و دلنشین ہے البتہ کہیں کہیں انداز بیان میں مناظرانہ رنگ آگیا ہے جو ایک علمی کتاب کے شایان شان
نہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۴۴ و ۱۳۴ - ۱۹۴ و ۲۵۳ و ۲۵۶ -

فاضل مولف نے جن اہلحدیث علماء کا نام لیکر کتاب میں تردید کی ہے ان کا علمی پایہ ہی کیا ہے انھیں تو شریفانہ
زبان بھی لکھنی نہیں آتی ہے۔ حقیقۃ الفقہ کے مؤلف حافظ محمد یوسف مرحوم ہمارے ہموطن تھے ہم ان سے اچھی طرح
واقف ہیں وہ تو معمولی پڑھے لکھے آدمی تھے شرح جامی بھی انھوں نے پوری نہیں پڑھی تھی، نہ عربی عبارت کے صحیح پڑھنے
پر قادر تھے ان کا مشغلہ ہی جلد سازی تھی ان کے اعتراضات درخور اعتناء ہی نہیں۔ ائمہ فن کی تصریحات اور متقدمین کے
اقتباسات نقل کرنے کے بعد علماء اہلحدیث کے اعتراضات کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے سطحی اور غیر علمی
اعتراضوں کو علمی کتاب میں ذکر نہیں کرنا چاہئے اس سے علمی کتاب کی قدر بڑھتی نہیں گھٹ جاتی ہے اور قاری کے
ذہن پر بھی کچھ اچھا اثر نہیں ہوتا۔

حوالہ میں ایک آدھ جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ عبارت ناقل کی کتاب سے نقل کی اور حوالہ منقول عنہ کا بھی دیدیا۔
مثلاً صفحہ ۱۳۸ پر لکھتے ہیں:-

"علامہ شرف الدین الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کچھ ایسے الفاظ
استعمال کئے ہیں جن سے اہل الرائے کی کچھ تنقیص معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ملا علی القاریؒ ان کے ساتھ مناقشہ

کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ: یشم من کلام الطیبی رائحۃ الکنایۃ الاعتراضیۃ علی العلماء الحنفیۃ الخ (مرقات ج ۱ ص ... ومقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۰۶)

یہاں فاضل مصنف نے مذکورہ بالا اقتباس مقدمہ تحفۃ الاحوذی سے نقل کیا ہے مگر حوالہ ملا علی قاریؒ کی کتاب مرقاۃ المفاتیح کا بھی دیدیا ہے حالانکہ مناسب یہ تھا کہ یا تو صرف مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے حوالہ پر اکتفا کرتے یا پھر مرقات سے مراجعت کر کے اس کا صحیح حوالہ نقل کرتے۔ مذکورہ بالا عبارت مرقاۃ المفاتیح کی جلد دوم صفحہ ۸۷ پر ہے۔ جس حدیث کے ضمن میں ملا علی قاریؒ نے یہ عبارت لکھی ہے وہ باب الجماعۃ وفضلہا کی فصل ثالث ہے مرقاۃ المفاتیح کی جلد اول تو باب التشہد پر ختم ہو جاتی ہے اس میں یہ عبارت موجود نہیں۔ کتاب میں بعض جگہ حوالوں کے نقل کرنے میں کاتب نے بھی کچھ کم ستم نہیں ڈھایا ہے۔ مثلاً ص ۹۰ پر جو یہ عبارت مرقوم ہے۔

ما کان احفظہ لکل حدیث فیہ فقہ واشد فحصہ عنہ واعلمہ بما فیہ من الفقہ۔ (تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۹ وتبییض الصحیفہ ص ۲۷)	انھوں نے ہر ایسی حدیث کو کیا ہی اچھی طرح یاد کیا جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہو اور وہ حدیث کے بارے میں بڑی بحث کرنیوالے اور حدیث میں فقہی مسائل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔

یہ تاریخ بغداد کی جلد تین (۳) میں نہیں بلکہ جلد تیرہ (۱۳) میں ہے۔

بعض بعض جگہ زبان فاضل مؤلف کے وقار علمی سے بہت فروتر ہے اور بعض مقامات پر جہاں لفظ اور لکھنا چاہئے تھا واؤ عاطفہ کا استعمال کیا ہے چنانچہ ص ۱۹ پر رقمطراز ہیں "گھاس وچارہ، ... گھاس وسبزہ وغیرہ" اور ص ۲۰ پر لکھتے ہیں: "اس عمدہ زمین سے ساگ پات، گھاس واناج ... پھول وپھل ... اگتی اور پیدا ہوتی ہیں" اور ص ۲۴ پر ہے: "نقد وپرکھ"۔ اب ان باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا ہے لیکن اس سے احتراز کرنا چاہئے[1]۔

ان معمولی باتوں سے قطع نظر کتاب علمی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو حسن قبول عطا فرمائے۔ آمین۔ (م۔ع۔ح۔ج)

---

[1] سید انشاء اللہ خاں انشا نے دریائے لطافت میں اس پر تنبیہ کی ہے وہ لکھتے ہیں:-

"تنبیہ:- دو ہندی لفظوں میں یا ایک ہندی اور ایک فارسی کے درمیان واؤ عاطفہ کا لانا اچھا نہیں، جیسے یہ کہنا جھاڑو وٹوکرا، یا جاروب وٹوکرا"

ملاحظہ ہو دریائے لطافت ص ۳۹۴ مترجمہ کیفی دہلوی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو دکن سنہ ۱۹۳۵ء

مقدمات

مقدمہ

مسندِ ابوداؤد طیالسی

مترجم

مولانا محمد عبد الحلیم چشتی

فاضل دیوبند۔ ایم اے۔ ایم، ایل۔ ایس (پی ایچ ڈی)

فہرست مضامین مقدمہ ابوداؤد طیالسی

امام ابوداؤد طیالسی رح

مسند ابی داؤد طیالسی

امام ابوداؤد طیالسی
اور
ان کی مسند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوداؤد طیالسی کے حالات، تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں اتنے کم ملتے ہیں کہ تشنگان ذوق کے لب بھی تر نہیں ہوتے۔ ان کی مسند بار بار زیور طبع سے آراستہ ہوکر آئی لیکن کسی نے اس پر قلم نہیں اٹھایا۔ ان کی سوانح حیات پر تحقیقی انداز میں کام نہیں ہوا۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اس خلاء کو پر کیا جاتے ان کے حالاتِ زندگی مستند حوالوں سے پیش کئے جائیں اس امر میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کا اندازہ اہل علم کر سکیں گے۔

بصرہ ابوداود طیالسی کا مرکز بوم رہا ہے یہ ارباب کمال کا مرکز تھا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں بصرہ اسلامی علوم کا گہوارہ تھا۔ یہاں گوناگوں علوم میں ارباب کمال انفرادی حیثیت میں آج کے دور کی اکیڈمی کا کام کرتے تھے ان کی خدمات ایسی عظیم اور شاندار ہیں کہ ان کا تذکرہ کئے بغیر اسلامی علوم کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ابتداء میں اہل بصرہ کی حدیث اور علوم حدیث میں خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا پھر ابوداؤد طیالسی کی سوانح حیات اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی، ان کی علمی خدمات کا تعارف کرایا گیا، پھر مسند اور کتب حدیث میں مسانید کا مقام ومرتبہ واضح کیا گیا، ضمناً بعض دوسری مسانید کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض علمی مباحث بھی آئے ہیں جن سے انشاء اللہ بحث کے نئے گوشے وا ہوں گے۔

ابوداؤد طیالسی پر جب لکھنا شروع کیا تو مواد چار سو صفحات میں آیا پھر جو اختصار کیا وہ ہدیۂ ناظرین ہے یہ کتاب بھی انشاء اللہ شائع کی جاتے گی۔

اس میں اگر کام کی کچھ باتیں آگئیں تو وہ انہی نفوس قدسیہ کا فیض ہے جن کا اس میں تذکرہ آیا ہے اور جو کمی اور

خامی رہ گئی ہے وہ اس عاجز کی لغزش قلم ہے۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ گوناگوں مصروفیات کے باوجود یہ تحقیقی کام انجام کو پہنچا۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین۔ ۱۵ - الاحقاف ۴۶

"اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار رہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں جن کو تو میرے لئے پسند کرے اور میری اولاد میں صلاح و تقویٰ دے، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔"

یہ مقدمہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔

(۱) آغازِ مقدمہ میں دوسری صدی ہجری میں بصرہ میں اسلامی ثقافتی ورثہ: حدیث وعلوم حدیث کے ارتقاء بصرہ و اہلِ بصرہ کی صفات و خصوصیاتِ علمی، آئمہ فن کی بصرہ میں آمد، محدثین کی کثرت، درس حدیث میں طلبہ کی تعداد، اربابِ کمال کا بصرہ میں اجتماع، اسلامی قلمرو میں بصرہ کا تقدم و شرف، ممتاز محدثینِ اہلِ بصرہ کی علوم حدیث میں برتری کے اسباب، اسانیدِ صحاح اور حفاظِ اہلِ بصرہ، اہلِ بصرہ و اہلِ کوفہ کی اسانید سے مروی احادیث سے بحث کی گئی ہے

(۲) وسطِ مقدمہ میں ابوداؤد طیالسیؒ کے حالاتِ زندگی اور ان کی سیرت کو بیان کیا گیا ہے جو حسب ذیل عنوانات پر مشتمل ہے:-

نام و نسب، تعلیم و تربیت، اساتذہ و شیوخ کی تعداد، ذوقِ تحقیق و شوقِ جستجو، آئمہ فن کے ذخیرۂ احادیث پر نظر، امام شعبہؒ کی حیات میں ان کی مسندِ درس پر تدریس کا اعزاز، تلامذہ کی رہنمائی، ابوداؤد طیالسی کا فقہی مسلک اور وہ ناقدین کی نظر میں، اربابِ کمال کا خراجِ تحسین، ابوداؤد طیالسی اور فنِ جرح و تعدیل، سالِ وفات۔

(۳) آخر مقدمہ میں مسندِ ابی داؤد طیالسی سے بحث کی گئی ہے یہ بحث مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل ہے:

مسند، معجم، تدوینِ حدیث کے دو طریقے، حدیثی دائرۃ المعارف، مسانید و معاجم کی افادیت، مسانید کا مرتبہ کتبِ سنن و مصنفات سے فروتر قرار دینا، اس پر شیخ الاسلام زکریا انصاری اور حافظ ابنِ حجرؒ کا تبصرہ، مسندِ بقی بن مخلد و مسند بزار، مسندِ امام احمد کی خصوصیات، شیخ ابن الصلاح کی ہفتگانہ اقسامِ حدیث، ائمہ فن کی آراء، شیخ ابن الھمام کا شیخ ابن الصلاح سے مناقشہ، شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ کا شیخ ابن الھمام کے بیان پر تبصرہ، قاضی محمد اکرم نصرپوری کی دادِ تحقیق، مسندِ طیالسی کی تصنیف ہے؟ ترتیبِ مسندِ ابوداؤد طیالسی، راویانِ مسندِ ابوداؤد طیالسی پر پھیلی ہوئی ہے اس مقدمہ کے معرضِ تحریر میں آنے کا سبب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کی فرمائش اور تقاضا ہے۔ اس ادارہ نے اس علمی کام میں حسنِ ادب ملحوظ رکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ادارہ کو دینی و تحقیقی کام سے گہرا شغف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو مزید دینی و علمی کتابیں شائع کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے، اس عاجز کی، اس کے والدین کی اور عزیزوں کی مغفرت کا سامان کرے۔

آمین

محمد عبدالحلیم چشتی ۱۶ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ / ۳۱ مئی ۱۹۹۱ء

مصنّف اور کتاب کی وجہ شہرت

مصنف اور کتاب کی شہرت، عظمت و قبولیت، چند باتوں پر موقوف ہے۔

۱۔ مصنف کی عظمت

ابوداؤد کی عظمت دوگونہ ہے۔

الف۔ موصوف کا تعلق خیر القرون سے ہے اور تبع تابعین میں شمار ہے۔

ب۔ فضل و کمال: ائمہ فن سے اکتساب کمال کیا ان میں (۱) امیر المومنین فی الحدیث شعبہؒ (۲) امام مالکؒ (۳) سفیان ثوریؒ (۴) حماد بن زید۔ (۵) سفیان بن عیینہ، (۶) حماد بن سلمہؒ (۷) وکیع بن الجراح کا نام سرفہرست آتا ہے۔

یہ ائمہ فن و حفاظ حدیث حسب ذیل خصوصیات کے حامل تھے

۱۔ یہ وہ ائمہ عصر ہیں جن پر علم حدیث دائر و سائر ہے۔ دنیا میں آج حدیث کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو ان ائمہ ثقات کی روایت سے خالی ہو۔

۲۔ ان کی حدیثوں کا اسلامی قلمرو میں مشرق سے مغرب تک چرچا تھا۔

۳۔ حفظ و مذاکرہ اور فہم و معرفت حدیث کی غرض سے ان کو یاد کیا جاتا اور ان کی مرویات کو دل و دماغ پر نقش کیا جاتا تھا۔

ج۔ ابوداؤد طیالسی سے ان کے بعض ایسے شیوخ حدیث نے روایت کی جن کی ثقاہت اور فنی بصیرت و حفظ مسلم تھا۔ طلبہ و شائقین حدیث تحصیل حدیث کی خاطر ان کی طرف سفر کر کے آتے تھے۔

د۔ ائمہ فن امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ اور علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ جیسے اساطین علم کو موصوف سے تلمذ کی نسبت حاصل ہے۔

ہ۔ مصنف کی حیثیت سے موصوف کا شمار صف اول کے مصنفین میں کیا جاتا ہے۔

موضوع کی اہمیت

قرآن مجید کے بعد سنت ہی شریعت کا سب سے بڑا ماخذ ہے۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں احادیث و آثار کا صاف ستھرا اور مفید ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔

اختصار و جامعیت مسند ابو داؤد الطیالسی اپنے موضوع پر مختصر و جامع تصنیف ہے، اختصار و جامعیت اس امر سے روشن ہے کہ صحابہ رضؓ کی مسانید کا منتخب ذخیرہ ایک جلد میں سمو دیا گیا ہے۔ ضمناً کم و بیش ہر موضوع کی حدیث اس مسند میں جمع کر دی گئی ہے۔

قبولیت و شہرت محدثین نے مسند ابی داؤد الطیالسی کی روایات کو کتاب السنن میں نقل کیا ہے چنانچہ امام بیہقی السنن الکبریٰ میں اپنے شیوخ کے واسطہ سے یونس بن حبیب راوی مسند ابی داؤد طیالسی سے مسند کی روایتیں نقل کرتے ہیں۔

اسی طرح مسند ابی داؤد الطیالسی کی غیر شعوری طور پر ابواب فقہ میں ترتیب و تبویب عمل میں آئی۔

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس مسند کی جداگانہ ترتیب کی اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے یہ اس مسند سے علماء کے اعتناء اور اس کی قبولیت کی نہایت روشن دلیل ہے۔

ابی داؤد الطیالسی کی مسند کے علاوہ دوسرا روایتی ذخیرہ ان کے دوسرے تلامذہ کی مساعی سے ان کی مسانید و سنن میں آگیا جس کے بڑے حصہ سے مسند ابی داؤد الطیالسی خالی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب اللہ کے بعد، اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن و آثار کا علم ہی وہ علم ہے جس نے بنی نوع انسان کو حقیقت تک رسائی و دقت نظر کی راہ سجھائی، نیز علوم کے باب میں نئی بنیادیں رکھیں۔ تاریخ علوم میں بحث و نظر کے نت نئے گوشوں کا اضافہ کیا۔ گوناگوں علوم کا دروازہ کھولا، سینکڑوں اصطلاحات اور اصناف علوم ایجاد و اختراع کی گئیں، تحقیق و تدقیق کی راہیں وا ہوئیں، تحقیق و تنقیح متون کی بنیاد پڑی تنقید اسناد سے علم رجال کی تدوین عمل میں آئی۔ اور ان علوم کی اسلام کے زیر سایہ نشو و نما ہوئی۔ انہیں پروان چڑھنے اور ترقی کرنے کا موقعہ ملا

حدیث من کذب علی متعمداً۔ الخ کا علوم اسلامی پر اثر

یہ سب کچھ صرف ایک حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علیّ متعمّداً فلیتبوّأ مقعدہ من النار "مجھ پر جان بوجھ کر جس نے جھوٹ بولا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے" کا ثمرہ ہے۔

اس ارشاد نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زبان رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ہوئے اصل الفاظ کو یاد رکھنے، سمجھنے، ان پر غور و فکر کرنے، راوی کی چھان بین کرنے، کسی بات کو بیان کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کرنے کا دالہ و شیدا کیا۔ رواۃ حدیث کو صفتِ عدالت سے آراستہ و پیراستہ کرنے اور رہنے کا عادی بنایا اور ان کا عادل و ثقہ ہونا لازمی قرار دیا۔ اس طرح علوم میں جعل سازی کا راستہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا

وہ ارباب صدق و صفا جنہوں نے الفاظ کو اپنے دل و دماغ پر نقش کیا اور ابلاغ کی عظیم الشان خدمات انجام دیں انہیں اصطلاح میں "محدثین و رواۃ حدیث" کہا جاتا ہے اور جن نفوس قدسیہ نے کتاب اللہ اور سنن و آثار کے الفاظ و معانی میں غور و خوض کر کے اصولِ استنباط وضع کئے، ان کی روشنی میں زندگی کے مسائل کو حل کیا ان کی تشکیل و تدوین کی انہیں "مجتہدین و فقہاء" کہا جاتا ہے۔

نامور متکلم و فقیہ ابو بکر محمد بن حسن بن فورک اصفہانی المتوفی سنہ ۴۰۶ھ نے مشکل الحدیث میں ان دونوں گروہوں کی مساعی جمیلہ و علمی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے جو تجزیہ کیا وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

محدثین و فقہاء کی مثال

ان میں ایک گروہ اہل نقل و روایت کا تھا جن کی تمام تر توجہ احادیث و متن کی نقل و روایت پر مرکوز تھی۔ اور ان کی تمام تر سعی و کوشش اس کے طرق و

اسانید کو جمع کرنے، صحیح وغلط میں تمیز کرنے، انہیں چھانٹنے پر رہی چنانچہ ان پر یہی کام غالب آگیا اور اسی سے پہچانے گئے اور اسی کی طرف ان کی نسبت کی جاتی تھی، یہ اہل نقل وروایت سے مشہور ہوئے۔

اور ایک گروہ پر فکر ونظر کی راہوں کی تحقیق وجستجو کے شوق کا غلبہ رہا، قیاس واجتہاد اور فروع کو اصول کے مطابق مرتب کرنے اور ان پر اعتراض وشبہ کرنے والوں کے اعتراض وشبہات دور کرنے اور ان کے دلائل اور شواہد ونظائر جمع کرنے پر توجہ مبذول رہی

دین کے فروغ کے لئے پہلے گروہ کی حیثیت بادشاہ کے خزانے کے خزانچیوں کی سی ہے اور دوسرے گروہ کی حیثیت فوج کے سربراہ اور پاسبانوں کی ہے جو شاہی خزانوں کی دست درازی کرنے والوں اور بری نظر ڈالنے والوں سے حفاظت کرتے ہیں [1]

اسلامی قلمرو کے ممالک اور بستیوں میں انہی دو گروہوں کی کثرت وشہرت رہی انہی کا سکہ رواں رہا۔ ان کی شاندار تحقیقات وتخلیقات اور خدمات سے اسلامی قلمرو میں علم کی گرم بازاری رہی۔ امت مسلمہ کی علمی تاریخ میں انہیں نہایت ممتاز مقام حاصل ہے جیسا کہ تذکرے اور طبقات رجال کی کتابوں سے عیاں ہے۔

بصرہ واسلامی ثقافتی ورثہ: حدیث، علوم حدیث اور محدثین

مرکز علوم وفنون بصرہ اور اہل بصرہ کی خصوصیات

بصرہ اسلامی قلمرو میں علوم وفنون کا گہوارہ تھا۔ تفسیر حدیث، رجال، فقہ، تصوف، عربیت، نحو ولغت اور نوادر میں یہ شہر ممتاز رہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو محمد علی بن محمد ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ "فضائل الاندلس و اہلہا" میں دار الخلافہ بغداد کے فضائل بیان کرتے ہوئے بصرہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ بغداد جو دنیا کی بستی اور ہر فضیلت وشرف کی کان ہے، وہ مقام ہے جہاں کے رہنے والے علوم ومعارف کے پرچم بلند کرتے ہیں اور علوم میں ژرف نگاہی، کریمانہ اخلاق، فہم وفراست، وحدت افکار اور رسائی ذہن میں سب سے بازی لے گئے ہیں،

یہ بصرہ ان تمام صفات سے جو ہم نے بیان کی ہیں آراستہ ومعمور تھا، [2]

---

[1] محمد بن الحسن ابن فورک، مشکل الحدیث، تحقیق موسی محمد علی. ط:۲، بیروت، عالم الکتب ۱۴۰۵ھ، ۳۷ و ۳۸۔

[2] ابو محمد علی بن احمد ابن حزم الاندلسی، فضائل الاندلس واہلہا، تحقیق صلاح الدین المنجد، بیروت، دار الکتاب العربی ۱۳۴۷ھ ص۱۰

بصرہ کی علمی شہرت ایسی تھی کہ اس نے اہل علم کو اپنی کتاب میں اس کے فضائل قلمبند کرنے سے مستغنی کردیا تھا۔ لیکن اس کی علمی اہمیت کے پیش نظر کتاب کو اس کے ذکر سے خالی بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا چنانچہ ان حقائق کو تحریر کرنے کے بعد علامہ عبدالکریم سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ الانساب میں لکھتے ہیں :۔

" بصرہ اسلام کا قبہ اور خزانۃ العرب ہے ۔[1]

میں نے بصرہ کے کچھ خصائص وفضائل کا تذکرہ کتاب الاسفار عن الاسفار میں اور کتاب النزوع عن الاوطان والنزاع الی الاخوان میں بھی کیا ہے ۔

بصرہ میں ائمہ فن کی آمد بصرہ کی علمی حیثیت واہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں یہاں ائمہ فن کی کثرت رہی دوسری صدی ہجری میں دور دور سے ائمہ فن یہاں آتے افادہ اور استفادہ کرتے تھے ۔ سرزمین بصرہ میں حدیث وفقہ کی جیسی گرم بازاری تھی امام اعظم ابوحنیفہ رح کو اس کا خوب اندازہ تھا چنانچہ موصوف نے اپنے تلمیذ خاص یوسف بن خالد بصری المتوفی ۱۸۹ھ کو رخصت کرتے وقت نصیحت کی تھی کہ بصرہ ارباب کمال کا مرکز ہے فقہاء و محدثین کی وہاں کثرت ہے تم جاتے ہی جامع بصرہ کے اسطوانہ (ستون) کے سہارے بیٹھ کر درس وتدریس شروع نہ کرنا وہاں کی علمی مجالس کا جائزہ لے کر کوئی قدم اٹھانا ۔[2]

مشہور تھا کہ اپنے زمانے میں حدیث وفقہ کے جامع چار امام تھے ۔ کوفہ میں سفیان ثوری، مدینہ میں امام مالک، شام میں اوزاعی اور بصرہ میں حماد بن زید ۔[3]

فقیہ مدینہ حافظ الحجۃ ہشام بن عروہ المتوفی ۱۴۶ھ بصرہ میں آئے تھے ۔[4]

---

[1] ابوسعد عبدالکریم بن محمد السمعانی، الانساب، تحقیق عبداللہ عمر البارودی، بیروت، دار الجنان ۔ ۱۴۰۸ھ ۱/۳۶۳ (البصرہ)

[2] محمد بن محمد بن شہاب الکردری، مناقب الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حیدرآباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۲۱ھ ۲/۱۸۷، محمد زاہد الکوثری، لمحات النظر فی سیرۃ الامام زفر، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی ۔ ب،ت، ص ۱۹

[3] عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم الرازی، تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل، حیدرآباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ ۱۹۵۲ء ص ۱۱۸، ۱۷۷، شمس الدین الذہبی، سیر اعلام النبلاء تحقیق شعیب الارنؤط، ط: ۲، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۰۲ھ ۷/۱۳۱ (رلہ) تذکرۃ الحفاظ، ط ۳۰، حیدرآباد الدکن مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۵ھ ۱/۲۲۸

[4] الذہبی، ۶/۵، تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۴۴

شیخ حرم فقیہ مکہ عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریج المتوفی ۱۵۰ھ وفات سے پہلے بصرہ آئے اور یہاں حدیثیں بیان کیں [۱]

امام مالکؒ مدینہ سے حج وعمرہ ادا کرنے مکہ گئے اس کے سوا مدینہ سے کبھی نہیں نکلے۔

امیر المومنین فی الحدیث سفیان ثوریؒ (۹۷-۱۶۱ھ) بصرہ میں آتے رہے اور آخری ایام میں خلیفہ مہدی کی گرفت سے بچنے کے لئے بصرہ میں آکر عبد الرحمن بن مہدی کے مکان میں چھپ گئے اسی حال میں وفات پائی اور انہی کے مکان میں دفن کر دیئے گئے [۲]

شیخ الاسلام ابو عمرو عبد الرحمن اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ نے حضرت حسن بصریؒ سے استفادہ کے لئے بصرہ کا رخ کیا جب بصرہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ انتقال کر گئے ہیں پھر محمد ابن سیرین سے اکتساب کمال کیا [۳]

ائمہ اربعہ میں سے امام اعظم ابو حنیفہؒ کی بار بار بصرہ آمد و رفت رہی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ جن کی نشو و نما دار الخلافہ بغداد میں ہوئی تھی چار مرتبہ بصرہ میں آئے، پہلی بار ۱۸۶ھ/۸۰۲ء میں حافظ ابو اسماعیل بشر بن المفضل رقاشی البصری المتوفی ۱۸۶ھ/۱۸۷ھ ابو محمد مرحوم بن عبد العزیز اموی بصری المتوفی ۱۸۸ھ اور دوسرے شیوخ بصرہ سے احادیث کا سماع کیا۔

دوسری ۱۹۰ھ = ۸۰۵ء میں آئے امام حدیث و فن جرح و تعدیل یحییٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ کے مکان میں چھ مہینے رہ کر ان سے استفادہ کیا چوتھی بار ۲۰۰ھ میں آئے [۴]

ارباب صحاح ستہ میں سے امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ چار مرتبہ بصرہ میں آئے [۵]

صاحب سنن ابو داؤد سجستانی المتوفی ۲۷۵ھ آخر عمر میں بصرہ میں آکر آباد ہو گئے تھے یہیں انتقال کیا [۶]

امام ابن ماجہ قزوینی المتوفی ۲۷۳ھ بصرہ آئے تھے دیگر ارباب صحاح ستہ اور دیگر ائمہ حدیث کی بھی بصرہ میں آمد و رفت رہی ہے۔

---

[۱] الذہبی، ۱/۲۳۱، ۳۳۴

[۲] جمال الدین یوسف بن عبد الرحمن المزی، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دمشق، دار المامون للتراث ۱۴۰۲ھ ۱/۵۱۳، والذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۰۶

[۳] حسن بن عبد الرحمن الرامہرمزی، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، تحقیق محمد عجاج الخطیب، ط ۱۴۰۴، بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع ۱۴۰۴ھ ۲۲۹-۲۳۳، الذہبی، ۱/۱۱۷

[۴] احمد بن حنبل، کتاب العلل و معرفۃ الرجال، استانبول، ۱۹۸۷ء ۲/۳۱۱ (۲۲۱)

[۵] احمد بن علی بن حجر العسقلانی، ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری، القاہرۃ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۷ھ ۲/۱۹۴

[۶] الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۹۳

بصرہ میں محدثین کی کثرت بصرہ میں محدثین کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ مسند بصرہ حافظ مسلم بن ابراہیم فراہیدی بصری المتوفی سنہ ۲۲۲ھ فرماتے تھے۔

کتبت عن ثمان مائة شیخ وماجزت الجسر[1]

میں نے آٹھ سو شیوخِ حدیث سے حدیثیں لکھیں اور پل اتر کر نہیں گیا۔

بصرہ میں درس حدیث میں طلبہ کی تعداد دوسری اور تیسری صدی ہجری کے ربع اول میں بصرہ کی مجالس حدیث میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ شرکت کرتے تھے

بصرہ میں حدیث وعلوم حدیث کی سب سے بڑی مجلس درس وہ تھی جس میں بیک وقت دس ہزار طلبہ حاضر ہوتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی المتوفی سنہ ۳۶۵ھ نے تلمیذ شعبہ مسند بصرہ صاحب غزو خیر ابو عثمان عمرو بن مرزوق بصری المتوفی سنہ ۲۲۴ھ کے حلقہ درس کے متعلق احمد بن محمد بن مخلد سے نقل کیا ہے،

لم یکن بالبصرة مجلس اکبر من مجلس عمرو بن مرزوق الباهلی کان فیه عشرة الآف رجل[2]

بصرہ میں عمرو بن مرزوق کی مجلس درس حدیث سے بڑی مجلس کوئی نہ تھی، اس میں دس ہزار طلبہ ہوتے تھے۔

موصوف ابوداؤد طیالسی سے بھی روایت کرتے ہیں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے ربع اول میں بصرہ میں علوم کی اور خاص طور پر علوم حدیث کی بڑی گرم بازاری تھی۔ محدثین کے حلقۂ درس میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ شرکت کرتے تھے۔

بصرہ میں گوناگوں ارباب کمال کا اجتماع امام لغت ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ شعوبی بصری المتوفی سنہ ۲۰۹ھ ۸۲۴ء نے "مثالب العرب من اہل البصرة" میں اپنے معاصر امام فنِ ادب ولغت ابو الحسن نضر بن شمیل تمیمی مازنی بصری المتوفی سنہ ۲۰۳ھ کے بصرہ چھوڑنے کا جو واقعہ نقل کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بصرہ میں ارباب فضل وکمال کا بڑا مجمع تھا، ابو عبیدہ کا بیان ہے

نضر بن شمیل جب بصرہ سے خراسان کی طرف نکلے تو انہیں رخصت کرنے تین ہزار ایسے اشخاص نکلے جو ۱۔ یا لغوی تھے ۲۔ یا نحوی، ۳۔ یا عروضی، ۴۔ یا محدث، ۵۔ یا اخباری (مؤرخ)[3]

---

[1] الذهبی، تذکرة الحفاظ ۱/۳۹۴، محمد عبد الرشید نعمانی، امام ابن ماجہ اور علم حدیث، کراچی نور محمد اصح المطابع ۱۳۷۷ھ ص۵۴

[2] المزی، ۲/۱۰۴۹، ابن حجر، تہذیب التہذیب، حیدر آباد الدکن مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۲۵ھ ۸/۱۰۰، الذہبی، ۱۰/۴۱۹

[3] احمد بن ابی بکر بن خلکان، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان تحقیق احسان عباس، بیروت، دار القلم، ۱۹۷۱ء ۵/۳۹۷

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس دور میں بصرہ مدینۃ العلوم اور خزینۃ المعارف بنا ہوا تھا۔
نیز اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں بصرہ کتنی متنوع علوم کی جامعہ تھا اور یہاں علوم مذکور کی بیک وقت کیسی عظیم علمی شخصیات اپنی اپنی جگہ تدریسی و تصنیفی خدمات میں مجمع علمی اور اکیڈمیوں کی حیثیت سے سرگرم عمل تھیں۔

اسلامی قلمرو میں بصرہ کا تقدم و شرف

بصرہ کو کوفہ پر دو گونہ تقدم و شرف حاصل ہے اولاً یہ کہ بصرہ کوفہ سے پہلے آباد کیا گیا۔ ثانیاً اہل بصرہ سے عربیت کا علم سیکھا گیا چنانچہ محمد بن اسحاق الندیم کتاب الفہرست میں رقمطراز ہیں۔

انا قدمنا البصریین اولا لان علم العربیۃ عنہم اخذ ولان البصرۃ اقدم بناء من الکوفۃ [۱]

ہم نے کتاب الفہرست میں علماء بصرہ کا علماء کوفہ سے پہلے تذکرہ اس لئے کیا کہ انہی سے عربیت کا علم سیکھا گیا اور اس لئے بھی کہ بصرہ کی کوفہ سے پہلے بنیا د رکھی گئی۔

غالباً اس سبقت کی وجہ سے بصرہ و کوفہ کو بصرتان کہا جاتا ہے
بصرہ میں مربد کو علوم عربیت کے ابلاغ و فروغ میں وہی مقام حاصل ہے جو عکاظ کو دور جاہلی میں حاصل تھا۔ چنانچہ جاحظ کا بیان ہے کہ جارود المتوفی ۲۱ھ مربد کے متعلق لوگوں سے کہتا تھا۔

بصرہ میں عکاظ کا بدل مربد

علیکم بالمربد فانہ یطرد الفکر، ویجلو البصر و یجلب الخبر ویجمع بین ربیعۃ و مضر، [۲]

لوگو! مربد جایا کرو، وہاں کا جانا فکر کو بلند کرتا اور آنکھوں کو علم سے روشن کرتا، اطلاعات بہم پہنچاتا اور ربیعہ و مضر کو اکٹھا کرتا ہے۔

انہی وجوہ سے جعفر بن سلیمان عباسی مربد کو چشم عراق کہتا تھا [۳]
اس کا محلہ بھی مربد میں واقع تھا [۴]

بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ: ۔ ۳۹۸، علی بن یوسف القفطی، انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم القاہرۃ، دار الفکر العربی، ۱۴۰۶ھ ۳/۳۴۸-۳۴۹۔

حاشیہ صفحہ ھذا۔ [۱] الندیم کتاب الفہرست تحقیق رضا۔ تجدد ط: ۲ کراچی، نور محمد اصح المطابع ستمبر ۱۹۹۰ء ص ۱۷

[۲] عمرو بن بحر الجاحظ، البیان والتبیین، تحقیق عبد السلام محمد ہارون ط: ۴ بیروت، محمد فاتح الدایہ، د، ت، ۱/۳۴۵

[۳] عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ، عیون الاخبار، القاہرۃ، مطبعہ دار الکتب المصریہ، ۱۳۴۳ھ ج ۲/۲۲۲

[۴] الجاحظ، کتاب الحیوان تحقیق عبد السلام محمد ہارون، مصر، مکتبۃ مصطفی البابی الحلبی ۱۳۶۴ھ ۷/۸

جنگ جمل کے زمانے میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ، طلحہؓ، زبیر رضی اللہ عنہم کا یہاں قیام رہا[1]
یاقوت رومی مربد کے متعلق لکھتے ہیں۔
مربد ایک مقام و محلہ بن گیا تھا لوگ یہاں آباد تھے، یہ شعراء کے فخر و مباہات کا مرکز تھا خطیبوں کی یہاں مجلسیں جمتی تھیں یہ بصرہ سے تین میل کی مسافت پر واقع ہے[2]

مربد میں محدثین کا قیام

محدثین کی ایک جماعت یہاں آباد تھی، اور قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں یہاں کے علمی حلقوں سے آتی رہتی تھیں[3]

امام لغت نضر بن شمیل المتوفی ۲۰۳ھ نے جب بصرہ کو خیرباد کہا تو بصرہ کے ارباب کمال مربد میں جمع ہوئے موصوف سے سبب پوچھا تو نضر نے کہا۔
"مجھ پر تمہاری جدائی بہت شاق ہے لیکن کیا کروں بخدا روزانہ دو روٹی مجھے ملتی رہتی بصرہ نہ چھوڑتا[4]

بصرہ میں حدیث رسول کے امین

امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ نے بعض اہل بصرہ اور یحییٰ بن سعید القطان کو حدیث رسول کا امین قرار دیا ہے، موصوف کا بیان ہے
حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے تین امین گزرے ہیں، مالک، شعبہ، اور یحیی بن سعید القطان[5]
امام مالک کے سوا شعبہ اور یحیی بن سعید القطان دونوں بصری ہیں

بصرہ میں دس ممتاز محدثین کا حلقہ درس

بصرہ میں دس ممتاز محدثین کا حلقہ درس بہت مشہور تھا اور ائمہ فن سنن و آثار کی درس و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت میں بیک وقت سرگرم عمل تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱- حافظ ابو معاویہ یزید بن زریع بصری عیشی المتوفی ۱۸۲ھ
۲- شیخ عراق ابو اسماعیل حماد بن زید بن درہم الازدی مولاہم البصری الازرق، الضریر ۹۸-۱۷۹ھ
۳- ابو عبیدہ عبدالوارث بن سعید العنبری مولاہم التنوری البصری ۱۰۲-۱۸۰ھ۔
۴- محدث بصرہ ابو محمد معتمر بن سلیمان التیمی البصری ۱۰۶-۱۸۷ھ
(۵) ابو بشر (ابو عبیدہ) عبدالواحد بن زیاد العبدی مولاہم البصری ۱۷۶/۱۷۷ھ

---

[1] السمعانی ۵/۲۵۱
[2] یاقوت رومی، معجم البلدان، بیروت دار صادر، ۱۳۷۶ھ ۱۹۵۷ء، ۵/۹۸
[3] السمعانی ۵/۲۵۱-۲۵۲، (المربدی)
[4] ابن خلکان ۵/۳۹۸، القفطی ۳/۳۴۹
[5] یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر القرطبی، الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء، القاہرہ، مکتبۃ القدسی ۱۳۵۰ھ ص۳۱
الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۰۰

٦ - ابو سلیمان جعفر بن سلیمان الضبعی البصری ۱۷۸ھ
٧ - ابو بکر وہیب بن خالد الباہلی مولاہم البصری الکرابیسی ١٠٧-١٦٥ھ
٨ - ابو عثمان خالد بن الحارث الہجیمی البصری ۱۸۶ھ
٩ - ابو اسماعیل بشر بن المفضل ابن لاحق الرقاشی مولاہم البصری ۱۸۶/۱۸۷ھ
١٠ - ابو بشر اسماعیل بن علیہ) ابراہیم بن مقسم ۔ الاسدی مولاہم البصری، ۱۹۳ھ ؁

ان میں اکثر ابوداؤد طیالسی کے شیوخ ہیں

حاکم نیشاپوری نے کتاب معرفۃ علوم الحدیث (۲۴۰) میں مشہور ثقات ائمہ تابعین وتبع تابعین کے عنوان میں جن کی حدیثیں (حاکم کے زمانے چوتھی صدی ہجری تک) حفظ و مذاکرہ اور برکت کی خاطر جمع کی جاتی تھیں اور انہیں مشرق سے مغرب تک یاد کیا جاتا تھا جن ائمہ بصرہ کی نشاندہی کی ہے ان کی تعداد ۷۸ تک پہنچتی ہے اس سے بصرہ میں ائمہ حدیث کی کثرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا حفاظ بصرہ میں بعض وہ حفاظ حدیث بھی ہیں جن کی جلالت قدر کا اعتراف امام سفیان ثوری ۱۶۱/۱۶۲ھ کو بھی تھا وہ فرماتے تھے۔

حفاظ بصرہ تین ہیں (۱) ابوالمعتمر سلیمان بن طرخان التیمی (۰۰۰۰۰-۱۴۲ھ) (۲) ابو عبدالرحمٰن عاصم بن سلیمان الاحول (۰۰۰۰۰-۱۴۲/۱۴۳ھ) (۳) داؤد بن ابی ہند (۰۰-۱۴۱ھ) ؁

تین محدثین بصرہ - ۱۔ سید الحفاظ ابوسعید یحییٰ بن سعید القطان (۱۲۰-۱۹۸ھ) (۲) سفیان بن حبیب بزاز بصری المتوفی ۱۸۲/۱۸۶ھ اور (۳) حافظ ابو معاویہ یزید بن زریع بصری عیشی المتوفی ۱۸۲ھ نے جب سے حدیث سے اعتناء کیا وہ ہمیشہ اس کی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور حدیث کی خدمت میں سرگرم عمل رہے ۔ چنانچہ علی بن المدینی کہتے ہیں ۔

لم یکن من اصحابنا ممن طلب وعنی بالحدیث وحفظہ واقام علیہ حتی طلب ولم یزل فیہ الا ثلثۃ القطان وسفیان بن حبیب ویزید بن زریع ھؤلاء لم	ہمارے اصحاب میں جنہوں نے حدیث کی تحصیل کی اور اس سے اعتناء کیا اس کی نگہداشت میں لگے رہے یہاں تک کہ اسے یاد کیا اور ہمیشہ خدمت حدیث میں سرگرم عمل رہے اور وہ تین القطان، سفیان بن حبیب اور یزید بن زریع تھے

؁ المزی ۱۵۳۱/۳ (ترجمہ یزید بن زریع) ابن حجر ۲۹۶/۸، الذہبی ۲۹۶/۸
؁ ابن ابی حاتم تقدمۃ المعرفۃ ص۲۷ و ابو الشیخ بن حیان، طبقات المحدثین باصبہان والواردین علیہا
طبقات المحدثین باصبہان والواردین علیہا، تحقیق عبدالغفار، سلیمان البنداری و سعد حسن، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۹ھ، ۲۸۶/۱

یدعوہ منذ طلبوہ لم یتخلوا عنہ لم یزالوا فیہ الی ان حدثوا [1]

انہوں نے جب سے اسے حاصل کیا اس سے کبھی پہلو تہی نہیں کی برابر اسے بیان کرتے رہے۔

حفاظ حدیث میں عبداللہ بن عون اور عمرو بن مرہ کی امتیازی شان

بصرہ اور کوفہ میں صرف دو شخصیتیں ایک عبداللہ بن عون [2] اور دوسرے عمرو بن مرہ کی تھیں جو تدلیس نہیں کرتی تھیں۔ چنانچہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ کا بیان ہے:-

ما رایت من اصحاب الحدیث الا یدلس الا ابن عون وعمرو بن مرۃ [3]

میں نے اصحاب حدیث میں کسی کو نہیں دیکھا جو تدلیس نہ کرتا ہو مگر (بصرہ میں) ابن عون کو اور (کوفہ میں) عمرو بن مرہ کو دیکھا کہ یہ تدلیس نہیں کرتے تھے۔

بصرہ کو عراق میں یہ خصوصیت و امتیاز بھی حاصل رہا کہ یہاں ایسا محدث و فقیہ موجود تھا جو حدیث کو اصل حروف و الفاظ میں بیان کرنے کا اہتمام و التزام کرتا تھا۔ اسلامی قلمرو میں ایسے محدث و فقیہ خال خال ہی پائے جاتے تھے، چنانچہ حجاز میں قاسم بن محمد بن ابی بکر ۱۰۶ھ کو (جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے تھے) بصرہ میں شیخ اہل البصرہ حافظ محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) کو اور شام میں شیخ اہل الشام حافظ رجاء بن حیوہ (۱۱۲ھ) یہ فخر حاصل تھا کہ وہ ہمیشہ حدیث کو اصل الفاظ میں روایت کرتے تھے۔

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اصل الفاظ حدیث میں روایت کرنے والے چار حفاظ بصرہ

اسلامی قلمرو میں بعد کے حفاظ حدیث میں یہ خصوصیت بصرہ کے چار حفاظ حدیث کو حاصل رہی چنانچہ محدث خراسان حافظ ابو رجاء قتیبہ بن سعید بلخی ثم بغلانی المتوفی ۲۴۰ھ کا بیان ہے۔

---

[1] المزی، ۳/۷۹۹، ابن حجر، ۱۱/۳۰۰

[2] المزی ۲/۱۰۵۰ ابن حجر ۸/۱۰۳

[3] محمد بن عیسٰی الترمذی جامع الترمذی، کتاب العلل، دہلی مطبع احمدی ۱۲۶۶ھ ص ۶۴۹، الرامہرمزی ص ۵۳۵۔

ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ۱۹۲۷ء، ۱/۸۰، احمد بن علی الخطیب البغدادی، الکفایہ فی علم الروایۃ، حیدر آباد الدکن، جمعیۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۰۷ھ ص ۱۸۶، عبدالرحمن بن احمد ابن رجب الحنبلی، شرح علل الترمذی تحقیق ہمام عبدالرحیم سعید، اردن، مکتبۃ المنار، ۱۴۰۷ھ - ۱۹۸۷ء، ۱/۴۲۵

کانوا یقولون: الحفاظ اربعۃ، اسماعیل ابن علیۃ، وعبد الوارث، ویزید بن زریع ووھیب، کانوا یؤدون اللفظ[1]

علماء و محدثین کہتے تھے کہ حفاظ حدیث چار ہیں۔ ۱۔ ابو بشر اسماعیل بن علیہ ۱۹۳ھ، (۲) عبد الوارث بن عبد الصمد العنبری البصری ۲۵۲ھ (۳) وہیب بن خالد البصری ۱۶۵ھ (۴) یزید بن زریع ۱۸۲ھ یہ اصل الفاظ حدیث بیان کرتے تھے۔

اسماعیل بن علیہ ایسے امام فن جلیل القدر حافظ حدیث تھے کہ کوفہ میں بھی کوئی ان کا نظیر و مثیل نہ تھا، اہل کوفہ بھی ان کی امامت فن کے قائل تھے، اہل بصرہ و اہل کوفہ میں منافست علمی جاری تھی، ہیثم ابن خالد کا بیان ہے کہ حفاظ اہل بصرہ جمع ہوئے تو اہل کوفہ نے اہل بصرہ سے کہا

نحوا عنا اسماعیل وھاتوا من شئتم[2] تم اسماعیل بن علیہ کو ہماری محفل سے ہٹا لو پھر جس کو چاہو مقابلہ کے لئے لے آؤ۔

ممتاز محدثین اہل بصرہ کی علوم حدیث میں برتری کے اسباب

اہل بصرہ کو حدیث و علوم حدیث میں جو برتری حاصل تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل بصرہ بیس برس کی عمر سے حدیثیں لکھتے اور یاد کرتے بصرہ کے بعض ممتاز محدثین نے بیس برس سے شیوخ کی صحبت میں رہ کر کمال بہم پہنچایا تھا۔ چنانچہ یحیی بن سعید القطان کا بیان ہے۔

لزمت شعبۃ عشرین سنۃ فما کنت ارجع من عندہ الا بثلاثۃ احادیث وعشرۃ اکثر ما کنت اسمع منہ[3]

میں بیس برس شعبہ کی صحبت میں رہا میں ان کے پاس سے تین حدیثیں ہی سن کر لوٹا کرتا تھا اور زیادہ سے زیادہ دس حدیثیں ان سے سن کر واپس ہوتا تھا اس سے زیادہ وہ مجلس درس میں بیان نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح حافظ غندر، ابو عبد اللہ محمد بن جعفر الہذلی مولاہم البصری المتوفی سنہ ۱۹۳ھ کا بیان ہے۔

لزمت شعبۃ عشرین سنۃ[5] میں شعبہ کی مجلس درس میں بیس برس حاضر رہا۔

---

[1] الخطیب البغدادی، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع تحقیق محمود الطحان، الریاض مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ۲/۳۳ یوسف المزی، ۱/۹۶، ابن حجر، ۱/۲۷۶ الذھبی، ۹/۱۱۴

[2] المزی ۱/۹۶، ابن حجر، ۱/۲۷۶

[3] الکفایہ ص۵۵ الرامھرمزی ص۱۸۷ (۴۹)

[4] الخطیب، تاریخ بغداد، بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ب، ت، ۱۴/۱۳۶ تذکرۃ الحفاظ ۱/۸، ابن ابی حاتم الرازی، تقدمۃ المعرفۃ، ص۲۴۹ السمعانی، ۴/۵۱۹ (القطان)

[5] الذھبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۳۰

اہل بصرہ کی اثبت، اجود اور اصح اسانید

سلسلہ اسانید میں جن اسانید کو سب سے بہتر، عمدہ اور اعلیٰ خیال کیا جاتا ہے ان میں اہل بصرہ کی اسانید بہت ممتاز ہیں چنانچہ، اثبت، اجود، احسن و اصح اسانید کی بحث ائمہ فن حدیث کا ایک اجتہادی مسئلہ ہے، چنانچہ کسی نے اپنی بصیرت و ملکۂ فن سے کسی سلسلۂ سند کو اثبت، اجود، احسن، و اصح قرار دیا ہے۔ اور کسی نے کسی سلسلہ سند کو اثبت و اجود کہا ہے تاہم اس بحث سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ بصرہ کی سلسلہ اسانید کثیر ہیں اور شیوخ بصرہ کو اس باب میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ نیز دوسری صدی ہجری میں اہل بصرہ کو حدیث و علوم حدیث میں دوسرے اسلامی ممالک و بلاد کی بنسبت زیادہ اعتنا رہا ہے۔

اثبت الاسانید

شیخ عراق حافظ وکیع ابن الجراح المتوفی ۱۹۶ھ / ۱۹۸ھ کی نظر میں سب سے زیادہ معتبر و اثبت سلسلہ سند:

شعبہ عن عمرو بن مرہ عن مرہ عن ابی موسیٰ الاشعری ہے [۱]۔ شعبہ ابوداؤد طیالسی کے شیخ ہیں۔

خلف بن ہشام بزار نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کونسی اسانید اثبت، سب سے زیادہ پکی ہیں؟

فرمایا ایوب عن نافع عن ابن عمر، پھر اگر یہ روایت حماد بن زید عن ایوب ہو تو کیا کہنا۔

ایوب، شعبہ کے اور حماد، ابوداؤد طیالسی کے شیخ ہیں۔

ابن حجرؒ نے کہا کہ امام احمد کے دو قول ہیں۔ اور حاکم ابو عبداللہ محمد نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ نے مستدرک علی الصحیحین میں اسحاق بن راہویہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا سلسلہ روایت ایسا ہی معتبر ہے جیسا ایوب عن نافع عن ابن عمر ہے۔ اس سے امام اسحاق بن راہویہ المتوفی ۲۳۷ھ / ۲۳۸ھ کی نظر میں ایوب عن نافع عن ابن عمر کے تسلسل سند کی عظمت و جلالت عیاں ہے [۲] لیکن یحییٰ بن معین کی رائے ہے عبد الرحمن بن القاسم عن ابیہ عن عائشہ رضؓ سے زیادہ کوئی سند اثبت نہیں ہے [۳]

اجود الاسانید

حافظ حجاج بن الشاعر المتوفی ۲۵۹ھ کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) اور علی بن المدینی (۲۳۴ھ) علماء کی ایک جماعت میں موجود تھے کہ اجود الاسانید کے موضوع پر مذاکرہ شروع ہو گیا ان میں سے کسی نے کہا شعبہ عن قتادہ عن سعید عن عامر اخی ام سلمہ رضؓ کو [۴] اور علی بن المدینی (۲۳۴ھ) نے عبد اللہ بن عون عن محمد عن عبیدہ عن علی کو قرار دیا ہے [۵]

---

[۱] الخطیب البغدادی: الکفایہ، ص ۳۹۹، جلال الدین عبدالرحمن السیوطی تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، تحقیق عبدالوہاب عبداللطیف، المدینۃ المنورۃ، لمکتبۃ العلمیۃ ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء ص ۳۶

[۲] الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث، القاہرۃ، مطبعہ دار الکتب المصریۃ ۱۹۳۷ء ص ۵۴ السیوطی تدریب الراوی ص ۳۵

[۳] الخطیب، الکفایۃ ص ۳۹۷، السیوطی، تدریب الراوی ص ۳۵ - (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

عبداللہ بن عون بھی ابوداؤد طیالسی کے شیخ ہیں

احسن الاسانید ابوحاتم الرازی المتوفی ۲۷۷ھ نے یحیی بن سعید القطان عن عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر کو احسن الاسانید قرار دیا ہے [۱] اور یہی رائے ابن معین کی ہے [۲] یہ ابوداؤد طیالسی کے رفیق و معاصر ہیں۔

اور امام احمد نے عبید اللہ عن نافع کے سلسلہ روایت کو مالک عن نافع کی روایت پر ترجیح دی ہے

اصح الاسانید حافظ ابوحفص عمرو بن علی الصیرفی الفلاس (۲۴۹ھ) نے محمد بن سیرین عن عبیدۃ عن علی کو اصح الاسانید قرار دیا ہے [۳]

حافظ ابوسلیمان بن داؤد شاذکونی (۲۳۴) نے یحیی بن کثیر عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ کو اصح الاسانید کہا اور علی بن المدینی نے حماد بن زید عن ایوب عن محمد بن سیرین عن ابی ھریرۃ کو اسانید میں زیادہ ترصحیح سند قرار دیا ہے، [۴]

امام بخاری کی رائے میں اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر ہے [۵]

ابوبکر بن ابی شیبہ کی رائے میں الزھری عن علی بن الحسین عن ابیہ عن علی اصح الاسانید ہے [۶] اور یہی رائے عبدالرزاق ابن ہمام کی ہے۔

اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے الزھری عن سالم عن ابیہ کو اصح الاسانید کہا ہے [۷]

عبداللہ بن المبارک مروزی کی رائے میں اصح الاسانید سفیان عن منصور عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ ہے [۸] اور یہی رائے حافظ عجلی کی ہے [۹]

بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ

[۴] الحاکم النیسابوری ص۵۴ السیوطی ۳۵/۱

[۵] الحاکم النیسابوری ص۵۴۔

حاشیہ صفحہ ہذا

[۱] السیوطی ص۳۶

[۲] ایضاً ص۳۲

[۳] الحاکم ص۵۴

[۴] ایضاً، الخطیب ص۳۹۸، السیوطی، تدریب الراوی ص۳۶

[۵] الخطیب ص۳۹۷، السیوطی ص۳۵

[۶] الحاکم ص۵۳، الخطیب ص۳۹۸

بلاد کی نسبت سے اصح الاحادیث

اسلامی قلمرو میں بلاد کی نسبت سے صحیح ترین احادیث میں پہلا نمبر اہل مدینہ کا دوسرا اہل بصرہ کا اور تیسرا درجہ اہل شام کی مرویات کا ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابو العباس احمد ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں۔

اتفق اهل العلم بالحديث على ان اصح الاحاديث ما رواه اهل المدينة ثم اهل البصرة ثم اهل الشام[۱]

محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحیح ترین احادیث وہ ہیں جنہیں اہل مدینہ روایت کرتے ہیں پھر اہل بصرہ کی اس کے بعد اہل شام کی روایات ہیں۔

مسند احمد (۴/۱۹۴) میں "مسند البصریین" کا مستقل عنوان بصرہ کی احادیث میں اہمیت کی نہایت روشن دلیل ہے۔

اصح الاسانید کے متعلق ایک اہم نکتہ

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ جس حدیث کو ائمہ فن صحیح ترین سند سے روایت کرتے ہیں وہ سند کے اعتبار سے "اصح الاسانید" ہے۔

اس باب میں اولاً اصح الاسانید پر ائمہ فن کا اتفاق نہیں[۲] پھر حدیث کی ایک کتاب صحیح بخاری کی احادیث پر مطلقاً اصحیت کا دعویٰ کیونکر انصاف پر مبنی ہو سکتا ہے۔

ثانیاً، کسی مخصوص سند پر اصح الاسانید ہونے کا حکم جزم و یقین سے نہیں لگایا جا سکتا۔ حاکم نیشاپوری معرفۃ علوم الحدیث میں رقمطراز ہیں۔

ان هؤلاء الائمة الحفاظ قد ذكر كل ما ادى اليه اجتهاده فى اصح الاسانيد ولكل صحابى رواة من التابعين ولهم اتباع واكثرهم ثقات فلا يمكن ان يقطع الحكم فى اصح الاسانيد لصحابى واحد[۳]

ان ائمہ حفاظ نے اصح الاسانید میں ہر اس اسناد کا ذکر کیا ہے جس کی طرف اس کے اجتہاد نے اسے پہنچایا اور ہر صحابی سے تابعین روایت کرتے ہیں اور تابعین سے تبع تابعین راوی ہیں اور ان میں بیشتر ثقہ و قابل اعتماد ہیں پھر بھی یہ ممکن نہیں کہ ہر صحابی کی اصح الاسانید کے متعلق جزم و یقین سے حکم لگایا جائے کہ یہ اصح الاسانید ہے۔

(بقیہ از صفحہ گذشتہ)

۷ الحاکم ص۵۳ الخطیب ص۳۹۷

۸ الخطیب ص۳۹۸

۹ تدریب الراوی ص۳۶

حاشیہ صفحہ ہذا۔

۱ الخطیب، الجامع ۲/۲۸۷، تدریب الراوی ص۳۶ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ان حقائق کی موجودگی میں حدیث کی کسی ایک کتاب کی حدیثوں کے متعلق یا حدیث کی کتاب کے متعلق جس میں ہر دیار (الیسی) کے محدثین کی سند سے روایتیں مذکور ہیں۔ پھر ان میں ایسے راوی بھی موجود ہوں جن پر کلام کیا گیا ہے کیونکر اصح و صحیح ترین ہونے کا دعویٰ درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسانید صحاح اور حفاظ اہل بصرہ

شیخ الاسلام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی نے تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل میں بسند متصل حافظ علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے تھے۔

بحث و نظر کے بعد معلوم ہوا کہ ثقات رواۃ کا علم حسب ذیل چھ ائمہ فن تابعین کی اسانید میں دائر و سائر ہے۔

۱۔ اہل مدینہ کی اسانید حافظ ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب زہری المتوفی ۱۲۴ھ میں۔
۲۔ اہل مکہ کی اسانید حافظ ابومحمد عمرو بن دینار المتوفی ۱۲۶ھ میں
۳۔ اہل بصرہ کی اسانید ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ المتوفی ۱۱۷ھ۔ اور
۴۔ حافظ یحییٰ بن ابی کثیر المتوفی ۱۳۲ھ میں۔
۵۔ اہل کوفہ کی اسانید ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی۔ المتوفی ۱۲۷ھ۔ اور
۶۔ ابومحمد سلیمان بن مہران اعمش[1] المتوفی ۱۴۸ھ کی اسانید میں دائر و سائر ہے[2] بیشتر صحیح احادیث مذکورہ بالا چھ کبار حفاظ کی اسانید سے خارج نہیں[3]

ان میں دو بصری اور دو کوفی ہیں۔

مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء میں علی بن المدینی کے مذکورہ بالا بیان کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اس مقام پر علی بن المدینی حماد بن زید بن درہم بصری (۹۸-۱۷۹ھ-۷۱۷-۷۹۵ء) کو بھول گئے اور اسی طرح امام ابوالحارث لیث بن سعد (۹۴-۱۷۵ھ-۷۱۳-۷۹۱ء) کو بھی اور یہ دونوں حفاظ ان ائمہ فن سے

بقیہ از صفحہ گذشتہ: محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید مصر، مطبعۃ السعادۃ ۱۳۶۶ھ ۱/۳۳۔ طاہر الجزائری توجیہ النظر الی اصول الاثر، مصر، مطبعۃ الجمالیہ ۱۳۲۸ھ ص ۱۷۶

[1] الحاکم ص ۵۳ السیوطی ۱/۷۶

[3] الحاکم ص ۵۴، ۵۵، السیوطی ۱/۳۳، طاہر الجزائری ص ۱۷۷ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] الجاحظ نے البیان والتبیین ۲/۲۱۲ میں لکھا ہے کہ اسلامی دنیا میں جنہوں نے علم پھیلایا وہ چار ہیں ۱۔ قتادہ ۲۔ زہری ۳۔ اعمش ۴۔ کلبی

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

کم نہیں [1] ان میں فقیہ بصرہ حماد بن زید ابوداؤد طیالسی کے شیوخ میں سے ہیں۔
پھر ان علماء کا علم ابوسعید یحییٰ بن سعید القطان البصری الحنفی (۱۲۰ - ۱۹۸ھ - ۷۳۷ - ۸۱۳ء) [2]
۸ - ابوسعید یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کوفی صاحب ابوحنیفہ (۱۱۹ - ۱۸۳ھ - ۷۳۷ - ۷۹۸ء) [3]
۹ - ابوسفیان وکیع بن الجراح الرواسی الکوفی (۱۲۹ - ۱۹۷ھ - ۷۴۶ - ۸۱۲ء) پر منتہی ہوا۔
ان میں دو کوفی اور ایک بصری ہیں اور دو ابوداؤد طیالسی کے شیوخ میں سے ہیں
اور ان تین حفاظ فقہاء کا علم حسب ذیل تین حفاظ و فقہاء پر ختم ہوا۔
۱۰ - ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک مروزی (۱۱۸ - ۱۸۱ھ - ۷۳۶ - ۷۹۷ء)
۱۱ - ابوسعید عبدالرحمٰن بن مہدی عنبری بصری لؤلؤی (۱۳۵ - ۱۹۸ھ - ۷۵۲ - ۸۱۴ء) [4]
۱۲ - ابوزکریا یحییٰ بن آدم قرشی کوفی احول (۰۰ - ۲۰۳ھ - ۰۰ - ۸۱۸ء)
اس طرح صحاح کی غالب اسانید ان مذکورہ بالا بارہ (۱۲) علماء میں دائر و سائر ہیں۔ ان میں چھ حفاظ حدیث بصری اور چھ کوفی ہیں۔
علی بن المدینی بھی یہاں عبداللہ بن المبارک، وکیع اور ابن وہب کو بھول گئے (جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے) حالانکہ یہ علماء و محدثین علم کے سمندر (اور ان علماء کے ہم پایہ) تھے۔ [5]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
[2] تقدمۃ المعرفۃ ص ۱۲۹، ۱۸۷
[3] الذھبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۱۱

حاشیہ صفحہ ہذا۔ [1] تقدمۃ المعرفۃ، ۲۳۰، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۶۴ - ۲۶۵۔

[1] الذھبی، ۹/۵۲۶
[2] موصوف کے متعلق ائمہ فن نے تصریح کی ہے کان نقی الحدیث لا یحدث الا بثقۃ، یحییٰ صاف ستھری احادیث کے حامل تھے اور ثقہ ہی سے روایت کرتے تھے (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۹۹)
[3] یحییٰ بن زکریا اس پایہ کے حافظ حدیث تھے کہ لم یکن بالکوفۃ بعد سفیان الثوری اثبت منہ حدیثا وھو اول من صنف الکتب فی الکوفۃ وعلی طریقۃ صنف وکیع کتبہ۔ کوفہ میں سفیان ثوری کے بعد موصوف سے بڑھ کر حدیث میں کوئی اثبت (زیادہ یگانہ تھا) یحییٰ نے کوفہ میں سب سے پہلے کتاب لکھی اور اس کے طریقہ پر وکیع نے اپنی تصانیف کیں، الزرکلی ۸/۱۴۵
[4] امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے موصوف کے متعلق فرمایا لا اعرف لہ نظیرا فی الدنیا مجھے دنیا میں ان کی نظیر نظر نہیں آتی۔ الزرکلی ۳/۳۳۹
[5] الذھبی ۹/۵۲۶، ۵۲۷

ان چھ ائمۂ فن کی اسانید سے مروی ذخیرۂ احادیث کو ارباب تصنیف نے اپنی کتابوں میں سمیٹا ہے۔

ا۔ مدینہ میں امام مالک بن انس مدنی المتوفی ۱۷۹ھ اور

ب محمد بن اسحاق بن یسار المتوفی ۱۵۱ھ نے۔ ۱۵۲

مکہ میں ا۔ ابوالولید عبداللہ بن عبدالعزیز ابن جریج مکی۔ اور المتوفی ۱۵۰ھ

ب۔ ابومحمد سفیان بن عیینہ ہلالی۔ مکی المتوفی ۱۹۸ھ نے

بصرہ میں ا۔ ابوالنضر سعید بن ابی عروبہ مہران بصری المتوفی ۱۵۶ھ۔ ب ابوسلمہ حماد بن سلمہ بن دینار بصری۔ المتوفی ۱۶۷ھ ج۔ ابوبسطام شعبۃ بن الحجاج واسطی بصری المتوفی ۱۶۰ھ د۔ ابوعوانۃ الوضاح بن خالد یشکری واسطی بزار المتوفی ۱۷۶ھ ھ۔ ابوعروہ معمر بن راشد یمانی المتوفی ۱۵۳ھ نے جسے مذکورہ بالا چھ حفاظ حدیث سے سماع حاصل ہے۔

کوفہ میں ا۔ ابوعبداللہ سفیان بن سعید ثوری المتوفی ۱۶۱ھ نے اپنی مصنفات میں جمع کیا

اور شام میں ا۔ ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی شامی المتوفی ۱۵۷ھ

ا۔ اور واسط: ابومعاویہ ہشیم بن بشیر واسطی نزیل بغداد المتوفی ۱۸۳ھ [۱]

مذکورہ بالا ارباب تصانیف میں سعید بن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ دونوں بصری ہیں اور سفیان ثوری کوفی ہیں

اہل بصرہ و اہل کوفہ کی اسانید سے مروی احادیث

اہل بصرہ کو فن حدیث میں یہ فخر بھی حاصل ہے کہ ان کی اسانید سے جو روایات منقول ہیں وہ نہایت واضح بے غبار اور کثیر ہیں، کثرت روایات میں کوفہ ان کے برابر کا شریک ہے لیکن اس کی روایات میں علل کی خرابیاں ہیں، سلامتی کم ہے کھوٹ زیادہ ہے [۲]

تمام اہل کوفہ کے متعلق یہ دعویٰ کرنا درست نہیں اگر کسی خاص راوی اور خاص روایت کے متعلق یہ دعویٰ کیا جائے تو درست ہو سکتا ہے۔ بعض راویانِ اہل بصرہ کی بعض سندوں میں بھی یہ بات پائی جا سکتی ہے۔ بلکہ ممالک اسلامیہ کی بعض اسانید و رواۃ کے متعلق بھی ایسا دعویٰ کیا جا سکتا ہے صرف کوفہ کے متعلق ایسا دعویٰ کرنا عقلاً و نقلاً درست نہیں ہے۔

اسانید صحاح جن بارہ ائمۂ فن حفاظ حدیث و ارباب تصانیف میں دائر و سائر ہے ان میں چھ بصری اور چھ

---

[۱] الرامہرمزی ۶۱۵، علی بن المدینی کتاب العلل ص۳۷-۴۰ بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۹/۲۰۰، الخطیب الجامع ۲/۲۹۴

[۲] الخطیب الجامع لاخلاق الراوی ۲/۲۸۷،

تدریب الراوی ص۳۸

کوفی ہیں۔ اس سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ صحاح کا عظیم تر احادیث کا ذخیرہ اہل بصرہ و اہل کوفہ کی اسانید پر مشتمل ہے اور یہ بھی کہ دوسری صدی ہجری میں اسلامی قلمرو میں حفظ حدیث و ابلاغ علوم حدیث میں سب سے اہم کردار اہل بصرہ و اہل کوفہ کا رہا ہے،

مذکورہ بالا محدثین اس دور میں ایک حدیثی اکیڈمی کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے تھے۔ جن کا فیض بحر بیکراں کی طرح اسلامی قلمرو میں جاری تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ دعویٰ کرنا کہ اہل کوفہ کی احادیث میں کھوٹ ہوتا ہے حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ اس حقیقت کو ہمیں فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اہل بصرہ و اہل کوفہ کی خدمات ایسی عظیم ہیں کہ من کل الوجوہ نہ اہل بصرہ کو اہل کوفہ پر فضیلت دی جا سکتی ہے نہ اہل کوفہ کو اہل بصرہ پر بعض وجوہ سے بعض مباحث میں اہل بصرہ کو اہل کوفہ پر برتری حاصل ہو جائے وہ اور بات ہے۔

رہا ضعیف راویوں کا معاملہ، ضعیف راوی جس طرح اہل کوفہ میں موجود ہیں، اہل بصرہ میں بھی پائے جاتے ہیں اسے وجہ ترجیح قرار نہیں دیا جا سکتا

محدثین بصرہ میں بھی گوناگوں سقم پائے جاتے تھے اس لئے اس قسم کے محدثین بصرہ کی ایک جماعت سے حدیث کی روایت سے روکا گیا۔ چنانچہ حافظ ابن عدیؒ نے الکامل فی الضعفاء میں حافظ عمرو بن علی صیرفی فلاس المتوفی ۲۴۹ھ جو بصرہ کے نامور ائمہ فن میں سے ہیں۔ نقل کیا ہے۔

قال عمرو بن علی وممن اجتمع علیہ اھل العلم من اھل الحدیث انہ لا یروی عن قوم من البصریین فمنھم من یصدق وھو مبتدع واخر یغلط الکثیر[1]

عمرو بن علی نے فرمایا۔ محدثین میں سے اہل علم کی ایک جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل بصرہ کی ایک قوم سے روایت نہ کی جائے ان میں ایک وہ جماعت ہے جو بولتی سچ ہے اور مبتدع ہے اور دوسری وہ جماعت ہے جو غلطیاں بہت کرتی ہے

بالغ نظر مؤرخ حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ کو اس امر کا اعتراف ہے کہ۔

ثقات رواۃ اہل کوفہ کی بہت سی روایتوں اور اقوال سے صحیحین مالامال ہے چنانچہ موصوف سیر اعلام النبلاء میں رقمطراز ہیں

قلت اھل العراق کغیرھم، فیھم الثقۃ الحجۃ، والصدوق، والفقیہ، والمقرئ، والعابد وفیھم الضعیف، والمتروک، والمتھم وفی الصحیحین شئ کثیر جدًا من روایۃ العراقیین رحمھم اللہ تعالیٰ۔

میں کہتا ہوں کہ..... اہل عراق بھی غیر اہل عراق (اہل حجاز واہل الشام) کی طرح ہیں ان میں ثقہ حجۃ، صدوق، فقیہ قاری، عابد ہیں اور ان میں ضعیف، متروک، متہم بھی پائے جاتے ہیں صحیحین میں عراقی راویوں سے بہت زیادہ روایتیں منقول ہیں۔

---

[1] عبداللہ بن عدی الجرجانی، الکامل فی ضعفاء الرجال، شیخوپورہ۔ المکتبۃ الاثریہ، ب، ت ۳ / ۱۸۰۴

وفيهم من التابعين كمثل علقمة ومسروق وعبيدة والحسن، وابن سيرين والشعبي وابراهيم، ثم الحكم، وقتادة، ومنصور، و ابي اسحاق، وابن عون، ثم مسعر، وشعبة والحمادين وخلائق اضعافهم رحمهم الله تعالى الجميع [۱]

اور ان میں تابعین میں سے علقمہ، مسروق، عبیدہ، حسن بصری، ابن سیرین، شعبی، ابراہیم، پھر حکم، قتادہ، منصور، ابو اسحاق، ابن عون، پھر مسعر، شعبہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ کی طرح (ائمہ فن گذرے ہیں) اور اسی طرح ان سے دگنے تگنے ائمہ فن وحفاظ کی ایک خلقت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب پر رحمت نازل فرمائے۔

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ عراق میں حدیث کا ایسا ذخیرہ موجود تھا جو اہل حجاز کے پاس بھی موجود نہ تھا۔ چنانچہ امام شافعی کا بیان ہے۔

میں نے چھ حدیثوں کے سوا احکام کی تمام حدیثیں سفیان بن عیینہ کے پاس پائی تھیں، اور تیس حدیثوں کے سوا احکام کی تمام حدیثیں جو پانچ سو سے اوپر ہیں امام مالک کے پاس موجود تھیں [۲]

امام شافعی کے قول

لولا مالك وسفيان بن عيينة لذهب علم الحجاز [۲]

اگر مالک و سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم چلا گیا ہوتا۔

پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ رقمطراز ہیں۔

اس سے تم پر سفیان بن عیینہ کی حدیث و آثار میں وسعت علم کی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن عیینہ نے عراقیوں کی احادیث کو حجازیوں کی احادیث کے ساتھ جمع کر دیا۔ پھر طلب حدیث کے لئے سفر کیا اور ایسے شیوخ وائمہ حدیث سے استفادہ کیا جن کو امام مالک نے دیکھا تک نہیں تھا [۳]

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس دور میں اسلامی قلمرو میں کوفہ بعض ایسے فضائل سے آراستہ تھا جو مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے سوا کسی ملک، کسی شہر اور بستی کو حاصل نہیں تھے۔ وہ امتیاز و خصوصیات حسب ذیل ہیں

۱۔ کوفہ میں ایک ہزار صحابہ رض اور بعض علماء کا قول ہے کہ ڈیڑھ ہزار صحابہ رض آئے جن میں چوبیس بدری صحابہ تھے [۳]

۱؎ الذہبی ۸/۵۷م

۲؎ ایضاً ۵۸م/۵۹م

۳؎ ابو بشر محمد بن احمد الدولابی، کتاب الکنیٰ والاسماء، حیدر آباد دکن، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة ۱۳۲۲ھ ص ۱۷۴/۱، محمد عبد الرشید نعمانی، ص ۳۸/۳۹

۲ ۔ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کی تعلیم کے لئے امام المجتہدین، سرتاج مفسرین، امام ربانی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ بھیجا۔ یہاں موصوف نے قرآن وسنت کے علوم کی آبیاری کی [1]

۳ ۔ خلیفہ راشد و مجتہد عصر حضرت علیؓ کا یہ دار الخلافہ رہا۔ علوم نبوت جن چھ صحابہ میں دائرو سائر رہا اور جنہیں مشکل ترین مسائل کو حل کرنے کا ملکہ حاصل تھا ان میں سے دو حضرات کا قیام کوفہ میں رہا ان کی روایات و مجتہدانہ آراء نے کوفہ کو تفسیر، حدیث و فقہ کا مرکز بنا دیا تھا [2]

۴ ۔ کوفہ میں بود و باش رکھنے والے پینتالیس ۴۵ صحابہ کرامؓ کے ناموں کی نشاندہی اور ان کے علمی مراکز "مساجد" کی حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ نے ۳۴۱ھ - ۹۵۲ء میں زیارت کی، انہیں اسطوانہ جریرؓ اسطوانہ عبداللہ بن مسعودؓ اور اسطوانہ براءؓ کو دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جن کے قیام سے کوفہ کو عالمی مرکزی جامعہ کا مقام حاصل ہوا [3]

۵ ۔ قراء سبعہ میں سے تین قاری عاصم، حمزہ اور کسائی کوفی تھے۔

۶ ۔ تابعین میں بلند ترین مفسر سعید بن جبیرؒ کوفی تھے [4]

۷ ۔ جلیل القدر حافظ حدیث و فقیہ عامر بن شرحبیل شعبی المتوفی ۱۰۳ھ جن کے متعلق قاضی مدائن حافظ ابو احمد المتوفی ۳۶۲ھ نے تصریح کی ہے موصوف اپنے زمانے میں کوفہ، بصرہ، اور حجاز کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے [5]

موصوف کے حلقہ درس کے متعلق محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ کا بیان ہے۔
میں نے کوفہ میں جب وہاں صحابہ کثیر تعداد میں بقید حیات تھے، شعبی کا عظیم الشان حلقہ درس دیکھا [6]

۸ ۔ کوفہ میں حدیث کی سرگرمی کے متعلق ابن سیرین اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔
میں نے کوفہ میں چار ہزار طلبۂ حدیث کو دیکھا [7]

---

[1] ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ بغداد، مکتبۃ المثنیٰ - ۲/۳۶۹ (۴۹۵۴) الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۴، امام ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۳۷

[2] ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ، القاہرۃ، مطبعۃ الکبری الامیریہ، ۱۳۲۳ھ، ۴/۱۳۷، ۱۴۲

[3] الحاکم النیسابوری، ۱۹۱، ۱۹۲ ص

[4] السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، القاہرہ، مکتبۃ المشہد الحسینی، ۱۹۶۷ء ۴/۲۱۱

[5] الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۸۵

[6] ایضاً ۱/۸۲

[7] الرامہرمزی ص ۴۰۸

۹ — کوفہ میں زبان کی صحت کے متعلق محدث بغداد حافظ عفان بن مسلم الصفار المتوفی ۲۱۹ھ کا بیان سننے کے لائق ہے، وہ فرماتے ہیں۔

ہم کوفہ میں آئے یہاں چار مہینے ٹھہرے، ہم نے کوفہ میں کوئی زبان کی غلطی کرنے والا نہیں پایا[1]

۱۰ — مسند احمد (۴/۲۳۹-۴۱۹) میں "مسند الکوفیین" کا مستقل عنوان ہے جو اہل کوفہ کی حدیثی خدمات اور معیار صحت وحسن کا آئینہ دار ہے۔

۱۱ — حاکم نیشاپوری کی کتاب معرفۃ علوم الحدیث کی انچاسویں[۴۹] نوع میں جس کا عنوان ہے

معرفۃ الائمۃ الثقات المشھورین من التابعین واتباعھم ممن یجمع حدیثھم للحفظ والمذاکرۃ والتبرک بھم وبذکرھم من الشرق الی الغرب[2]	مشہور ائمہ ثقات تابعین وتبع تابعین کی معرفت و شناخت جن کی حدیثیں حفظ و مذاکرہ اور برکت حاصل کرنے کے لئے جمع کی جاتی ہیں اور ان ائمہ ثقات کا مشرق سے مغرب تک چرچا ہے۔

اس بحث میں حاکم نیشاپوری نے اسلامی قلمرو کے مرکزی شہروں میں سب سے زیادہ جن ائمہ فن کے **ناموں کو** شمار کرایا ہے وہ کوفہ کے ائمہ حدیث ہیں اور ان کے صرف نام ہی کم وبیش چار صفحوں میں سمائے ہیں ان کی تعداد دو سو ہے۔ انہی ائمہ ثقات کے زمرہ میں ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تیمی (ص۲۴۵) اور زفر بن الہذیل (ص۲۴۶) کو شمار کیا ہے **جو ان کی** حدیث میں ثقاہت، **کثرت حدیث**، اور قبولیت عام کی روشن دلیل ہے

۱۲ — امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بصری تھے۔ ان کی روایت سے شاید ہی حدیث کی کوئی کتاب خالی ہو حافظ خطیب بغدادی نے موصوف کے متعلق تصریح کی ہے

علمہ کوفی[3]	موصوف کا علم کوفی ہے۔

اور ہشام بن عبداللہ **دستوائی** کا بیان ہے

شعبۃ الواسطی جمع حدیث **المصرین** الکوفۃ والبصرۃ[4]	شعبہ واسطی نے دو شہروں کوفہ وبصرہ کی حدیثوں کو جمع کیا تھا۔

۱۳ — صحاح ستہ کی بہت سی روایتیں کوفیوں کی سند سے منقول ہیں، امام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم میں بہت سی سندوں کے متعلق لکھا ہے۔ **اسنادہ کوفیون**[5]

---

[1] الرامہرمزی ص۵۲۶، ۵۵۹

[2] الحاکم ص۲۴۴

[3] الخطیب ۹/۲۵۹

[4] ایضاً

[5] یحیی بن شرف النووی، شرح صحیح مسلم دہلی، مطبع انصاری، ۱۳۰۹ھ ص۱۰ و۱۴ و۶۵ و۶۶

اسی طرح محدث قسطلانی نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں کہا ہے

رجالہ کلہ کوفیون اس حدیث کی سند کے تمام رجال کوفی ہیں [۱]

۱۴- کوفہ میں احادیث کی اتنی کثرت تھی کہ محدث بغداد عفان الصفار کا بیان ہے۔

ہم کوفہ میں چار مہینے رہے ہم ایک لاکھ حدیثیں لکھنا چاہتے لکھ سکتے تھے مگر ہم نے پچاس ہزار حدیثیں لکھیں [۲]

۱۵- امام ابوداؤد سجستانی کے فرزند حافظ ابوبکر عبداللہ بن سلیمان سجستانی المتوفی ۳۱۶ھ نے کوفہ میں ایک ماہ میں ایک شیخ سے پچاس ہزار حدیثیں سنی تھیں [۳]

کوفہ کی احادیث کی طرف دجل وفریب کی نسبت اگر اس وجہ سے ہے کہ وہاں شیعہ کثیر تعداد میں آباد تھے تو خطیب بغدادی پر لازم تھا کہ وہ اس امر کی صراحت فرماتے تاکہ حکم عام نہ رہتا۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں اہل کوفہ کی احادیث کے متعلق ایسا دعویٰ کیا انصاف پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے؟

---

[۱] القسطلانی، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری دبہامشہ متن صحیح الامام مسلم وشرح الامام النووی، بیروت دار التراث العربی، ب، ت ۱/۱۴۴

[۲] الرامہرمزی ۵۵۹

[۳] محمد عبدالرشید نعمانی ص ۴۳

امام ابوداؤد طیالسی

امام ابوداؤد طیالسیؒ نے تابعین کا زمانہ پایا۔ صغار تابعینؒ جیسے ایمن بن نابل، جریر بن حازم وغیرہ سے روایت کی ہے، جیسا کہ ان کے شیوخ کے تذکرہ میں آئے گا۔ اس سے ان کا شمار زمرۂ تابعین میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابوالحسن علی بن عمر بن احمد الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے "ذکر اسماء التابعین ومن بعدهم ممن صحت روایته عن الثقات عند البخاری ومسلم" میں ابوداؤد طیالسی کا شمار زمرۂ راویان تبع تابعین میں کیا ہے [۱]

نام ونسب

سلیمان نام، ابوداؤد کنیت اور سلسلۂ نسب یہ ہے:-

سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی [۲]

---

[۱] علی بن عمر بن احمد الدارقطنی، ذکر اسماء التابعین ومن بعدهم ممن صحت روایته عن الثقات عند البخاری ومسلم، دراسۃ وتحقیق بوران الضناوی، کمال یوسف الحوت، بیروت، مؤسسۃ الثقافیۃ، ۱۴۰۶ھ، ۹۸/۱

[۲] محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر، ۲۹۸/۷، ابن ابی حاتم الرازی، ۲۴/۹، الخطیب البغدادی، ۲۴/۹، المزی، ۵۳۵/۱، الذہبی، ۳۷۸/۹، (لہ) میزان الاعتدال فی نقد الرجال، تحقیق علی محمد البجاوی، لاہور، المطبعۃ العربیۃ، ۱۳۸۲ھ، ۲۳/۲ (لہ) تذکرۃ الحفاظ، ط: ۳، ۳۵۱/۱، محمد بن عبدالغنی البغدادی المعروف بابن نقطہ، التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید، تحقیق کمال یوسف الحوت، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۸ھ، ۲۷۷، ابن حجر، ۱۷۶/۴، السیوطی، طبقات الحفاظ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ، ۱۵۳/۱

موصوف کے آباء و اجداد اصلاً فارس کے رہنے والے تھے، یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ کا بیان ہے،،
یہ آل زبیر بن العوام کے آزاد کردہ غلام تھے ان کی ماں فارس کی تھیں وہ بھی نصر بن معاویہ کی آزاد کی ہوئی لونڈی تھیں

اس خانوادہ کا ذریعہ معاش طیلسان کی تجارت تھی، عربی زبان میں طیلسان اس چادر کو کہتے ہیں جو کندھے پر ڈالی جاتی ہے۔ اس کی جمع طیالسہ آتی ہے اس کی طرف نسبت سے موصوف کو شہرت حاصل تھی، علامہ عبدالکریم سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ نے کتاب الانساب میں اسی نسبت کے تحت ابو داؤد طیالسی کا تذکرہ کیا ہے۔

سال ولادت ابو داؤد طیالسیؒ کے نامور شاگرد مؤرخ ابوعبداللہ محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفی ۲۳۰ھ اور حافظ ابوحفص عمرو بن علی الصیرفی الفلاس المتوفی ۲۴۹ھ نے سال ولادت ۱۳۳ھ ۷۵۰ء بیان کیا اور تصریح کی ہے کہ اکہتر سال زندہ رہے تھے [1]

تعلیم و تربیت بصرہ جو اس وقت علم کا گہوارہ تھا ان کے والدین یہیں سکونت پذیر تھے، بصرہ کے علمی ماحول میں ان کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔ اہل بصرہ کے دستور کے مطابق دس برس کی عمر میں حدثیں لکھنا اور یاد کرنا شروع کیں۔ اساتذۂ فن سے علوم و فنون کی تحصیل کی، ۱۴۵ھ ۱۴۶ھ - ۷۶۱ ۷۶۲ء میں یہ شعبہ سے حدثیں سنتے تھے [2]

اس زمانے میں محدثین حلقہ درس میں دو چار حدثیں بیان کرتے، زیادہ سے زیادہ دس حدثیں سناتے تھے تاکہ طلبا انہیں دل و دماغ پر نقش کریں اور آسانی سے یاد رکھیں۔ چنانچہ حافظ معاذ بن معاذ المتوفی ۱۹۶ھ کا بیان ہے عبداللہ بن عون کی مجلس درس کے اختتام پر شعبہ ہمیں دروازے پر ملے ہم میں سے کسی نے ان سے گفتگو کرنی

---

[1] ابن سعد، ۷/۲۹۸، الخطیب البغدادی، ۹/۲۹، السمعانی ۴/۹۱، ۹۲: د الطیالسی، المزی ۱۰/۵۳۵ - ابن حجر، ج ۴/۲۵۷

[2] الرامہرمزی، ص۵۷، الخطیب، الکفایہ ص۵۵۔

چاہی، انہوں نے کہا، اس وقت مجھ سے بات نہ کرو، میں نے ابن عون سے دس حدیثیں سنی ہیں مجھے خطرہ ہے کہ بھول نہ جاؤں [۱]

امام مالکؒ نے نافعؒ سے اسی طرح حدیثیں سنی تھیں، [۲] شعبہؒ نے بھی اسی طرح پڑھا تھا۔ امام فن یحییٰ بن سعید قطان [۳] حافظ غندر [۴] حافظ عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اور ابوداؤد طیالسیؒ کو شعبہؒ سے تحصیل علوم میں سالہا سال لگے تھے۔

شعبہ جب بصرہ سے باہر جاتے تو حدیثیں زیادہ بیان کرتے تھے تاکہ اہل علم زیادہ سماع کر سکیں، دارالخلافہ بغداد میں جانا ہوا وہاں چالیس مجلس منعقد کی گئیں۔ موصوف نے سو حدیثیں بیان کیں چنانچہ حافظ آدم بن ایاس (۱۲۵ — ۲۲۰ھ) کا بیان ہے:

شعبہ پڑھتے، ان کے شاگرد حدیثیں قلمبند کرتے تھے، میں زود نویس تھا اس لئے اہل علم میری کاپیاں اور کتابیں لے کر ان کی روایتیں لکھتے تھے [۵]

ابوداؤد طیالسی نے سولہ، سترہ برس کی عمر میں ایسا کمال بہم پہنچایا تھا کہ شعبہ کی حیات میں خلیفہ مہدی کے عہد میں ائمہ فن کے مذاکرہ کے وقت ایسی نادر معلومات پیش کرتے تھے کہ شعبہ بھی اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہتے تھے [۶]

قوت حافظہ فطرت کی طرف سے ابوداؤد طیالسیؒ کو غیر معمولی قوت حافظہ عطا کیا گیا تھا۔ شعبہؒ کی طرح انہیں بھی لمبی لمبی سینکڑوں [۷] حدیثیں یاد تھیں، چنانچہ امام سفیان وکیع بن الجراح المتوفی ۱۹۷ھ/۱۹۸ھ کا بیان ہے اور ان سے زیادہ لمبی لمبی حدیثیں روایت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا [۸]

۱؎ الخطیب البغدادی، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۲۳۹

۲؎ ابراہیم ابن فرحون، الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان المذہب، القاہرہ، عباس بن عبدالسلام، ۱۳۵۱ھ ص۲۰

۳؎ ابن ابی حاتم الرازی، تقدمۃ المعرفۃ، ص۲۴۹، الذہبی تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۹۵۔

۴؎ ایضاً ۱/۳۰۱

۵؎ ابن ابی حاتم ۱/۲۶۸

۶؎ ایضاً ۴/۱۱۲، الخطیب ۹/۲۵، الذہبی ۹/۳۸۲ (لہ) میزان الاعتدال، ۳/۲۰۴

۷؎ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۵۲، الخطیب ۹/۲۶۴، ابن ابی حاتم ج ۲ ق ۱/۱۱۲

۸؎ ایضاً الخطیب ۹/۲۷، المزی ۱/۵۳۵، الذہبی، ۹/۳۸۲ (لہ) تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۵۲، ابن حجر ۴/۱۹۵

اس واقعہ کا ذکر جب ابوداؤد طیالسی رح کی مجلس میں آیا تو موصوف نے فرمایا کہ وکیع سے کہو کہ مختصر حدیثوں کا راوی بھی میرے سوا اب کوئی باقی نہیں رہا [۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختصر اور طویل حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ ان کے حافظہ میں محفوظ تھا۔

قوت حافظہ کے لئے بلاذر کا استعمال اور اس کا اثر

یادداشت کو تیز تر کرنے کے لئے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے بعض مقویات استعمال کرتے تھے

چنانچہ ابوداؤد طیالسی اور ان کے خواجہ تاش امام فن جرح وتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی رح المتوفی ۱۹۸ھ بلاذر (جسے ہندی میں بھلانوا کہتے ہیں) کا استعمال نہایت پابندی سے کرتے تھے،

بلاشبہ بلاذر کے کثرت استعمال سے ان دونوں ائمہ فن کے حافظے خراب نہیں ہوئے لیکن ان کے جسموں کو اس نے خراب کردیا۔ چنانچہ حافظ ابوالحسن احمد عجلی المتوفی ۲۶۱ھ کا بیان ہے

اخیر عمر میں امام ابوداؤد طیالسی رح کو کوڑھ ہو گئی تھی اور عبدالرحمٰن بن مہدی کو برص ہو گیا تھا [۲]

بلاذر کے استعمال کا یہ اثر تھا کہ آخر عمر تک ان کا حافظہ خراب نہ ہوا اور مرتے دم تک درس حدیث کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ جیسا کہ گزر چکا، دوسری صدی ہجری میں بصرہ علوم وفنون کا سرچشمہ تھا یہاں ہر فن کے ارباب کمال بکثرت موجود تھے ابوداؤد طیالسی کے بیشتر شیوخ واساتذہ بصری ہیں جو مختلف ممالک ودیار سے آکر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ جو اساتذہ وشیوخ بصری نہیں ہیں ان سے بصرہ میں آتے جاتے سنا، یا ابوداؤد بغداد گئے تھے وہاں ان سے سماع کا اتفاق ہوا۔ یا حرمین میں ان سے سنا۔

تحصیل علم کی خاطر بلادِ اسلامی کا سفر

دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں جن مشاہیر حفاظ نے تحصیل حدیث کے لئے سفر کیا ان میں ابوداؤد طیالسی کا نمبر تیسرا ہے چنانچہ حسن بن عبدالرحمٰن رامہرمزی المتوفی ۳۶۰ھ نے المحدث الفاصل میں الراحلون الذین جمعوا بین الاقطار کے زیر عنوان تین حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے ان میں تیسرا نام ابوداؤد طیالسی کا ہے وھو ھذا

۱- عبداللہ بن المبارک (مروزی) ۱۸۱ھ نے یمن عراق، مصر وشام کا سفر کیا۔

---

[۱] ایضاً۔

[۲] احمد بن عبداللہ العجلی رح معرفۃ الثقات بترتیب نورالدین الہیثمی وتقی الدین السبکی، تحقیق عبدالعظیم البستوی، المدینۃ المنورہ مکتبۃ الایمان، ۱۴۰۵ھ، ۱/۴۲۸، ابن نقطہ ۲۷۸، الخطیب ۹/۲۶، السمعانی ۴/۹۶ (الطیالسی) المزی ۱/۵۳۵ الذہبی ۹/۳۸۱، ابن حجر رح ۴/۱۸۴

۲ ـــ زید بن الحباب (العکلی الکوفی) ۲۰۳ھ نے عراق، خراسان، مصر و شام کا سفر کیا

۳ ـــ ابو داوٗد طیالسی نے عراق، رے، اور جزیرہ کا سفر کیا[۱]

ان میں اول الذکر ابو داوٗد طیالسی کے شیخ اور ثانی الذکر معاصر ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں اسلامی قلمرو کی حدود میں ہر طرف تفسیر، حدیث اور فقہ کا چرچا تھا حدیث کی گرم بازاری تھی۔ جیسا کہ علامہ ذہبی ۷۴۸ھ کے رسالہ الامصار ذوات الآثار سے ظاہر ہے[۲]

ہر جگہ عالی اسانید شیوخ و محدثین موجود تھے۔ ان کی اسانید میں وسائط بھی کم تھے، اہل علم حج و زیارت کے لئے جاتے تو سرزمین حجاز میں عالی اسناد کے حامل شیوخ سے استفادہ کرتے۔ اور اہل علم ان سے فائدہ اٹھاتے، جیسا ابو داوٗد طیالسی نے حج کے موقعہ پر سفیان بن عیینہ سے اور مدینہ کے سفر میں امام مالکؒ سے استفادہ کیا (سیر اعلام النبلاء ۸/۳۵۳)

اصحاب علم کا تجارتی اغراض سے سفر ہوتا اس میں بھی افادہ استفادہ کا موقعہ ملتا، سیر و سیاحت بھی افادہ و استفادہ کی راہ ہموار کرنے کا ذریعہ تھی، اس امر میں ازدواجی رشتے بھی معاون و مؤثر تھے، ان وجوہ سے دوسری صدی ہجری میں خاص تحصیل حدیث کے لئے سفر کرنے کا زیادہ چلن تھا۔ جو نہ جاتے ان کا خاص طور سے ذکر کیا جاتا تھا جیسا کہ امام مالکؒ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مدینہ سے باہر حج و عمرہ کے لئے نکلے، اور حافظ مسعر بن کدام کوفی المتوفی ۱۵۵ھ کے متعلق یحیٰی بن معین نے تصریح کی ہے لم یرحل مسعر فی حدیث قط، مسعر نے کسی حدیث کی طلب میں سفر نہیں کیا (سیر اعلام النبلاء ۷/۱۶۶) (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۸۹)

دوسری صدی ہجری کے اختتام پر جب اسلامی قلمرو سے عالی اسناد محدثین رخصت ہونے لگے۔ اور تبع تابعین کے وجود مسعود سے اسلامی مملکت خالی ہونے لگی تو تیسری صدی ہجری کی پہلی دہائی سے محدثین کا سند عالی کے حصول میں اہتمام اور زیادہ ہو گیا۔ اور انھوں نے اسلامی ممالک و بلاد کا رخ کیا۔ چنانچہ ۲۰۵ھ میں امام بخاریؒ کے سفر کا آغاز ہوا۔ اس لئے تیسری صدی ہجری کے محدثین کے تذکرہ میں مؤرخین و تذکرہ نگار اُن کے علمی سفروں کا خصوصیت سے ذکر کرتے ہیں۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پہلی صدی ہجری کے نصف آخر اور دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں جن ائمہ فن نے علوم کی تکمیل کی ان کے مابین واسطے زیادہ نہیں پائے جاتے، ان سے اوپر کے رواۃ اکثر دو سے زیادہ نہ تھے اور قریب العہد ہونے کی وجہ سے اپنے رجال سند کو متاخرین کی بنسبت زیادہ بہتر جانتے تھے اس لئے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے رجال سند کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ وہ اپنے رجال کی سند کی ثقاہت کو بعد کے ائمہ جرح و تعدیل سے جن کے وسائط زیادہ ہیں بُعد زمانی بھی زیادہ ہے، زیادہ بہتر سمجھتے تھے، ان وجوہ سے ان کا ارسال و اتصال دونوں اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل، مستند و حجت ہے۔

---

[۱] الرامہرمزی ص ۲۲۹ (۱۳۰۶ - ۱۴۴۳ میں)

[۲] السخاوی، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، حافظ سخاویؒ نے حافظ ذہبی کے اس رسالہ کو بعینہ کتاب مذکورہ میں نقل کر دیا ہے۔

[۳] مزید مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو، طاہر الجزائری، ص ۱۱۴

مہدی عباسی کے عہد میں بغداد میں آمد و مذاکرہ شیوخ میں شرکت

ابوداؤد طیالسیؒ شعبہؒ المتوفی ۱۶۰ھ کی حیات میں دارالخلافہ بغداد گئے وہاں ان سے اور دیگر شیوخِ حدیث جیسے ابوعبداللہ شریک بن عبداللہ مسعودی (۱۷۷ھ) سے سنن و آثار کا سماع کیا، طالب علمی کے زمانہ میں موصوف نے احادیث و آثار کا اتنا ذخیرہ حافظہ میں محفوظ کرلیا تھا کہ ان کے اساتذہ و شیوخ ان کی نادر معلومات سے مستفید ہوتے اور ان کی ہمت افزائی کرتے تھے ۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ شعبہ اور حافظ عبداللہ ابن ادریس کوفی المتوفی ۱۹۲ھ عصر کے بعد حدیث کا مذاکرہ کر رہے تھے، انہوں نے باب المجذوم کا ذکر کیا تو میں نے ایک اثر بیان کیا ۔

حدثنا ابن ابی الزناد عن ابیہ عن خارجة بن زید قال کان معیقیب یحضر طعام عمر بن الخطاب فقال یا معیقیب کل مما یلیک فقال شعبة یا ابا داؤد لم تجئ بشئ احسن مماجئت بہ [1] ۔

ہم سے ابن ابی الزناد نے بیان کیا کہ ان کے والد، خارجہ بن زید سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ معیقیب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا کھانا لاتے (اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے) آپ نے معیقیب سے فرمایا ۔ اپنی طرف سے کھاؤ، شعبہ نے یہ حدیث سن کر کہا، ابوداؤد! تم نے اس سے بہتر اثر بیان نہیں کیا ۔

مذکورہ بالا اثر نقل کرنے کے بعد حافظ ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ نے کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱/۱۱۲ میں لکھا ہے ۔

قال ابو محمد، یدل ان ابا داود کان محلہ ان یذاکر شعبة ۔

ابومحمد بن ابی حاتم رازی کہتا ہے یہ واقعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ابوداؤد طیالسی کا مقام یہ تھا کہ وہ شعبہ سے مذاکرہ کرتا (لیکن اس کے لئے تلمیذ بننا مقدر تھا)

اس سے ابوداؤد طیالسی کے حفظ اور علمی مرتبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

حافظ غندر اور ابوداؤد طیالسی میں مذاکرہ

حافظ غندر ابوعبداللہ محمد بن جعفر الہذلی مولاہم البصری المتوفی ۱۹۳ھ شعبہؒ کے مشہور و ممتاز شاگرد "احد الاثبات المتقنین [2]" نہایت معتبر اور پختہ علماء میں سے ایک تھے، طیلسانی چادروں کے تاجر تھے ۔ حدیث میں نہایت بلند مقام حاصل تھا، شعبہ کی زندگی میں ان کی کتابوں سے استفادہ کیا جاتا تھا ۔ چنانچہ عبدالرحمن بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ کا بیان ہے:

---

[1] ابن ابی حاتم الرازی ۲/۱۷/۱۱۲، الخطیب ۹/۲۴و۲۵، الذھبی ۹۷/۳۸۱ و ۳۸۲ (ل ۵) میزان الاعتدال ۲/۲۰۴، ابن حجر ۴/۱۸۵

[2] الذھبی، میزان الاعتدال ۳/۵۰۲

كنا نستفيد من كتب غندر في حياة شعبة [1] — ہم شعبہ کی حیات میں غندر کی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے تھے

حضرت عبداللہ بن المبارک رح فرماتے تھے۔

اذا اختلف الناس في حديث شعبة فكتاب غندر حكم بينهم [1] — شعبہ کی حدیث میں اگر لوگوں کا اختلاف ہوجائے تو غندر کی کتاب ان میں حکم ہے۔

حدیث میں جب غندرؒ اور ابوداؤد طیالسی رح کا مذاکرہ ہوا تو غندر نے ایک ہزار حدیثیں ایسی بیان کیں جن کا ابوداؤد طیالسی کو علم نہ تھا اور جب ابوداؤد نے انہیں حدیثیں سنائیں ان میں ایک ہزار حدیثیں ایسی نکلیں جو غندر کے علم میں نہ تھیں [2]

۱۵۷ھ میں حدیثیں لکھنا

ابوداؤد طیالسی رح ۱۵۷ھ میں محدث وفقیہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ مسعودی کوفی المتوفی ۱۶۰ھ سے حدیثیں لکھتے تھے، چنانچہ ابو قتیبہ مسلم بن قتیبہ کا بیان ہے کہ میں نے ابوداؤد طیالسی کو دیکھا کہ وہ ۱۵۷ھ میں عبدالرحمٰن مسعودی سے حدیثیں لکھتے تھے، اور مسعودی کے کان پر چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں رینگتی رہتی تھیں، حافظہ میں تغیر آگیا تھا میں نے ابوداؤد سے کہا کہ میں نے ۱۵۳ھ میں مسعودی سے حدیثیں سنی تھیں اس زمانے میں موصوف کے حافظہ میں خلل نہیں آیا تھا کیا تم میری زندگی میں ان سے روایتیں کروگے؟

حافظ الذہبی ان کی احادیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

قلت هو في وزن ابن اسحاق وحديثه في حد الحسن [3] — میں کہتا ہوں، مسعودی ابن اسحٰق کے مرتبہ کے محدث ہیں اور اس کی حدیثیں حسن کے درجہ کی ہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵۷ھ تک یہ حدیث کی تحصیل کرتے تھے۔ غالباً ۱۵۸ھ یا ۱۵۹ھ سے شعبہ کی مجلس درس میں حدیثیں بیان کرنا شروع کیں تھیں۔

ابوداؤد طیالسی رح نے سینکڑوں شیوخ سے استفادہ کیا، لیکن ان میں سب سے زیادہ جن سے ان کی شخصیت متاثر ہوئی اور طبیعت کو زیادہ مناسبت وصحبت حاصل رہی وہ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ تھے۔ انہی نے ان کی ہمت افزائی ورہنمائی کی انہیں اپنی مجلس درس میں اپنا مسند نشین بنایا یہ ان کے فیض صحبت اور اپنی صلاحیت سے شعبہ کے علوم کے وارث وجانشین ہوئے۔ تعلیم وتعلم، درس وتدریس میں انہی کی روش پر تمام عمر گامزن رہے۔ چنانچہ شعبہ کے ممتاز ترین تلامذہ میں ان کا شمار ہے۔

---

[1] الذھبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۰۱

[2] الذھبی میزان الاعتدال، ۳/۵۰۲

[3] الذھبی تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۹۵

ابوداؤد طیالسی نے شعبہ سے چھ ہزار سات سو حدیثیں روایت کی ہیں [۱]

حافظ ابو محمد عبدالرحمن ابن ابی حاتم الرازی کا بیان ہے۔

شعبہ کی روایتیں ابوداؤد رح سے کم ہی چھوٹی ہوں گی [۲]

شیوخ کی تعداد شعبہ کے تلامذہ میں یہ فخر ابوداؤد طیالسی کو حاصل ہے کہ ان کے شیوخ کی تعداد ہزار تک پہنچتی ہے [۳]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہزار شیوخ کی مرویات کا خزانہ ان کے دماغ میں محفوظ تھا ان میں سے کم وبیش دوسو تیس شیوخ سے اپنی مسند میں حدیث و آثار نقل کئے ہیں۔

اساتذہ وائمہ فن کا احترام ابوداؤد طیالسیؒ اپنے شیوخ واساتذہ کا بہت احترام کرتے تھے ایسے محدث سے جو اپنے آپ کو ان کے شیوخ سے برتر سمجھتا یا بدعت کی طرف داعی ہوتا اس سے حدیث روایت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ محمود بن غیلان کا بیان ہے۔

میں نے ابوداؤد طیالسی رح سے پوچھا کہ آپ ابوعبیدہ عبدالوارث بن سعید التنوری البصری المتوفی ۱۸۰ھ سے روایت کیوں نہیں کرتے، فرمایا ایسے شخص سے کیسے روایت کروں جو عمرو بن ابی عبید کو ابن عون سے ایوب اور یونس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہو

قدردانی ورہنمائی شعبہ رح ان کی علم سے وابستگی کی قدر کرتے اور اساتذہ فن کی طرف ان کی رہنمائی کرتے ان سے سماع حدیث کی تاکید کرتے تھے تاکہ تحصیل علم کا شوق تیز سے تیز تر ہوتا جائے، یہ فن میں بصیرت و کمال حاصل کر سکیں ان کی برکات سے بہرہ ور ہوں، ان کا چشمۂ فیض جاری رہے، ابوداؤد طیالسیؒ کا بیان ہے۔

مجھ سے شعبہ نے فرمایا کہ تم محدث حافظ ورقاء یشکری المتوفی ۱۶۰ھ کی مجلس درس اور ان کی صحبت میں حاضری کو لازم سمجھو، ان کے بعد ان کا نظیر و مثیل نہیں پاؤ گے۔ ابوداؤد کے تلمیذ حافظ محمود بن غیلان المتوفی ۲۳۹ھ کا بیان ہے

---

[۱] ابن ابی حاتم ج ۲ ق ۱ ص ۱۱۳

[۲] المزی ۱/ ۵۳۵، ابن حجر ۴/ ۱۸۳

[۳] الذہبی ۹/ ۳۸۱ (ط)، تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۳۵۲، میزان الاعتدال، ۲/ ۲۰۳

[۴] الذہبی، ۷/ ۹۵ (ط)، میزان الاعتدال، ۲/ ۵۷۵

[۵] میزان الاعتدال ۳/ ۲۷۴

میں نے موصوف سے پوچھا کہ اس کا مطلب کیا تھا، فرمایا کہ ورقاء سے افضل، خداترس نہ پاؤگے (ان سے پڑھنے میں برکت ہوگی) ؎۱

ذوقِ تحقیق وشوقِ جستجو ابوداؤد طیالسی کی فطرت میں تحقیق وشوق جستجو ودیعت کیا گیا تھا، اس لئے وہ جب تک کسی بات کی تحقیق نہ کر لیتے اطمینان نہ ہوتا، چنانچہ شعبہ جو فن رجال کے بانی خیال کئے جاتے ہیں راویان حدیث پر تنقید کرتے، موصوف کو ان کی تنقید کھٹکتی تو تحقیق حق اور معلومات میں اضافہ کی خاطر سبب معلوم کرتے، چنانچہ ایک مرتبہ شعبہ نے ان سے کہا کہ تم جریر بن حازم کے پاس جاؤ اور کہو،

آپ کو حسن بن عمارہ سے روایت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، ؎۲

ابوداؤد طیالسی کا بیان ہے

میں نے شعبہ سے پوچھا اس الزام کی دلیل کیا ہے انہوں نے بتایا کہ حسن بن عمارہ حکم بن عتبہ سے ایسی روایتیں بیان کرتا ہے جس کی ہم نے اصل نہیں پائی ؎۳

شعبہ نے ان کی ایسے اصول کی طرف رہنمائی کی جس سے ان پر تحقیق کے نئے گوشے کھل گئے

؎۱ المزی ۳/۱۴۶۱، ابن حجر ۱۲/۱۱۳، الذهبی، العبر فی خبر من غبر، تحقیق فواد سید الکویت، مطبعۃ حکومت الکویت، ۱۹۶۱ء ۱/۲۳۷

؎۲ المزی، ۱/۲۷۴، الذهبی، میزان الاعتدال ۱/۵۱۴، ابن حجر ۲/۳۰۵

؎۳ المزی ۱/۲۷۴، ابن حجر، ۲/۳۰۵۔

حسن بن عمارہ بلند پایہ محدث وفقیہ تھے، ان کے متعلق شعبہ کی مذکورہ بالا رائے جسے امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم (مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۹ھ ص ۱/۱۷) میں زینت کتاب کیا ہے انصاف پر مبنی نہیں اس لئے کہ ائمہ فن سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ، سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ شبابہ بن سوار، قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن الشیبانی، جریر بن حازم المتوفی ۱۷۰ھ، سید الحفاظ وامام فن جرح وتعدیل یحیٰی بن سعید القطان جن کے متعلق علی بن المدینی کا قول ہے۔

ما رأیت احداً اعلم منه بالرجال - (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۹۸) میں نے علم رجال میں موصوف سے کوئی بڑا عالم نہیں دیکھا۔

حافظ عجلی کا بیان ہے۔

کان نقی الحدیث لا یحدث الا عن ثقة (۱/۲۹۹) صاف ستھری حدیث بیان کرتے اور ثقہ ہی سے روایت کرتے تھے، جیسے نامور حفاظ وائمہ حدیث نے حسن بن عمارہ سے روایت کی ہے جو حسن بن عمارہ کی صداقت وثقاہت کی نہایت روشن دلیل ہے یہ اکابر حفاظ کسی جھوٹے سے روایت نہیں کرتے، شعبہ بھی پہلے حسن بن عمارہ سے روایت کرتے تھے۔ اس عصر کے نامور حفاظ اور جلیل القدر محدثین میں سے جریر بن حازم اور حماد بن زید نے شعبہ سے کہا تھا کہ حسن بن عمارہ کے متعلق خاموشی اختیار کریں، اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ ائمہ فن اس امر میں شعبہ کے ہمنوا نہیں تھے وہ حسن بن عمارہ کو ان کی تنقید سے بالاتر سمجھتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے، چنانچہ حافظ قاضی حسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی المتوفی ۳۶۰ھ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی میں اس نوع کی دوسری حدیث شہداء غزوہ احد کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور انہیں غسل نہیں دیا گیا، پر بحث کرتے

ہوئے لکھتے ہیں ۔

یہ قصہ اصلاً ابو داؤد سے منقول ہے ۔ اس میں خلط ملط ہو ! ہے ہا ا سے کر دیا گیا ہے ۔

ابو داؤد طیالسی سے اس قصہ کے دو راوی ہیں ایک مخرمی، اور دوسرے محمود بن غیلان، لیکن مخرمی، محمود بن غیلان کی بہ نسبت الفاظ حدیث کے زیادہ محفوظ رکھنے والے اور زیادہ قوی راوی ہیں ۔ محمود بن غیلان نے بواسطہ ابو داؤد، شعبہ سے روایت کیا ہے کہ حسن بن عمارہ نے بواسطۂ حکم از مقسم از ابن عباس یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی اور انہیں دفنا دیا، اور مخرمی کی روایت یہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ پڑھی اور انہیں غسل دیا گیا ۔

محمود نے اپنی روایت میں جو شعبہ کے واسطہ سے نقل کی ہے اس میں شعبہ سے منقول ہے کہ میں نے حکم سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز پڑھی کہا ۔ نہیں ۔ اور مخرمی نے اپنی روایت میں جو شعبہ سے منقول ہے ان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں نے حکم سے پوچھا کہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور غسل نہیں دیا جائے گا۔

ان دونوں روایتوں میں زیادہ تفاوت اور نمایاں فرق ہے ۔ شعبہ نے حسن بن عمارہ کی تکذیب پر جس طریقہ سے استدلال کیا ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں ۔ اس لئے کہ ان دونوں مسئلوں میں انہوں نے حکم سے فتویٰ طلب کیا حکم کی جو رائے تھی اس کے مطابق انہوں نے فتویٰ دیا ۔ وہ حماد کے زمانے میں کوفہ کے فقہاء میں سے تھے

ابو بسطام (شعبہ) نے جب حکم سے پوچھا کہ کس سے ؟ ممکن ہے ان کا یہ خیال ہو کہ یہ وہی فرمائیں گے جو فقہاء امصار کہتے ہیں چنانچہ ایک مسئلہ میں ابراہیم نخعی کا قول بیان کیا اور دوسری میں حسن بصری کا قول ذکر کیا ۔

ابراہیم نخعی رح کوفہ کے اور حسن بصری بصرہ کے فقیہ تھے ۔ ان دونوں مسئلوں میں روایت دلیل کے قائم مقام نہیں ۔ مفتی پر یہ لازم نہیں کہ جو وہ روایت کرے اس کے مطابق فتویٰ بھی دے اور یہ بھی لازم نہیں کہ غیر مفتیٰ بہ روایت کو بیان کرنا چھوڑ دے ۔ اس بات پر تمام فقہاء امصار کا عمل ہے یہ امام مالک رح بہت سی روایتیں بیان کرتے ہیں لیکن ان کا عمل اس کے خلاف ہے ۔ زہری عن سالم عن ابیہ بمقابلہ حکم عن مقسم عن ابن عباس علماء اہل حدیث کے یہاں زیادہ معتبر و زیادہ قوی ہے، امام مالک رح نے رفع یدین کے مسئلہ میں زہری کی روایت بیان کرنے کے باوجود عمل اس کے خلاف کیا ۔

یہ امام ابو حنیفہ رح مستحاضہ کے باب میں فاطمہ بنت حبیش رض کی روایت بیان کرتے اور عمل اس کے خلاف کرتے تھے ۔

ممکن ہے کہ حکم نے حسن بن عمارہ کو وہ روایت کتاب سے بیان کی ہو جسے وہ یاد نہ رکھتے ہوں اور ان کا عمل اس کے خلاف ہو، اور شعبہ حکم سے پوچھتے ہوں وہ اپنے حفظ کے مطابق انہیں جواب دیتے ہوں اور عمل اس کے خلاف ہو ۔

اہل علم کے لئے انصاف پر قائم رہنا ہی زیادہ بہتر ہے ۔ بہر حال شعبہ، حسن بن عمارہ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمائے (الرامہرمزی ص ۳۲۰، ۳۲۳ ۔)

شعبہ کے حسن بن عمارہ سے شدت غیظ کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جسے حافظ ابو جعفر محمد بن عمرو عقیلی المتوفی سنہ ۳۲۲ھ نے بسند متصل یحییٰ بن حکیم مقوم سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو داؤد طیالسی سے عرض کیا کہ محمد بن الحسن صاحب الرای نے حسن بن عمارہ از حکم از ابن ابی لیلیٰ از علی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں قران کیا اور دو طواف کئے دو سعی کی ۔ یہ سن کر ابو داؤد نے اشارہ کیا کہ شعبہ اگر حسن کی

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

شعبہ اور دیگر شیوخ کی مرویات کی تعداد

جیساکہ گزر چکا ابوداؤد طیالسی نے شعبہ سے سات ہزار حدیثیں سنی تھیں اور اتنی تعداد میں حافظ ابوعبداللہ محمد بن جعفر الہذلی مولاہم البصری المعروف بہ غندر المتوفی ۱۹۳ھ نے شعبہ سے حدیثیں سنی تھیں [۱]

یہاں راوی نے کسور کو نظر انداز کر دیا ہے، چنانچہ عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی اور حافظ ابواحمد عبداللہ ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ نے یہ تعداد سات ہزار سات سو نقل کی ہیں [۲]

علامہ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے تصریح کی ہے کہ اس تعداد سے مرفوع و موقوف دونوں مراد ہیں [۳]

عثمان بُرّی [۴] سے بارہ ہزار اور دیگر شیوخ سے ہزاروں کی تعداد میں حدیثیں انہیں نوکِ زبان تھیں اس نوع کی چالیس ہزار حدیثیں اصفہان میں زبانی بیان کی تھیں [۵]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ روایت سنتے تو حسن بن عمارہ کا گلا گھونٹ دیتے اور پیٹ چاک کر دیتے (المزی، ۱/۴/۲۷، ابن حجر ۲/۳۰۵)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] الذهبي تذكرة الحفاظ ۱/۱۹۵

[۲] ابن ابی حاتم ج ۲ ق ۱، ۱/۱۱۲ والذھبی، ۸/۲۰۶

[۳] ایضاً

[۴] ابوسلمہ عثمان بن مقسم البُرّی البصری،

موصوف کے متعلق حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے میزان الاعتدال ۳/۵۸ میں "احد ائمۃ الاعلام" یہ نامور علماء میں سے ایک تھے" الفاظ لکھے ہیں۔

منصور، قتادہ، ابواسحاق، سعید المقبری، عاصم بن ابی النجود، نافع مولی ابن عمر سے حدیثوں کا سماع کیا۔ سفیان ثوری، ابوعاصم شیبان بن فروخ اور ابوداؤد موصوف سے راوی ہیں۔

امام احمد، یحییٰ بن معین نے عثمان بُرّی کو متروک اور یحییٰ بن سعید القطان نے کذاب کہا۔

ابن عدی نے موصوف کے متعلق لکھا ہے

ان کی عام حدیثیں ایسی ہیں جن پر سنداً و متناً متابع نہیں پایا جاتا، یہ ان محدثین میں سے ہیں جو بہت زیادہ غلطیاں کرتے ہیں علماء کی بڑی جماعت نے اس کی نسبت صدق کی طرف کی ہے اور غلط کثیر کی وجہ سے اس کی تضعیف کی ہے، بایں ہمہ ضعف اس کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں (ابن عدی ۲ ۵/۱۸۰۷)

علامہ سمعانی نے عثمان بُرّی کے متعلق لکھا ہے۔

کان ممن یروی المقلوبات عن الاثبات - یہ اثبات (نہایت معتبر راویوں سے) مقلوبات روایت کرتے تھے (السمعانی ۱/۵۳۵، البری)

ائمہ فن کے ذخیرۂ احادیث پر نظر ابوداؤد طیالسی نہایت بالغ نظر محدث تھے۔ ائمہ فن کے ذخائر احادیث پر ان کی نظر تھی۔ ہر ایک امام فن کی خصوصیات سے واقف تھے ان میں باہم موازنہ کرنے اور ان کی امتیازی خصوصیات کو بیان کرنے پر قادر تھے۔ چنانچہ احمد بن عبدہ المتوفی ۲۴۵ھ کا بیان ہے کہ ابوداؤد طیالسی نے فرمایا۔

ہمیں حدیثیں چار ائمہ فن امام زہری، قتادہ ابواسحٰق اور اعمشؒ کے پاس ملتی ہیں، ان میں قتادہ اختلاف احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ زہری اسناد کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، ابواسحاق حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کی حدیث کے سب سے زیادہ شناساں تھے اور امام اعمش کے یہاں سب خصوصیات موجود تھیں ان میں سے ہر ایک کا ذخیرۂ احادیث دو ہزار حدیثوں پر مشتمل تھا۔ [1]

واضح رہے کہ یہاں ابوداؤد طیالسی نے کسور کو نظر انداز کر دیا لیکن زہری کے تذکرہ میں موصوف سے منقول ہے کہ زہری کی احادیث دو ہزار دو سو ہیں جن میں آدھی مسند ہیں۔ [2]

علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ نے امام اعمش کی احادیث تیرہ سو کے قریب بتائی ہیں۔ [3]

بعض مشہور حفاظ حدیث کے ذخائر کا مطالعہ ابوداؤد طیالسیؒ بعض مشہور حفاظ کے ذخائر کتب کا مطالعہ کرتے تھے۔ چنانچہ شعبہ کے انتقال کے بعد جب حافظ ابوالولید طیالسیؒ کے ساتھ اصفہان، رے، کا سفر کیا۔ اس زمانے میں محدث رے حافظ جریر بن عبدالحمید الرازی المتوفی ۱۸۸ھ کا ذخیرۂ کتب کوفہ سے آیا تو اسے دیکھنے کے لئے ان کے یہاں گئے اور اس ذخیرے کا مطالعہ کیا۔ [4]

شعبہ کی حیات میں ان کی مسندِ درس پر تدریس کا اعزاز شعبہ کی مجلس درس میں تدریس و تحدیث کا فخر و اعزاز تلامذۂ شعبہ میں صرف ابوداؤد طیالسی کو حاصل تھا۔ چنانچہ شعبہ جب مسند درس سے کھڑے ہوتے تو ابوداؤد طیالسی اس مسند پر جلوہ آرا ہوتے اور وہ حدیثیں زبانی املاء کراتے جن کا ذکر شعبہ کی مجلس درس میں نہیں آیا تھا [5] یہ ایسا اعزاز تھا جو اساد کی زندگی میں کسی شاگرد کو کم نصیب ہوتا ہے یہ اعزاز ابوداؤد طیالسی کے کثرتِ حفظ، مہارتِ فن

[illegible] موصوف نے سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ کے بعد انتقال کیا

م (راوی حدیث سے بیان سند میں کسی راوی کے نسب میں متن حدیث میں تقدم و تاخر ہو جائے اسے اصطلاح میں مقلوب کہا جاتا ہے)

[5] الخطیب ۹/۲۷، الذھبی ۹/۳۸۳، المزی ۱/۵۳۵، ابن حجر ۴/۱۸۳ (حاشیہ صفحہ ھذا)

[1] الذھبی تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۱۵ (ترجمہ ابواسحاق السبیعی) و لہ ۵/۴۰۱

[2] ایضاً ۱/۱۰۹

[3] ؍؍ ۱/۱۵۴

[4] المزی ۱/۱۸۹، الذھبی، میزان الاعتدال ۱/۳۹۵

[5] الخطیب ۹/۲۵، المزی ۱/۵۳۵، الذھبی ۹/۳۸۱، ابن حجر ۴/۱۸۵

اور اعتماد و قبولیتِ عام کا شاہدِ عدل ہے

درس کی شہرت

ابوداؤد طیالسی کی مجلسِ درس کی شہرت دور دور پہنچی ہوئی تھی بعض طلبہ اور اہلِ علم تعارفی خطوط لے کر حاضرِ خدمت ہوتے۔ چنانچہ حافظ عباس دوری المتوفی ۲۷۱ھ کا بیان ہے کہ موصوف کی مجلس درس میں شرکت کے لیے میں نے امام احمد بن حنبل رح اور یحییٰ بن معین کا تعارفی خط پیش کیا تھا، جس میں انہوں نے میرے متعلق لکھا تھا:

ان هذا فتى يطلب الحديث ومافا له من اهل الحديث [1] — یہ نوجوان حدیث پڑھنا چاہتا ہے یہ حدیث کا طالب علم ہے محدث نہیں ہے

اس سے ان کے درس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ طلبہ و اہلِ علم سفر کر کے ان کی مجلس درس میں حاضر ہو کر اپنی علمی تشنگی دور کرتے تھے آخر میں نہایت موذی مرض کوڑھ کا شکار ہو گئے تھے لیکن ان کی مہارتِ فن، اتقان، علو اسناد، اخلاص و للہیت، نے آخر دم تک حدیث و آثار کی اشاعت میں انہیں سرگرمِ عمل رکھا جنہیں یہ موقعہ نہ مل سکا انہیں افسوس رہا۔ چنانچہ حافظ ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجلی المتوفی ۲۶۱ھ کا بیان ہے۔

موصوف سے احادیث کا سماع کرنے کیلئے کوفہ سے بصرہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ میری آمد سے ایک دن پہلے انہوں نے آخرت کا سفر اختیار کیا اور میں ان سے استفادہ نہ کر سکا [2]۔

ابوداؤد طیالسی کے انتقال کے بعد بصرہ میں یہ مرکزیت حافظ ابوالولید طیالسی المتوفی ۲۲۷ھ کو حاصل ہوئی چنانچہ حافظ عجلی لکھتے ہیں

كانت اليه الرحلة بعد ابی داؤد الطيالسی — ابوداؤد طیالسی کے انتقال کے بعد ابوالولید طیالسی کی طرف سفر کیا جاتا تھا [3]

بعض شیوخ ابوداؤد کی ابوداؤد سے روایت

ابوداؤد طیالسی کے بعض نہایت بلند مرتبہ اساتذہ و شیوخ نے موصوف سے روایت کی، چنانچہ محدث رے حافظ جریر بن عبدالحمید المتوفی ۱۸۸ھ نے جن کے متعلق حافظ ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ

رحل اليه المحدثون لثقته وحفظه وسعة علمه [4] — محدثین موصوف کی ثقاہت، حفظ اور وسعتِ علم کی وجہ سے روایتِ حدیث کی خاطر سفر کر کے جریر کی خدمت میں پہنچتے تھے

ابوداؤد طیالسی سے روایت کی [5]

---

[1] الذہبی ۱۲/ ۵۲۳

[2] العجلی ۱/ ۴۲۷، الخطیب ۹/ ۲۵، و (۳) الرحلۃ فی طلب الحدیث، تحقیق نور الدین عتر، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۳۹۵ھ ص ۱۸۱، ابن نقطہ ۲۷، الذہبی ۹/ ۳۸۱، ابن حجر ۴/ ۱۸۴

(باقی بر صفحہ آئندہ)

مرکز علم بصرہ میں شعبہ کے پانچ ممتاز شاگرد

شعبہ کے حلقہ درس سے ہزاروں تشنگانِ علوم نے استفادہ کیا اور ان میں بہت سے وہ تھے جن سے مسند علم کو زینت حاصل رہی اور ان کا فیضان ممالکِ اسلامی میں جاری رہا۔ شعبہ کے ان تلامذہ میں سے مرکز علم بصرہ میں سب سے زیادہ لائق و قابلِ وثوق مندرجہ ذیل پانچ شاگرد تھے۔

۱۔ قاضی ابوالمثنیٰ معاذ بن معاذ العنبری البصری المتوفی ۱۹۶ھ

۲۔ حافظ ابوعثمان خالد بن الحارث الہجیمی البصری المتوفی ۱۸۶ھ

۳۔ امام فن جرح و تعدیل حافظ ابوسعید یحییٰ بن سعید القطان البصری المتوفی ۱۹۸ھ

۴۔ حافظ غندر محمد بن جعفر الہذلی البصری المتوفی ۱۹۳ھ/۱۹۴ھ [۱]

حافظ ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ فرماتے ہیں

تم جب ان چاروں سے گزر جاؤ تو ان میں پانچویں حافظ ابوداؤد سلیمان بن داؤد طیالسی ہیں، اس لئے کہ وہ بعض السی حدیثوں کو مرفوعاً روایت کرتے ہیں جنہیں شعبہ کے دوسرے شاگرد موقوفاً روایت کرتے ہیں۔ بعض حدیثوں کو یہ موصولاً روایت کرتے ہیں اور ان کے دوسرے تلامذہ ان احادیث میں ارسال کرتے ہیں [۲]

معاصرین ورفقاء سے روایت

ابوداؤد طیالسی بہت کھلے دل و دماغ کے عالم تھے اپنے دوستوں اور معاصرین سے روایت کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے چنانچہ محدث کبیر ابوعمرو بکر بن بکار قیسی بصری المتوفی بعد ۲۰۶ھ سے جو موصوف کے دوست تھے روایت کی

بعض راویوں کے متعلق معاصرین سے استصواب رائے۔

ابوداؤد طیالسی با ایں ہمہ علم و فضل بعض راویانِ حدیث کے سلسلہ میں معاصر ائمہ فن جرح و تعدیل سے استصواب رائے کرتے رہے تھے چنانچہ علامہ ابوالفتح محمد بن الحسین بن احمد الازدی صاحب کتاب الضعفاء المتوفی ۳۷۴ھ کا بیان ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) [۳] الذہبی تذکرۃ الحفاظ ۳۸۲/۱

[۴] ایضاً ” ” ۲۷۲/۱

[۵] المزی، ۵۳۵/۱

حاشیہ صفحہ ہذا [۱] ابن عدی ۱۱۲۹/۳، ابن رجب، ج ۲ ص ۵۰۷

[۲] ابن حجر ۱۸۴/۵ و ۱۸۵، الذہبی ۵۸۳/۹

ابو داؤد طیالسیؒ اپنے معاصر علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ سے جن کی تصانیف فن جرح وتعدیل میں سند کا درجہ رکھتی ہیں بعض مواقع پر استصواب رائے کرتے رہے تھے [۱]

تلامذہ کی رہنمائی

ابو داؤد طیالسی بھی شعبہ کی طرح تلامذہ کی رہنمائی کرتے انہیں اساتذۂ فن کی خدمت میں پہنچاتے۔ تحصیل علم کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ احمد بن سعید دارمی کا بیان ہے۔ [۲]

موصوف نے نامور محدث شیخ عمرو بن محمد بن ابی رزین الخزاعی مولاہم ابو عثمان البصری المتوفی ۲۰۶ھ کی طرف میری رہنمائی کی تھی

اصفہان ورے میں آمد

ابو داؤد طیالسی کو علوم حدیث میں امامت کا درجہ حاصل تھا وہ جہاں بھی اور جہاں گئے طالبانِ حدیث ان کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہوتے اور استفادہ کرتے تھے۔ بصرہ میں ان سے جن شیوخ حدیث کی مرویات کے متعلق کبھی کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔ اصفہان میں جو اس دور میں رشکِ بغداد بنا ہوا تھا ان شیوخ کی حدیث کو عام کیا۔ چنانچہ موصوف کا بیان ہے۔

عثمان بُری کی بارہ[۱۲] ہزار حدیثیں میرے سینہ میں محفوظ تھیں جن کے متعلق بصرہ میں کسی نے مجھ سے سوال نہیں کیا ان روایات کو میں نے اصفہان میں عام کیا

موصوف فرماتے تھے

میں نے اکتالیس[۴۱] ہزار روایتیں اہل اصفہان کے سوالات سے پہلے انہیں زبانی املاء کرائی تھیں [۳]

ابو داؤد طیالسی کا اصفہان ورے میں کئی بار آنا جانا ہوا، اس لئے احادیث کی تعداد بیان کرنے والوں کے اقوال میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمران اصفہانی کا بیان ہے کہ میں نے ابو داؤد طیالسی سے تینتیس[۳۳] ہزار حدیثیں سنی تھیں [۴] اور احمد بن شاذل کا بیان ہے کہ میں نے ابو داؤد سے اصفہان میں ساٹھ[۶۰] ہزار حدیثیں سنی تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی [۵] عمرو بن شیبہ کا قول ہے کہ چالیس[۴۰] ہزار حدیثیں بیان کی تھیں [۶]

حافظ محمد بن بشار نے اکتالیس[۴۱] ہزار تعداد بتائی ہے [۷]

۱۔ ابن حجر ۸/۱۰۱

۲۔ المزی ۲/۴۹۰۔۱۰۔ابن حجر ۸/۹۸

۳۔ الخطیب ۹/۲۶

۴۔ ابو الشیخ ۱/۱۸۳

۵۔ ایضاً۔ الخطیب ۹/۲۷، المزی ۱/۵۳۵، الذھبی ۹/۳۸۲، ابن نقطہ ۲۷،

۶۔ الخطیب ۹/۲۶، ابن نقطہ ۲۷۸، الذھبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۵۲

۷۔ الذھبی، میزان الاعتدال ۲/۲۰۴

اور یونس بن حبیب اصفہانی کا بیان ہے کہ ایک لاکھ حدیثیں بیان کی تھیں [۱]
ممکن ہے کہ ہر دو سفر کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار ہو، تیس کسی ایک سفر میں بیان کی ہوں اور بقیہ دوسرے سفر میں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس کو جتنی حدیثوں کے سننے کا موقعہ ملا اس نے اس کے مطابق بیان کیا۔ اس طرح یہ اختلاف ختم ہوجاتا ہے۔ نیز یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ یہ تعداد باعتبار طرق و اسانید ہے۔

حافظ ابوالشیخ حیان کا بیان ہے

امراء ورؤساء اصفہان کی خدمت میں تحائف

ہمارے مشائخ نے بیان کیا کہ ابوداؤد طیالسی رح ۱۶۰ھ کے مابین رجب شعبہ رح کا انتقال ہوگیا تھا) اصفہان آئے، اپنے ساتھ طیالسی چادریں لائے اور اصفہان کی سربرآوردہ شخصیات، امراء ورؤساء کو تحفۃً پیش کیں وہ جسے طیلسان تحفہ میں دیتے وہ انہیں ایک ہزار درہم پیش کرتا اور امراء شہر ہزاروں درہم نذر کرتے تھے۔
ابوداؤد طیالسی کا اصفہان میں ایک ماہ قیام رہا یہ وہاں حدیثیں بیان کرتے اور جب اصفہان چھوڑتے تو تیس ہزار درہم لے کر بصرہ آتے تھے [۱]
یہ وہ زمانہ تھا کہ جب سواری کا جانور گدھا زین اور لگام کے ساتھ اٹھارہ سے تیس درہم میں ملتا تھا [۲]
تن کے کپڑے، تہبند، چادر، اور قمیص دس درہم میں ملتی تھی [۳]۔ چنانچہ شعبہ کے انتقال کے بعد ان کی سواری کا گدھا۔ لگام، بدن کے کپڑے اور جوتا سولہ درہم میں فروخت کئے گئے تھے [۴]
ابوداؤد طیالسی اس تجارت کی وجہ سے بہت آسودہ حال تھے اور فضل و کمال کی وجہ سے انہیں معاشرہ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

لباس ابوداؤد طیالسی معلوم ہوتا ہے کہ بہت ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتے تھے، کرتے کی آستین اتنی لمبی چوڑی رکھتے تھے کہ ان کی رفع یدین بھی لوگوں کو نظر نہ آتی تھی۔ چنانچہ ۱۶۰ھ میں جب موصوف عبدالرحمن بن مہدی کے ساتھ رے گئے۔ جس مسجد میں یہ نماز پڑھتے تھے وہاں کسی شخص نے عبدالرحمن بن مہدی سے پوچھا کہ یہ رکوع میں آتے جاتے رفع یدین کرتے نظر نہیں آتے۔ ابن مہدی نے اسے بتایا کہ وہ اپنے ہاتھ کپڑوں کے نیچے اٹھاتے ہیں۔ سائل نے کہا کہ یہ اچھا نہیں۔ انہیں ہاتھ اس طرح اٹھانا چاہئیں کہ لوگ دیکھ سکیں [۵]

---

[۱] ابوالشیخ، ۱/۱۸۴
[۲] الخطیب ۹/۲۶۲
[۳] ایضاً
[۴] ایضاً
[۵] ابوالشیخ ۱/۱۸۳

ممکن ہے کہ ابوداؤد طیالسیؒ سفر میں یا خاص موسم میں ایسا لباس زیب تن فرماتے ہوں یا یہ ان کا عام لباس ہو

ابوداؤد طیالسی کا فقہی مسلک

واضح ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی کا یہ جواب شورش فرو کرنے کی غرض سے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابوداؤد طیالسی عراقی تھے اور شعبہ کے چند خصوصی تلامذہ میں ان کا شمار ہے یہ انہی کے ساختہ پرداختہ تھے۔ انہی کی روش پر قائم تھے۔ پھر جن کی صحبت اختیار کی تھی وہ یحییٰ بن سعید القطان تھے جن کا مسلک اہل نظر سے مخفی نہیں۔ جن شیوخ واساتذہ سے زیادہ استفادہ اور روایت کی جیسے وکیع بن الجراح اور عبداللہ بن المبارک مروزی وغیرہ ان کا فقہی مسلک بھی اہل علم کو معلوم ہے۔ ابوداؤد طیالسیؒ اپنے شیخ شعبہؒ کے فقہی مسلک پر گامزن تھے۔

حافظ ذہبی نے شعبہ کے متعلق تصریح کی ہے۔

کان رأیہ رأی الکوفیین ۔ شعبہ کی رائے کوفیوں کی رائے تھی [1]

یعنی شعبہ کا فقہی مسلک وہی تھا جو اہل کوفہ کا مسلک تھا۔

ابوداؤد طیالسی کا فقہی مسلک بھی یہی تھا۔

ابوداؤد طیالسیؒ ناقدین کی نظر میں

ابوداؤد طیالسی نہایت بلند پایہ حافظ حدیث، نامور استاد ائمہ فن کے تربیت یافتہ بالغ نظر محدث تھے بایں ہمہ فضل وکمال وہ معاصرین کی گرفت سے نہیں بچ سکے۔ چنانچہ حافظ ابوعبداللہ محمد بن المنہال التمیمی المجاشعی البصری الضریر المتوفی ۲۳۱ھ کا بیان ہے۔

ابوداؤد طیالسی سے ایک دن میں نے پوچھا کہ آپ نے عبداللہ عون المتوفی ۱۵۱ھ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا نہیں، ایک سال بعد اس خیال سے کہ وہ اس واقعہ کو بھول گئے ہوں گے ان سے پھر پوچھا کہ آپ نے ابن عون سے کچھ سنا ہے فرمایا "جی ہاں" میں نے پوچھا، کتنی حدیثیں سنی تھیں، فرمایا بیس سے اوپر، میں نے عرض کیا کہ وہ مجھے سنائیں۔ انہوں نے سنائیں، ایک حدیث کے سوا جسے میں نہیں جانتا۔ سب یزید بن زریع المتوفی ۱۸۲ھ کی تھیں [2]

---

[1] الذھبیؒ میزان الاعتدال ۱/۵۹۳

[2] ابن عدیؒ ۳/۱۱۲۸، الخطیبؒ ۹/۲۵، المزیؒ ۱/۵۳۵، السمعانی، ۴/۹۱، الذھبی ۹/۳۸۳ (و لہ) میزان الاعتدال ۲/۲۰۳، ابن حجر ۴/۱۸۴

ان کے ناقدین میں سے ابراہیم بن سعید جوہری نے ان غلطیوں کو ہزار تک پہنچا یا۔ چنانچہ حافظ ابومسعود رازی المتوفی ۲۵۸ھ کا بیان ہے۔

اہل اصفہان نے انہیں لکھا کہ ابوداؤد طیالسیؒ نے ایک ہزار غلطیاں کی ہیں۔ موصوف نے امام احمد حنبل سے پوچھا امام موصوف نے فرمایا ابوداؤد کی یہ غلطیاں برداشت کی جا سکتی ہیں [1]

دنیا میں ایسا کونسا محدث ہے جس سے غلطی نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں۔

محتاط محدث کتاب سے حدیثیں املاء کراتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس امر کی تاکید کی ہے [2]

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ابراہیم بن سعید جوہری کے مذکورہ بالا قول کو مبالغہ قرار دیا اور لکھا ہے کہ ابوداؤد طیالسی نے اگر اس کے ساتویں حصہ کے برابر بھی غلطیاں کی ہوتیں تو ائمہ فن جرح و تعدیل موصوف کی تضعیف کرتے [3] (حالانکہ ائمہ فن میں سے کسی نے بھی ان کی تضعیف نہیں کی بلکہ توثیق کی ہے)

تدلیس حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابوداؤد طیالسی کا شمار مدلسین میں کیا ہے موصوف طبقات المدلسین میں رقمطراز ہیں۔

سلیمان بن داؤد طیالسی ابوداؤد الحافظ المشہور ثقات سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔

یزید بن زریع کا بیان ہے، میں نے شعبہ کی دو حدیثوں کے متعلق موصوف سے پوچھا تو فرمایا کہ میں نے ان حدیثوں کو شعبہ سے نہیں سنا۔ یزید بن زریع کہتے ہیں پھر ان دونوں حدیثوں کو موصوف نے شعبہ سے بیان کیا۔

حافظ ذہبی نے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا۔

ابوداؤد نے ان دونوں روایتوں میں تدلیس کی تو کیا ہو گیا۔

(ابن حجرؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اس امر کا احتمال ہے کہ یہ دو حدیثیں انہوں نے یاد کر لی ہوں۔ انہوں نے اگر تدلیس کی ہے تو دیکھا جائے گا۔ اگر انہوں نے احتمالی صیغوں کے ساتھ انہیں بیان کیا تو وہ تدلیس اسناد ہے اور اگر صریح صیغوں کے ساتھ بیان کیا تو وہ تدلیس اجازہ ہے [4]

---

[1] الخطیب ۹/۲۶، الذھبی ۹/۳۸۴، ابن نقطہ ۲۷۸

[2] الذھبی ۹/۳۸۳

[3] 〃 〃 ۹/۳۸۲

[4] ابن حجر، طبقات المدلسین، تحقیق محمد زینبہم محمد غرب، القاھرہ، دار الصحوۃ، ۱۴۰۷ھ ص ۵۲

حافظ محمد بن المنہال بصری نے اس طرح ابوداؤد طیالسی کی ثقاہت کو مجروح کیا لیکن حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے موصوف کے مذکورہ بالا اعتراض کا مندرجہ ذیل جواب دیا ہے۔

ان دونوں باتوں میں اس طرح مطابقت ممکن ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن عون سے کچھ سنا ہو لیکن وہ اسے ضبط تحریر میں نہیں لاتے نہ اسے یاد رکھا۔ یعنی جیسا کہ سننے کا حق تھا ایسا نہیں سنا اعتماد جیسا چاہئے تھا ویسا نہیں تھا اس لئے یہ کہنا بجا تھا کہ نہیں سنا۔ اور یہ بھی کہنا درست تھا کہ سنا تھا۔ ابوداؤد طیالسی امین اور سچے تھے انہوں نے کبھی غلط بیانی نہیں کی[1]

بہرحال اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موصوف سے فرد گزاشتیں ہوئی ہیں خود انہیں بھی اس امر کا اعتراف تھا چنانچہ اصفہان میں انہوں نے چالیس ہزار سے زیادہ حدیثیں زبانی املاء کرائی تھیں بصرہ آکر جب کتابوں سے رجوع کیا تو انہیں غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے ان غلطیوں کی نشاندہی کر کے طلبہ کو لکھا کہ ان حدیثوں کو درست کر لیا جائے[2]

مذکورہ بالا قسم کی غلطیوں کی وجہ سے ابوداؤد طیالسی کا شمار ان رواۃ ثقات میں کیا گیا جن سے بعض وقت خطا ہو جاتی ہے چنانچہ حافظ ابن رجب المتوفی ۷۹۵ھ شرح علل الترمذی میں رقمطراز ہیں۔

قسم ثانی۔ ثقات کی اس جماعت کے بیان میں ہے جن میں سے بیشتر کا ذکر غالباً جرح و تعدیل کی اکثر کتابوں میں نہیں کیا جاتا۔ ان کی حدیثوں کی کمزوری کے حسب ذیل چند وجوہ ہیں۔

۱۔ ان کی حدیث میں ضعف بعض وقت پایا گیا۔

۲۔ یا بعض مقامات میں پایا گیا۔

۳۔ یا بعض شیوخ کی روایت میں پایا گیا[3]

اس امر پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ابوداؤد طیالسی کا حفظ بہت زیادہ تھا وہ کتاب کے بغیر زبانی حدیثیں املاء کراتے تھے۔ اس لئے بعض اوقات چوک ہو جاتی تھی۔ چنانچہ متقدمین و متاخرین محدثین متفق اللفظ ہیں کہ وہ ثقہ و مامون تھے[4]

یہ غلطیاں جیسا کہ گزر چکا زبانی املاء کرانے سے ہوئی تھیں۔ چنانچہ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد میں رقمطراز ہیں۔

میں کہتا ہوں ابوداؤد اپنے حافظ سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔ حافظ خائن ہوتا ہے اس میں گڑبڑ ہو سکتی ہے، چوک ہو جاتی ہے۔ یہ غلطیاں ان روایات کے مقابلے میں جو صحت و سلامتی پر مبنی ہیں بہت ہی تھوڑی ہیں[5]

---

[1] الذہبی، ۹/ ۳۸۳
[2] ابن رجب ۲/ ۷۶۴، الخطیب ۹/ ۲۷، ابن نقطہ، ۲۷۸، الذہبی ۹/ ۳۸۲، المزی ۱/ ۵۳۵، ابن حجر ۴/ ۱۸۶

[3] ابن رجب ۲/ ۷۴۳

[4] الخطیب ۹/ ۲۷، المزی ۱/ ۵۳۵، الذہبی ۹/ ۳۸۳

[5] الخطیب ۹/ ۲۶

حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ رسالۃ فی الرواۃ الثقاۃ المتکلم فیہم بمالا یوجب ردہم میں رقمطراز ہیں

سلیمان بن داؤد، ابوداؤد الطیالسی ثقۃ ما علمت بہ باسًا وقد اخطأ فی احادیث فکان ماذا ؎

سلیمان بن داؤد، ابوداؤد الطیالسی ثقہ ہیں مجھے موصوف کے متعلق کسی خرابی کا علم نہیں۔ کچھ احادیث میں بھول چوک ہوئی ہے تو اس سے کیا ہو گیا۔

سید الحفاظ یحیی بن معین بغدادی نے ابوداؤد طیالسی کو ان کے خواجہ تاش و رفیق حافظ عبدالرحمٰن بن مہدی سے بڑا عالم قرار دیا۔ چنانچہ ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی بسند متصل ناقل ہیں۔

حدثنا عبدالرحمان انا یعقوب بن اسحاق الھروی فیما کتب الی قال نا عثمان بن سعید الدارمی قال قلت لیحیی ابن معین ابوداود احب الیک فی شعبۃ او حرمی یعنی ابن عمارۃ فقال ابوداؤد صدوق، ابوداؤد احب الیّ قلت دابوداؤد احب الیک او عبدالرحمان بن مھدی قال: ابوداؤد اعلم بہ رمت عبدالرحمان)

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی نے بیان کیا کہ ہمیں یعقوب بن اسحاق ہروی نے تحریری اطلاع دی کہ ہم سے عثمان بن سعید دارمیؒ نے بیان کیا کہ میں نے یحیٰی بن معینؒ سے دریافت کیا کہ شعبہ سے روایت حدیث میں آپ کو ابوداؤد زیادہ پسند ہیں یا حرمیؒ بن عمارہ، فرمایا ابوداؤد صدوق ہیں اور مجھے ابوداؤد زیادہ پسند ہیں میں نے پھر پوچھا آپ کو ابوداؤد زیادہ پسند ہیں یا عبدالرحمٰنؒ بن مہدی۔ فرمایا ابوداؤد، عبدالرحمٰن سے زیادہ عالم ہیںؒ

حدثنا عبدالرحمان قال سئل ابی عن ابی داؤد وابی احمد الزبیری ایھما احفظ؟ فقال ابوداؤد (احفظ من ابی احمد) حدثنا عبدالرحمٰن قال سمعت ابی یقول: ابوداؤد محدث صدوق کان کثیر الخطاء ابوالولید وعفان احب الیّ

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی کا بیان ہے کہ میرے والد سے ابوداؤد اور ابواحمد زبیریؒ کے متعلق پوچھا گیا کہ ان دونوں میں بڑا حافظ کون ہے فرمایا ابوداؤد زیادہ بڑا حافظ ہے۔ عبدالرحمٰن رازی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ ابوداؤد محدث و صدوق تھے اور زیادہ غلطیاں کرتے تھے۔ ابوالولید طیالسیؒ اور عفان بنؒ مسلم مجھے اس سے زیادہ پسند ہیں ۹

یہ بھی ایک صاحب فن کی رائے ہے

؎ الذھبی، رسالۃ فی الرواۃ الثقات المتکلم فیہم بمالا یوجب ردھم، مصر، مطبعۃ الظاہر، ۱۳۲۴ھ

؎ سائل محدث ہرات حافظ ابوسعید عثمان بن سعید دارمی {۲۰۰ - ۲۸۰ھ} صاحب المسند، علی بن المدینی، امام احمد بن حنبل و اسحاق بن راہویہ اور یحییٰ بن معین کے شاگرد تھے، فقہ کی تحصیل بویطی سے اور عربیت کی تکمیل ابن الاعرابی سے کی تھی۔ رجال و حدیث کے ماہر تھے۔ ذہبی کا بیان ہے

ولعثمان سوالات عن الرجال لیحیی بن معین۔ رجال کے متعلق یحیی بن معین سے سوالات موصوف سے یادگار ہیں

(الذھبی، تذکرۃ الحفاظ، ۲/۶۲۱، ۶۲۲ (دلہ) العبر فی خبر من غبر، ۲/۶۴)

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

۵۲ یہ حجۃ الاسلام سید الحفاظ امام فن حدیث ابوزکریا یحییٰ بن معین بغدادی المتوفی ۲۳۳ھ کی رائے ہے اور سائل و مسئول عنہ دونوں ہی فن رجال کے ماہر ہیں (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۵۳ خ م د س ق ۔ ابو روح حرمی بن عمارہ بن ابی حفص العتکی، مولاہم البصری، قرہ بن خالد، ہشام بن حسان بصری اور شعبہ کے تلمیذ تھے ۔ علی بن المدینی، اور بندار وغیرہ کو موصوف سے تلمذ حاصل ہے، یحییٰ بن معین نے حرمی کو صدوق کہا ہے ۔ عقیلی نے ضعفاء میں شمار کیا ہے، بخاری، مسلم اور نسائی نے موصوف سے روایت کی ہے ۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے ۔

صدوق یھم ۔ صدوق ہیں وہم ہوتا ہے، نویں طبقہ میں شمار ہے ۔

الذہبی، میزان الاعتدال ۱/۴۷۳ و ۴۷۴، ابن حجر، ۲/۳۲، ۲۳۳ (و له) ھدی الساری مقدمہ فتح الباری، القاہرۃ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۷ھ، ۲/۱۲۱)

۵۴ عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۳۵ - ۱۹۸ھ) کا تذکرہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۲۹ میں الحافظ الکبیر الامام العلم الشہیر کے الفاظ سے کیا ہے ۔ حافظ علی بن المدینی موصوف کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ فقہاء سبعہ کے اقوال کے زہری و مالک کے بعد سب سے بڑے عالم، فقیہ، محدث، حافظ حدیث، وعلل و رجال کے امام تھے، بیس ہزار حدیثیں زبانی املاء کرائی تھیں ۔ شعبہ کے انتقال کے بعد ۱۶۰ھ میں لے گئے، احادیث شعبہ کا جو ذخیرہ قلمبند کیا تھا اہل علم سے بیان کیا ۔ اس سفر میں ابو داؤد طیالسیؒ اور ابو الولید طیالسی بھی ان کے ہمراہ تھے (المزی ۱/۱۸۹) طبقہ سابعہ میں ان کا شمار ہے ۔

امام شافعی رحمہ نے کتاب الرسالہ انہی کی فرمائش پر لکھا تھا ۔

وکیع بن الجراح کا بیان ہے ہمیں امام سفیان ثوری اور ابن مہدی کی پچاس حدیثوں میں اختلاف نظر آیا ۔ ہم نے تحقیق کی تو ابن مہدی کو زیادہ تر درست پایا (تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۳۰) اتقان، تفقہ اور رجال میں ابن مہدی کا مقام نہایت بلند ہے ۔

(ملاحظہ ہو تقدمۃ معرفۃ الجرح والتعدیل، ۲۵۱/۲۶۲، الحاکم النیسابوری، کتاب معرفۃ علوم الحدیث تحقیق معظم حسین، القاہرۃ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۳۳۷م ۶۸، ۶۹، الذہبی، ۹/۱۹۲)

۵۵ ابن ابی حاتم ج ۲ ق ۱ ص ۱۱۲

۵۶ ع ابو احمد محمد بن عبداللہ بن الزبیر الاسدی الزبیری مولاہم الکوفی الحبال ۔ حافظ حدیث تھے، یونس بن اسحاق، عیسیٰ بن طہمان اور سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں، عجلی نے موصوف کے متعلق کہا ہے ثقۃ یتشیع ۔ ثقہ ہیں ان میں شیعیت تھی ۔ اور ابو حاتم کا قول ہے ۔ حافظ عابد مجتھد له اوھام ۔ حافظ، عابد، مجتہد ہیں لیکن موصوف کے اوہام ہیں، اہواز میں ۲۰۳ھ میں انتقال کیا ۔
(الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۵۷ (و له) میزان الاعتدال ۳/۵۹۵)

۵۷ ابو الولید ہشام بن عبدالملک بصری (۱۳۳ - ۲۲۷ھ) نامور محدث، حافظ حدیث، عاقل و ثقہ اور شعبہ کے شاگرد تھے، عمر لمبی پائی تھی، امام بخاری و مسلم وغیرہ کے شیخ ہیں ۔ احمد عجلی کا قول ہے

بصری ثقة ثبت فی الحدیث کانت الرحلة بعد ابی داؤد الیه (العجلی ۱/۳۳۰)

بصری ہیں حدیث میں ثقہ اور ثبت ہیں، ابو داؤد طیالسی کے بعد تحصیل علم کے لئے ان کی طرف سفر کیا جاتا تھا ۔

یحیی بن معین کے مذکورہ بالا الفاظ عام ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابوداؤد طیالسی کو عبدالرحمن بن مہدی پر ترجیح دے رہے ہیں اور انہیں ابن مہدی سے بڑا عالم مانتے ہیں یہ ایک امام فن کی رائے ہے۔ لیکن شیخ الاسلام حافظ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی رح المتوفی ۴۷۴ھ کو اس سے اتفاق نہیں چنانچہ علامہ باجی نے اعلم (زیادہ بڑا عالم) بمعنی احفظ (زیادہ بڑا حافظ) قرار دے کر اس کے عموم کو خاص کر دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابوداؤد طیالسی کو عبدالرحمن بن مہدی سے زیادہ بڑا حافظ مانتے ہیں لیکن زیادہ بڑا عالم تسلیم نہیں کرتے۔

حالانکہ ابوداؤد طیالسی کے ناقدین میں سے حافظ ابن عدی کو اس امر کا اعتراف ہے کہ موصوف کو دو امور (۱) حفظ اور (۲) معرفت حدیث میں معاصرین پر برتری حاصل تھی، (الکامل فی الضعفاء ۳/۱۱۲۹)

یہ ایک امام فن کی اجتہادی رائے ہے جس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ سائل اور مسئول عنہ دونوں فن رجال کے اور باجی اندلسی سے بڑے عالم اور ماہر تھے۔ ان کی رائے بھی اپنی جگہ اہم اور قابل ذکر ہے۔

علامہ باجی نے اپنی رائے کی تائید میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ ہدیہ ناظرین ہیں۔

ھذا الکلام فیہ نظر لان عبدالرحمان بن مھدی امام مقدم فی طبقتہ لا یوازیہ الا یحیی بن سعید القطان ولیس ابوداؤد من ھذا النمط ولا قریب، وان کان اکثر روایۃ عن شعبۃ و ھو الذی اراده یحیی بن معین فان عبدالرحمن بن مھدی اعلم وابصر بصحیح الحدیث و سقیمہ و امام فی الجرح والتعدیل، واما ابوداؤد

موصوف کا یہ بیان محل نظر ہے اس لئے کہ (۱) عبدالرحمن بن مہدی امام ہیں (۲) طبقہ میں ابوداؤد سے مقدم ہیں۔ (۳) یحیی بن سعید القطان کے سوا ان کا کوئی ہمسر و مدمقابل نہیں، ابوداؤد اس طرز و روش پر نہیں اور نہ اس کے قریب ہیں اگرچہ وہ شعبہ سے زیادہ روایت کرتے ہیں اور یحیی بن معین کی اعلم بہ سے بھی مراد یہی ہے اس لئے کہ (۴) عبدالرحمن بن مہدی صحیح وسقیم حدیث پر زیادہ گہری

(بقیہ از صفحہ گذشتہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوداؤد رح کی حیات ہیں موصوف کو قبولیت حاصل نہ تھی، ابو داؤد نے ۲۰۳ھ میں وفات پائی امام بخاری رحنے علوم کی تحصیل اس کے بعد کی اس لئے انہیں ابو داؤد طیالسی سے استفادہ کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ ارباب صحاح ستہ نے موصوف سے روایت کی ہے (ملاحظہ ہو الذھبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۸۲، میزان الاعتدال ۴/۳۰۱)

۸ عفان بن مسلم الصفار [۱۳۰ م - ۲۲۰ ۲۱۹ ھ] نامور حافظ حدیث، ثقہ، متقن اور رجال کے عالم و مستند، اور شعبہ کے تلمیذ تھے، یحیی القطان فرماتے تھے عفان اگر میری موافقت کرتے ہیں تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔

(الذھبی تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۷۹ - ۳۸۰ (وله) میزان الاعتدال ۳/۸۱ و ۸۲)

۹ ابن ابی حاتم - ج ۲ ق ۱/۱۱۳

فكثير الرواية وليس له ذلك التمييز ولذلك يخطئ كثيرًا وحسبك ان اباحاتم قال ابو الوليد وعفان احب الى منه

نظر رکھتے ہیں اور زیادہ جانتے ہیں۔ جرح وتعدیل میں امام ہیں اور ابوداؤد کثیر الروایات ہیں اور اسے یہ تمیز و مقام حاصل نہیں اس وجہ سے وہ بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے اور تمہارے لئے یہی بات کافی ہے کہ ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ ابو الولید طیالسی اور عفان بن مسلم مجھے ابوداؤد سے زیادہ پسند ہیں۔

ولعمري لقد رفعه الى ان فاضل بينه وبين ارفع من طبقته، لان ابا الوليد وعفان متقدمان في الحفظ والاتقان وقد ترك الاخراج عنه

میری جان کی قسم یہ مسئلہ اس لئے اٹھا کہ عثمان دارمی نے ابوداؤد اور جو اس طبقہ میں زیادہ بلند تھا موازنہ کرایا اور اس لئے کہ ابو الولید اور عفان دونوں حفظ و اتقان میں ابوداؤد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور (غالبًا انہی وجوہ سے) امام بخاری نے ابوداؤد سے صحیح بخاری میں حدیث کی تخریج نہیں کی۔

وقول ابي حاتم هو احفظ من ابي احمد الزبيري يريد سعة الرواية واستظهار ه بما يرويه وابو احمد انقى حديثا منه وكذلك حرمي بن عمارة والله اعلم [1]

اور ابو حاتم رازی کا یہ قول کہ ابوداؤد، ابو احمد زبیری سے زیادہ بڑا حافظ ہے اس کی وسعت روایت کو بیان کرنا اور اس کے اس تعاون کو ظاہر کرتا ہے جو اس نے روایت میں روا رکھا ہے ابو احمد زبیری، ابوداؤد کی نسبت زیادہ ستھری حدیث بیان کرتا ہے اور یہی حال حرمی بن عمارہ کا ہے۔ واللہ اعلم۔

بظاہر محدث باجی کا پس منظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوداؤد سے امام بخاری نے راست صحیح بخاری میں کوئی روایت نہیں کی اس لئے انہوں نے پہلے سید الحفاظ یحییٰ بن معین کی رائے میں جو عموم تھا اسے خاص کیا اور اس کا ایک مصداق یہ بھی قرار دیا کہ اعلم سے احفظ مراد ہے پھر بعض ایسے رواۃ کو جو اوہام کا شکار ہیں یا ان پر تشیع کا الزام ہے امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان سے تخریج کی ہے، ابوداؤد طیالسی سے کیوں تخریج نہ کی، یہ امور ایسے ہیں جو ہر انصاف پسند کو کھٹکیں گے۔

---

[1] سلیمان بن خلف الباجی، التعدیل والتجریح لمن خرج له البخاری فی الجامع الصحیح، الریاض، دار اللواء للنشر والتوزیع ۱۴۰۶ھ ۳/۱۱۱۳

امام بخاری کی صحیح بخاری میں ابوداؤد طیالسی سے روایت نہ کرنے کی دو وجوہ ہیں۔

اولاً موصوف نے ابوداؤد طیالسی کے معاصرین سے روایت کی اب ان سے روایت کرنے کی احتیاج نہیں رہی

ثانیاً۔ ابوداؤد طیالسی ؒ کی حیات میں امام بخاری بہت چھوٹے تھے۔ ان کے سفر کا آغاز ہی ۲۰۵ھ کے بعد ہوا اور ابوداؤد ۲۰۴ھ میں قضا کر گئے اس لئے روایت کیسے کرتے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام بخاری و امام مسلم کا کسی ثقہ حافظ حدیث و محدث سے روایت نہ کرنا اس کے غیر ثقہ، ضعیف و مجروح ہونے کی دلیل نہیں اور تخریج کرنا اس کے غیر متکلم فیہ ہونے کا معیار نہیں۔ بہت سے ایسے ثقہ راوی ملیں گے جن سے بخاری و مسلم نے روایت نہیں کی لیکن ان کی ثقاہت مسلم ہے۔ چنانچہ حافظ اشعث بن عبدالملک الحمرانی کے متعلق حافظ ذہبی، میزان الاعتدال میں رقمطراز ہیں

قلت انما اوردته لذکر ابن عدی له فی کامله ثم انه ما ذکر فی حقه شیئا یدل علی تلیینه بوجه وما ذکره احد فی کتاب الضعفاء ابداً نعم ما اخرجا له فی الصحیحین فکان ماذا [1]

میں کہتا ہوں میں نے موصوف کا ذکر میزان الاعتدال میں محض اس لئے کیا ہے کہ ابن عدی نے اس کا ذکر کتاب الکامل میں کیا ہے پھر اس نے کوئی ایسی بات اس کے حق میں نہیں کہی جو کسی طرح سے ضعف و کمزوری پر دلالت کرتی ہو اور نہ کسی نے اس کا کتاب الضعفاء میں کبھی ذکر کیا

ہاں امام بخاری و مسلم نے اس سے صحیحین میں تخریج نہیں کی تو اس سے کیا ہوا۔

اور موصوف سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں

قلت ماعلمت احدا لیّنه بوجه، نعم مااخرجا له فی الصحیحین کما لم یخرجا لجماعة من الاثبات [2]

میں کہتا ہوں کہ میرے علم میں نہیں کہ کسی نے اشعث کی تضعیف کی ہو۔

ہاں بخاری و مسلم نے موصوف سے صحیحین میں تخریج نہیں کی جس طرح بخاری و مسلم نے ثقات و اثبات کی ایک جماعت سے تخریج نہیں کی۔

ابوداؤد طیالسی ؒ سے غلطی اور بھول چوک ہوئی ہے یہ بڑے بڑوں سے ہوئی ہے۔ حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں

فلیس من شرط الثقة ان لا یغلط ابداً فقد غلط شعبة ومالك وناهیك بهما ثقة

ثقہ کی شرط سے یہ نہیں ہے کہ اس سے کبھی غلطی نہ ہوئی ہو غلطی اور بھول چوک شعبہؒ و مالکؒ سے بھی ہوئی ہے اور

---

[1] الذہبی، میزان الاعتدال ۱/۲۶۷

[2] ″ ۵/۲۷۸

وینبلا [۱]

تمہارے لئے ان دونوں کی ثقاہت وفضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے۔

اور ایک موقعہ پر لکھتے ہیں۔

اذا ثبت امامة الرجل وفضله لم یضرہ ماقیل فیہ وانما الکلام فی العلماء یفتقر الی وزن بالعدل والورع [۲]

جب کسی شخص کی امامت وفضیلت ثابت ہو جاتے تو جو بھی اس کے متعلق کہا گیا وہ اسے نقصان نہیں پہنچاتا علماء میں کلام عدل وورع کی میزان میں رکھے جانے کا محتاج ہوتا ہے۔

ارباب کمال کا خراج تحسین اس دور کے ائمہ فن ونامور حفاظ حدیث نے ابوداؤد طیالسی کو نہایت شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا جو ان کی علوم حدیث میں مہارت فن گہری بصیرت، حفظ وصدق اور معاصرین میں ان کے منفرد مقام کا شاہد عدل ہے

اتقان علم اور زبردست حافظ کی وجہ سے حافظ وکیع بن الجراح المتوفی ۱۹۶/۱۹۸ھ نے کہا تھا۔

کان ابوداؤد جبل العلم [۳] ابوداؤد علم کا پہاڑ تھے۔

ائمہ فن نے ابوداؤد طیالسی کو ثقہ وکثیر الحفظ تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ حافظ احمد بن عبداللہ العجلی معرفۃ الثقات میں رقمطراز ہیں۔

ابوداؤد ثقة كثير الحفظ [۴] ابوداؤد ثقہ، کثیر الحفظ تھے۔

نعمان بن عبدالسلام المتوفی ۱۸۳ھ کہتے تھے، ثقة، مامون، وہ ثقہ اور مامون ہیں۔ [۵]

مورخ حافظ ابوعبداللہ محمد بن ابن سعد کاتب الواقدی المتوفی ۲۳۰ھ نے لکھا ہے۔

کان ثقة کثیر الحدیث وربما غلط۔ موصوف ثقہ، کثیر الحدیث تھے اور کبھی ان سے چوک ہو جاتی تھی

امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ نے اس باب میں ائمہ فن جرح وتعدیل کی ہمنوائی حسب ذیل الفاظ میں کی ہے۔

---

[۱] الذهبی ۳۴۶/۵

[۲] ایضاً ۸/۸۴

[۳] ایضاً ۳۸۲/۹، المزی ۵۳۵/۱

[۴] ابن رجب ۷۶۴/۲

[۵] الخطیب ۲۸/۹، الذهبی ۳۸۳/۹

[۶] ابن سعد ۲۹۸/۷

ثقة من اصدق الناس لھجة [۱] ابوداؤد ثقہ لوگوں میں سب سے زیادہ سچ بولنے والے تھے

حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ نے ابوداؤد طیالسی کی ثقاہت وصداقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

وما ھوعندی وعند غیری الا متیقظ و ثبت [۲] وہ میری اور میرے علاوہ دیگر ائمہ فن کی رائے میں غایت درجہ ثقہ و بیدار مغز ہیں۔

امام فن جرح وتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ کا قول ہے۔

ابوداؤد ھواصدق الناس [۳] ابوداؤد طیالسی محدثین ومعاصرین میں سب سے زیادہ سچے تھے

مؤرخ خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے موصوف کے متعلق لکھا ہے

کان حافظا مکثرا ثقة ثبتا [۴] وہ حافظ حدیث کثرت سے روایت کرنے والے، ثقہ وثبت تھے

امام فن رجال وحدیث حافظ علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ نے انہیں اپنے زمانے کا سب سے بڑا حافظ حدیث قرار دیا ان کے الفاظ ہیں۔

ما رأیت احفظ من ابوداؤد الطیالسی [۵] میں نے ابوداؤد طیالسی سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابوداؤد طیالسی کے شیوخ واساتذہ ان کے فضل وکمال کے معترف تھے

عبیداللہ بن عمران کا بیان ہے کہ مجھ سے سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) نے محدثین کے متعلق معلومات کیں پھر خود فرمایا، تمہارے یہاں ابوداؤد طیالسی موجود ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں، ہمیں ان کی طرف احتیاج رہتی ہے۔ ابن عیینہ نے فرمایا اھل الحرمین الیہ احوج، اہل حرمین ان کے علم کے زیادہ محتاج ہیں [۶]

ابوداود طیالسی اور فن جرح وتعدیل

ابوداود طیالسی نے حدیث امام مالک، شعبہ، سفیان ثوری، ابن الماجشون، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، عبداللہ بن عون عبداللہ بن المبارک اور ہیثم وغیرہ سے حاصل کی تھی۔ جو فن حدیث ورجال کے امام تھے۔ بعد کا طبقہ معاصرین کا طبقہ

---

[۱] الذھبی، ۳۸۴/۹

[۲] ابن عدی ۱۱۲۹/۳، الذھبی، ۳۸۴/۹

[۳] الخطیب ۲۸/۹، الذھبی، ۳۸۱/۹

[۴] ایضاً

[۵] الذھبی ۳۸۱/۹

[۶] ابوالشیخ ۱۸۴/۱

تھا ان میں دو امام فن یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی ان کے ہمنشین اور مؤخرالذکر ہمدرس و رفیق سفر وحضر تھے، تیسرے علی بن المدینی ان کے ساتھ رفاقت تھی، لہ اور وہ ان کے شاگرد بھی تھے، یہ سب اساطین علم تھے اس فن میں حرف آخر و سند تھے۔ ابوداؤد طیالسیؒ کو علم رجال میں درک حاصل تھا چنانچہ یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمان بن مہدیؒ کے بعد جس طبقہ کے اقوال کو سند سمجھا جاتا اور وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا ان ائمہ فن میں ابوداؤد طیالسیؒ کا شمار ہے، چنانچہ طاہر الجزائری، توجیہ النظر میں لکھتے ہیں

ثم ظهرت بعد هم طبقة اخرى يرجع اليهم فى ذلك منهم يزيد بن هارون، و ابوداود الطيالسى وعبد الرزاق و ابو عاصم النبيل ؎

پھر ان ائمہ فن کے بعد دوسرا طبقہ نمودار ہوا جن کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ان میں یزید بن ہارون، ابوداؤد طیالسی عبدالرزاق، اور ابوعاصم النبیل کا شمار ہے۔

راویانِ حدیث کے متعلق ابوداؤد طیالسی کی آراء

ابوداؤد طیالسی کی حدیث میں بصیرت، مہارت و امامت فن کا سب کو اعتراف ہے وہ اپنے استاد شعبہؒ کی طرح راویان حدیث پر تنقید و تبصرہ کرتے۔ کسی کی توثیق، کسی کی تضعیف، کسی کی تکذیب کرتے اور اس باب میں دوران درس رواۃ حدیث کے متعلق اپنی رائے پیش کرتے تھے۔ چنانچہ "مسند الطیالسی" اس قسم کی آراء کی آئینہ دار ہے۔ ائمہ فن نے ان کی آراء کو نہایت وقیع سمجھا۔ اور فن جرح و تعدیل کی کتابوں میں بطور سند ان کو پیش کیا جس سے یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ ابوداؤد طیالسی کو فن جرح و تعدیل میں بھی بلند مقام حاصل تھا مشتے نمونہ از خروارے چند اقوال ہدیۂ ناظرین ہیں۔

١۔ ابوحبیب (ق)

قال ابوداؤد مالقينا من اصحاب انس اوثق منه، روى عنه حماد بن زيد، وحماد بن سلمة وكان شعبة يأتيه ؎

ابوداؤد نے فرمایا ہم نے انس کے شاگردوں میں ابوحبیب سے زیادہ قابل وثوق نہیں دیکھا۔ اس سے حماد بن زید، حماد بن سلمہ نے روایت کی اور شعبہ ان کی خدمت میں آتے تھے

لہ۔ الذھبی، ۳۸۱/۹

؎ شیخ الاسلام حافظ یزید بن ہارون واسطی (۱۱۸-۲۰۶ھ) ابوحاتم رازی موصوف کے متعلق کہتے ہیں۔ ثقة امام لا يسئل عن مثله (تذکرۃ الحفاظ ۳۱۸/۱) ثقہ اور ایسے امام تھے کہ اس جیسے امام کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا۔ یحییٰ بن یحییٰ کا قول ہے كان بالعراق اربعة من الحفاظ شيخان يزيد بن زريع وهشيم وكهلان وكيع ويزيد (۳۱۹/۱) عراق میں چار حفاظ حدیث تھے، دو یزید بن زریع اور ہشیم بوڑھے تھے اور دو، وکیع اور یزید بن ہارون ادھیڑ عمر تھے،

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

۲ — داؤد الواسطی

ابوداؤد

قال ابوداؤد حدثنا داود الواسطی وکان ثقۃ [1]

ابوداؤد طیالسی کا بیان ہے کہ ابوداؤد واسطی نے ہم سے بیان کیا اور وہ ثقہ تھا۔

۳ — زائدہ بن قدامہ

قال ابوداؤد وکان لا یحدث قدریا ولا صاحب بدعۃ یعرفہ [2]

ابوداؤد کا بیان ہے کہ زائدہ بن قدامہ کسی قدری اور بدعتی کو جسے وہ جانتے تھے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔

۴ — زرارۃ بن اوفی العامری الحرشی ابوحاجب البصری القاضی

کے متعلق ابوداؤد طیالسی نے تصریح کی ہے۔

لم یسمع من ابن مسعود [3]

موصوف نے عبداللہ بن مسعودؓ سے احادیث کا سماع نہیں کیا

۵ — السری بن یحیی البصری

حدثنا السری بن یحیی بن ایاس الشیبانی وکان ثقۃ صدوقاً [4]

ابوداؤد کا بیان ہے کہ ہم سے سری بن یحیی بن ایاس شیبانی (ابوالہیثم البصری) نے بیان کیا اور وہ ثقہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

[3] حافظ کبیر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (۱۲۶ — ۲۱۱ھ) صاحب المصنف مشہور محدث و مصنف ہیں

[4] شیخ الاسلام ابوعاصم ضحاک ابن مخلد شیبانی بصری (۱۲۲-۲۱۲ھ) ثقہ، حافظ حدیث و فقیہ تھے، **الذہبی**، ۱/۳۶۶

[5] طاہر الجزائری ص۱۱۴

[6] سلیمان بن داؤد الطیالسی، مسند ابی داؤد الطیالسی، حیدرآباد دکن مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۲۱ھ ص۳۴ (۲۱۳۷)

حاشیہ صفحہ ھذا

[1] ایضاً ۵۸ (۴۳۸) ابن ابی حاتم ج ۱ ق ۲ ص۴۰۷ (۱۸۶۵)

[2] الطیالسی، ۱۲۹ (۹۶۲) المزی، ۱/۴۲۲

[3] المزی، ۱/۴۲۸، ابن حجر ۱/۴۲۸

[4] الطیالسی ص۹/۴۶۷ المزی ۳/۴۶۱

٦ - سلیمان بن المغیرہ القیسی

وکان خیاراً من الرجال [١]

سلیمان بن مغیرہ القیسی، اور وہ بہترین انسانوں میں سے تھا۔

٧ - صالح بن رستم المزنی مولاھما ابو عامر الخزار

کان ثقة [٢]

صالح بن رستم مزنی مولاہم ابو عامر خزار ثقہ تھا

٨ - عبدالرحمن بن بدیل

وکان ثقة صدوقا [٣]

عبدالرحمن بن بدیل ثقہ اور صدوق تھا

٩ - علی بن مسعدہ الباہلی، ابو حبیب البصری

قال ابو داؤد حدثنا علی بن مسعدة وکان ثقة [٤]

ابو داؤد نے کہا کہ ہم سے علی بن مسعدہ نے بیان کیا اور وہ ثقہ تھا۔

١٠ - محمد بن ذکوان

کان کخیر الرجال [٥]

محمد بن ذکوان اور وہ بھی بہترین لوگوں کی طرح تھا۔

١١ - المستمر بن الریان ابو عبداللہ البصری

کان صدوقا وثقة [٦]

مستمر بن الریان، ابو عبداللہ البصری صدوق وثقہ تھا۔

---

[١] الطیالسی ص٦١ (٤٥٦) المزی ١/٥٤٦

[٢] المزی ٢/٥٩٧، ابن حجر ٤/٣٩١، ابن ابی حاتم ج ٢ ق ١ ص٤٠٣ (١٧٦٤)

[٣] الطیالسی ص٢١٧ (١٥٤٧) ابن ابی حاتم ج ٢ ق ٢ ص٢١٦ (١٠٢١)

[٤] المزی ٢/٩٩١، نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، بیروت، دار الکتاب العربی، ١٩٦٧ء، ١/٥٢

[٥] ابن ابی حاتم، ج ٣ ق ٢ (١٣٧٨)

[٦] المزی ٣/١٣١٩، ابن ابی حاتم ج ٤ ق ١ ص٤٣٠ (١٩٥) ابن حجر ١/١٠٤-١٠٥

۱۳ - مسعود بن واصل (ت ق)

ضعفه ابو داؤد الطیالسی [1]

مسعود بن واصل کی ابو داؤد نے تضعیف کی ہے۔

۱۴ - المغیرۃ بن مسلم السراج القسملی ابو سلمۃ الخراسانی

، کان صدوقا مسلمًا [2]

مغیرہ بن مسلم السراج قسملی ابو سلمہ خراسانی، صدوق مسلم تھا

۱۵ - موسیٰ بن تلید

من آل ابی بکر [3]

موسیٰ بن تلید آل ابی بکر سے تھے

۱۶ - ہشام بن ابی عبداللہ الربعی الدستوائی

کان امیر المؤمنین فی الحدیث [4]

ہشام بن ابی عبداللہ ربعی دستوائی حدیث میں امیر المؤمنین تھے۔

۱۷ - واصل بن عبدالرحمٰن، ابو حرہ البصری

اخو سعید قال ابو داؤد وکان ابو حرۃ یختم بلیلتین [5]

واصل بن عبدالرحمٰن، ابو حرہ بصری برادر سعید کے متعلق ابو داؤد نے کہا وہ دو راتوں میں قرآن ختم کرتے تھے

۱۸ - وہیب بن خالد

وکان ثقۃ [6]

وہیب بن خالد ثقہ تھا۔

---

[1] الذہبی، میزان الاعتدال، ۳/۱۰۰ (۸۴۷۸)

[2] الطیالسی ص ۳۰۱ (۲۲۸۲) ابن ابی حاتم، ج ۴ ق ۱ ص ۲۲۹ (۱۰۳۱) المزی ۳/۱۳۶۳، ابن حجر ۱۰/۲۶۹

[3] الطیالسی ص ۲۱۲ (۱۴۲۷ و ۱۴۲۸)

[4] ابن ابی حاتم، ج ۴، ق ۲/۶۰ (۲۴۰) المزی ۳/۱۴۴۱ - الذہبی، میزان الاعتدال ۴/۳۰۰ (۹۲۲۹) ابن حجر ۱۱/۴۴

[5] ایضاً، ج ۴ ق ۲/۳۱ (۱۴۱) المزی، ۳/۱۴۵۸، الذہبی میزان الاعتدال، ۴/۳۲۹ ابن حجر ۱۱/۱۰۴ (۱۸۰)

[6] الطیالسی، ۳۷۰ و ۲۸۱ (۲۴۴) ابن ابی حاتم ج ۴ ق ۲/۳۵، المزی ۳/۱۴۸۳ -

عاصم بن سلیمان ابو شعیب التمیمی الکوزی البصری کے متعلق ابو داود طیالسی ؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ کذاب ہے

معرفت انساب والقاب

انساب والقاب اور کنیٰ وغیرہ کی معرفت میں موصوف کو کامل دستگاہ حاصل تھی چنانچہ موصوف نے مسند الطیالسی میں رواۃ کا جو سلسلۂ نسب بیان کیا ہے بعض راویوں کے سلسلۂ نسب کا علم مسند میں بیان کردہ نسب سے ہوا۔ اول جملہ موسیٰ بن مطیر کے نسب کا علم مسند کی روایت سے ہوا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے لسان المیزان میں تصریح کی ہے۔

وقد استفدنا من هذه الرواية نسبه [۱] ہمیں اس کے سلسلۂ نسب کا علم ابو داؤد طیالسی کی مسند میں بیان کردہ نسب سے ہوا ہے۔

حافظ ابن ماکولا نے اکمال الاکمال میں ابوبکر بن عیاش کی نسبت الحناط کی بحث میں ابو داؤد طیالسی کا قول بطور سند نقل کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

ابوبکر بن عیاش الحناط۔ كذا يقول فيه ابو داؤد الطیالسی [۳] ابوبکر بن عیاش الحناط۔ اس کی نسبت میں ابو داؤد طیالسی نے ایسا ہی کہا ہے

سال وفات

مؤرخ ابو عبداللہ محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ نے الطبقات الکبیر میں سال وفات ۲۰۳ھ ۸۱۸ء اور عمر ۷۲ سال قرار دی ہے، ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے کتاب المعارف میں یہی قول نقل کیا۔ دونوں مؤرخوں نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ عمر کا بہترواں سال پورا نہیں کیا تھا [۴]

ابو داؤد طیالسی کے تلمیذ ابو موسیٰ محمد بن المثنیٰ کا مختار بھی یہی ہے لیکن محمد بن عبداللہ حضرمی، حافظ ابو حفص عمرو بن علی الصیرفی الفلاس المتوفی ۲۴۹ھ نے کہا ہے کہ موصوف نے ۷۲ سال کی عمر میں ۲۰۴ھ میں انتقال کیا۔ یہی مؤرخ خلیفہ خیاط کا مختار ہے اس نے کہا کہ ربیع الاول ۲۰۴ھ میں قضا کی [۵] مورخ اسلام علامہ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے ابو داؤد طیالسی ؒ کا ذکر ۲۰۴ھ/۸۱۹ء کی وفیات کے ذیل میں کیا ہے۔ اور تذکرۃ الحفاظ میں تصریح کی ہے کہ موصوف نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی [۶] یہی حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کا مختار ہے۔

---

[۱] ابن حجر، لسان المیزان، حیدرآباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۲۹ھ، ۶/۱۳۱

[۲] ایضاً ۶/۱۳۱

[۳] علی بن ہبۃ اللہ ابن ماکولا۔ اکمال الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنیٰ والالقاب، حیدرآباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ ۱۳۸۲ھ، ج ۳/ ۲۷۶

[۴] ابن سعد ۷/ ۲۹۸، عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، المعارف، کراچی، نور محمد اصح المطابع، ۱۳۹۶ھ ص ۲۲۷، الخطیب ۹/ ۲۹، المزی ۱/ ۵۳۵، الذہبی ۹/ ۳۸۴، ابن حجر ۴/ ۱۸۵،

[۵] خلیفہ بن الخیاط، تاریخ خلیفہ، تحقیق اکرم ضیاء العمری، النجف، مطبعۃ الآداب ۱۹۶۷ء، ۲/۴۷۲، الخطیب ۹/ ۲۹،

٢٠٤ھ میں متعدد ائمہ مجتہدین وحفاظ حدیث نے وفات پائی۔ ان میں موصوف بھی تھے، چنانچہ علامہ ذہبی "دول الاسلام" میں رقمطراز ہیں۔

رجب ٢٠٤ھ میں فقیہ وقت امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی مطلبی نے جو نامور علماء میں سے تھے ٥٤ سال کی عمر میں وفات پائی۔ فقیہ اسحاق بن الفرات تجیبی نے قضا کی، جن کے متعلق امام شافعی فرماتے تھے، میں نے اختلاف علماء کا موصوف سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔ شعبان میں مصر کے عالم امام مالک کے نامور تلمیذ اشہب بن عبدالعزیز عامری نے آخرت کا سفر اختیار کیا، قاضی کوفہ شاگرد امام ابو حنیفہ فقیہ ابو علی حسن بن زیاد لؤلؤی نے انتقال کیا۔ حافظ وقت ابو داؤد سلیمان بن داؤد طیالسی بصری اور محدث کوفہ ابو بدر شجاع بن ولید سکونی کا وصال ہوا[1]

مؤرخ ذہبی نے فقیہ وقت کا جو لفظ امام شافعی کے لئے استعمال کیا وہی لفظ "حافظ وقت" ابو داؤد طیالسی کے لئے استعمال کیا ہے اس سے فن حدیث میں ان کے مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ھھنا نقط (ض)

نماز جنازہ

جنازہ کی نماز حسن بن سہل کے بھتیجے حاکم بصرہ یحییٰ بن عبداللہ نے پڑھائی تھی[2]

وفات پر ارباب کمال کا گریہ

دوسری صدی ہجری کے نصف اخیر میں جن ارباب کمال کی وجہ سے بصرہ اہل علم کا قبلہ بنا ہوا تھا ان میں ابو داؤد طیالسی کا نام سرفہرست آتا ہے ایسی عظیم علمی شخصیت سے بصرہ کے محروم ہونے سے اہل بصرہ کو عموماً اور علماء و محدثین کو خصوصاً بہت صدمہ ہوا۔ ان کی خبر وفات سے ارباب صحاح ستہ کے شیخ حافظ کبیر امام ابو بکر بندار محمد بن بشار بصری المتوفی ٢٥٢ھ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ چنانچہ ابراہیم اصفہانی بندار کا بیان نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے تھے۔

"میں محدثین میں کسی کی وفات پر اتنا نہیں رویا جتنا ابو داؤد طیالسیؒ کی وفات پر رویا"، میں نے ان سے پوچھا کیوں؟

فرمایا ان کے حافظہ، خوبصورت مذاکرۂ حدیث اور ان کی فنی بصیرت کی وجہ سے (جن سے بصرہ و اہل بصرہ کو شہرت حاصل تھی)[3]

خاندان

ابو داؤد طیالسی کے خاندان میں علم و فضل کا چرچا انہی کی ذات سے شروع ہوا اور غالباً انہی پر ختم ہو گیا اس لئے کہ اس خاندان کے کسی اور فرد کا تذکرہ مؤرخین کے یہاں ہمیں نہیں ملتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) المزی ١/٥٣٥، ابن حجر ٤/١٨٥

[3] الذہبی تذکرۃ الحفاظ ١/٣٥٢، (دلہ) میزان الاعتدال ٢/٢٠٤، ابن حجر، تقریب التہذیب تحقیق محمد عوامہ، حلب، دار الرشید ١٤٠٦ھ صفحہ ٢٥ (٢٥٥٠) المزی ١/٥٣٥۔

حاشیہ صفحہ ہذا) [1] الذہبی کتاب دول الاسلام، حیدرآباد الدکن۔ مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ١٣٣٧ھ ١/٩٨ [2] ابن سعد ٧/

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

مسند

سند یسند کے معنی اعتماد کرنا ہیں اور اسند الحدیث الی قائلہ کے معنی ناقل کے نام کے ساتھ حدیث کی نسبت قائل کی طرف کرنا ہیں [۱] اس سے مسند کا لفظ بنا ہے۔

مسند کے اصطلاحی معنی مندرجہ ذیل ہیں۔

المسند، الکتاب الذی جمع فیہ ما اسندہ الصحابۃ ای رووہ [۲] — مسند وہ کتاب ہے جس میں ان روایات کو جمع کیا جائے جنہیں صحابہ رض نے روایت کیا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی رح المتوفی ۹۱۱ھ اتمام الدرایہ لقراء النقایہ (بہامش مفتاح العلوم للسکاکی، ۱۳۱۷ھ ص ۷۶) میں مسند کی تعریف و ترتیب کے متعلق لکھتے ہیں۔

المسانید بان یجمع مسند کل صحابی علی حدۃ مرتبا علی السوابق او علی حروف المعجمۃ او العلل بان یذکر المتن وطرقہ ویبین اختلاف نقلتہ

مسانید وہ ہیں جن میں ہر صحابی کی مسند علیحدہ ترتیب دی جائے، بہ ترتیب سوابق یا بہ ترتیب حروف ہجا یا علل بایں طور کہ متن کو ذکر کیا جائے یا طرق متن کو بیان کیا جائے، یا ناقلین کے اختلاف کو ذکر کیا جائے۔

اقسام ترتیب مسند

محدثین کی اصطلاح میں مسند وہ کتاب ہے جس میں حدیثیں صحابہ کے ناموں پر مرتب ہوں۔ اس ترتیب کے حسب ذیل اقسام ہیں۔

۱۔ اسماء صحابہ میں حروف تہجی کا اعتبار کیا جائے تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر رض سے مروی احادیث کو نقل کیا جائے [۳] پھر حضرت اسامہ رض کی اور اس کے بعد حضرت انس رض کی احادیث نقل کی جائیں۔

۲۔ اسلام لانے میں سبقت کے اعتبار سے احادیث کو ترتیب دیا جائے تو عشرہ مبشرہ کی احادیث کو تمام صحابہ کی احادیث سے پہلے نقل کیا جائے گا۔ اور خلفاء راشدین کی حدیثیں خلافت کی ترتیب پر سب سے پہلے لکھی جائیں گی پھر بدری صحابہ کی پھر اہل حدیبیہ کی پھر فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے صحابہ کی حدیثیں لکھی جائیں گی۔

۳۔ شرافت نسب کا لحاظ بھی ترتیب میں ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ [۳] الخطیب، ۹/۲۷، المزی، ۱/۳۵ ۵، الذہبی، ۹/۳۸۳، ابن حجر، ۴/۱۸۳ — حاشیہ صفحہ ھذا

[۱] احمد بن محمد الفیومی، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی، مصر، مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۶۹ھ ج ۱ ص ۳۱۱ (مادہ سند)

[۲] محمد جمال الدین القاسمی، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث تحقیق محمد بہجۃ البیطار، القاہرہ، عیسی البابی الحلبی، ۱۳۸۰ھ ط ۲، ص ۲۰۲

[۳] یہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح سے عجالہ نافعہ (مطبع نیر اعظم لاہور ص ۱۹) میں تسامح ہوا ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر رض کی احادیث کا اندراج ان کے نام عبداللہ کے تحت کیا جائے گا البتہ کنیت کے اندراج میں انہیں مقدم رکھا جائے گا

۴۔ صحابیات کی ترتیب ملحوظ رکھی جائے تو ان میں ازواج مطہرات کی حدیثیں پہلے لکھی جائیں گی۔

۵۔ قبائل والنساب کی ترتیب پر مسند کو مرتب کریں تو پہلے بنی ہاشم کی مسانید میں امیر المومنین حضرت علیؓ کی پھر حضرات حسنینؓ کی حدیثوں کو مقدم رکھا جائے گا۔ اس کے بعد ہر اس قبیلے کی حدیثوں کو پہلے ذکر کریں گے جس کو نسب کے اعتبار سے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرب ہوگا۔ لہذا حضرت عثمانؓ کی روایات حضرت ابوبکرؓ کی روایات سے پہلے نقل کی جائیں گی اور حضرت ابوبکرؓ کی حضرت عمرؓ کی احادیث سے پہلے ذکر کی جائیں گی ۔[1]

معجم مسند کی طرح محدثین کی اصطلاح میں معجم بھی حدیث کی کتاب ہے اس کی جمع معاجم آتی ہے۔ معجم میں محدث حدیثیں اپنے شیوخ کے ناموں کے تحت نقل کرتا ہے اس میں کبھی شیوخ کی موفات کے تقدم کا اعتبار کیا جاتا ہے اس کی ترتیب کئی طرح سے کی جاتی ہے۔

۱۔ کبھی اسماءِ شیوخ میں حروف تہجی کا لحاظ رکھا جاتا ہے

۲۔ کبھی فضیلت اور علم وتقوی میں تقدم کا اعتبار کیا جاتا ہے ۔[2]

۳۔ کبھی مسند ایک ہی صحابی کی جملہ مرویات کی جامع ہوتی ہے اور کبھی متعدد صحابہ کی مرویات کو اس میں اسماء صحابہ کے اعتبار سے جمع کیا جاتا ہے۔

تدوین حدیث کے دو طریقے ابتداء میں جب تدوینِ احادیث کا آغاز ہوا تو حفاظ حدیث نے جمع وتدوین احادیث میں دو طریقے اختیار کئے۔

پہلا یہ کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے صحابیوں کی جملہ روایات کو ہر روایت کرنے والے صحابی کے نام کو موضوع قرار دے کر اس کی تمام روایات کو جو محدث کے علم میں تھیں یکجا کتاب میں جمع کر دیا اسے مسند کہا جاتا ہے اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہر صحابی کی جتنی روایات اسے مل سکیں انہیں اس نے اپنی کتاب میں جمع کر دیا۔

دوسرا طریقہ محدثین نے یہ اختیار کیا کہ اپنے شیوخ کی سند سے جتنی حدیثیں انہیں پہنچیں اپنے شیوخ میں سے ہر شیخ کے نام کو موضوع اور عنوان بنا کر اس کی سند سے مروی روایات کو کتاب میں جمع کر دیا اسے ان کی اصطلاح میں معجم اور مشیخہ کہا جاتا ہے۔

حدیثی دائرۃ المعارف مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسلام میں دائرۃ المعارف نویسی کا آغاز جمع وتدوین حدیث سے ہوا اس طرح مسانید ومعاجم کو حدیثی دائرۃ المعارف کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

مسانید ومعاجم کی افادیت اس ترتیب سے محدثین کو یہ سہولت وآسانی رہی کہ جس صحابی کی کسی روایت کو دیکھنا ہوا سے صحابی کے نام میں یا شیخ کے نام میں دیکھ لیا یا کسی صحابی

---

[1] عجالہ نافعہ ص ۱۹-۲۰، الخطیب البغدادی الجامع، ص ۹۲
[2] ایضاً

یا شیخ کی جملہ روایات کی جستجو ہوئی وہ انہیں صحابی یا شیخ کے نام میں مل جاتی تھیں اور انہیں بیک نظر اپنا مقصد حاصل ہو جاتا اس طرح احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ مسانید و معاجم کی صورت میں مدون و محفوظ ہو گیا۔

محدثین نے نہایت کثرت سے مسانید و معاجم مرتب کی ہیں جن میں سے مشہور تر کتابوں کا تعارف محمد بن جعفر کتانی المتوفی ۱۳۴۵ھ نے الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ میں کرایا ہے،

مسانید میں مسند احمد بن حنبل ؒ کو بہت شہرت حاصل ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ اور جلال الدین سیوطی ؒ نے اس کے متعلق بجا لکھا ہے کہ

تلقتہ الامۃ بالقبول [1] امت میں اس کی احادیث کو قبولیت حاصل ہے

معاجم میں حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (۲۶۰ - ۳۶۰ھ) کی معاجم کو شہرت حاصل ہے۔

۱۔ المعجم الکبیر، جو صحابہ کے اسماء پر مرتب ہے زیور طبع سے آراستہ کی جا رہی ہے لیکن ابھی تک پوری طبع نہیں کی گئی

۲۔ المعجم الاوسط۔ یہ معجم طبرانی نے اپنے شیوخ کے ناموں پر ترتیب دی ہے، ہر شیخ سے ان کی روایات کو جن کی تعداد بعض اوقات پچاس سے بڑھ جاتی جمع کیا ہے۔ اس سے غرض اپنے شیخ کی کم و زیادہ مرویات اور ان کے تفرد کی نشاندہی کرنا ہے۔ اس لئے المعجم الاوسط کو حافظ دارقطنی کی کتاب الافراد کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

المعجم الاوسط۔ بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) احادیث پر مشتمل ہے اس کی تین جلدیں ڈاکٹر محمود الطحان کی تحقیق سے ۱۴۰۵ھ ۱۴۰۷ھ کے مابین مکتبۃ المعارف ریاض سے شائع کی گئی ہیں۔ ہر جلد تقریباً ایک ہزار احادیث کی جامع ہے

المعجم الصغیر۔ شیوخ کے ناموں پر مرتب ہے اور اس میں اپنے شیوخ کے فوائد کو جمع کیا ہے پہلے ۱۳۱۱ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع کی گئی تھی پھر ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں کمال یوسف الحوت کی تحقیق سے بیروت سے طبع کی گئی۔

مسانید و معاجم ایک محدث مزاج عالم کے لئے بہت سودمند تھیں اور ہیں۔ لیکن فقیہ کو ان کا مطالعہ چنداں مفید نہیں۔ اس لئے کہ اس ترتیب کا بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں ہر درجہ و ہر موضوع کی روایت، احادیث کے موضوعات سے قطع نظر صحابی یا شیخ کے نام کے تحت درج کی جاتی ہیں۔ فقیہ کو خاص موضوع پر ایک ایک صحابی یا مختلف صحابہ سے مروی احادیث کو دیکھنے کے لئے پوری کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہوتا ہے، اس لئے محدثین و حفاظ نے فقہا، کی ضرورت کے پیش نظر ابواب فقہ کی ترتیب پر احادیث کو جمع کیا انہیں اصطلاح محدثین میں مصنف و سنن کہا جاتا ہے۔

---

[1] السیوطی ۱/۱۷۲، ابن حجر، القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۸۹ھ ص ۲

احادیث کی سب سے پہلے ترتیب فقہی ابواب کے تحت عمل میں آئی اس کی نہایت روشن مثال حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کتاب الآثار اور امام مالکؒ کی المؤطا ہے۔ یہ ترتیب سب سے زیادہ بہتر و مفید ترتیب ہے تمام مصنفات و سنن کی یہی ترتیب ہے۔

حافظ ابو بکر خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع (۲/۲۸۴) میں مسند اور مصنف و سنن کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

علماء میں سے بعض وہ ہیں جو سنن کی تبویب و ترتیب کرتے اور ان کی تخریج احکام فقہ کے طریقہ پر کرتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو احادیث کی ترتیب و تخریج مسند پر کرتے اور صحابہ میں سے ہر صحابی کی مرویات اس صحابی کے نام کے تحت درج کرتے ہیں۔ جو پہلا طریقہ اختیار کرے اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ سنن کی ہر نوع کی احادیث کو منفرداً جمع کرے اس طرح کہ کتاب الجہاد کی حدیثیں کتاب الصیام کی حدیثوں سے ممتاز رہیں۔ اسی طرح حج، صلوٰۃ، طہارت، زکوٰۃ، اور تمام عبادات و معاملات میں ہر نوع کی کتاب کا عنوان منفرد و یکتا ہے اس باب کے تحت مزید ابواب دو چند و سہ چند آجائیں ہر باب میں پہلے مسند حدیثیں ذکر کی جائیں پھر مراسیل و موقوفات نقل کی جائیں مشہور متقدمین فقہاء کے مذاہب کو بیان کیا جائے اور صرف انہی مسند روایتوں کو بیان کیا جائے جن کی سند کے راویوں کی عدالت ثابت ہو اور جن کے اقوال درست ہوں پھر اگر کسی باب میں صحیح مسند حدیث نہ مل سکے تو موقوف و مرسل حدیث کے ذکر پر اکتفاء کیا جائے ہر دو نوع کی روایات قدماء کی کتابوں میں زیادہ تر مذکور ہیں اس لئے کہ بہت سی مسند حدیثیں انہیں عمدہ سند سے نہیں مل سکی تھیں، اس نوع کی ترتیب و تبویب کو اصطلاح میں مصنف و سنن کہا جاتا ہے اور کتب احادیث میں یہ ترتیب سب سے بہتر سمجھی جاتی ہے۔

اس لئے کہ اس میں اصح ما فی الباب (جو اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث ہوتی ہے اسے زینت کتاب بنایا جاتا ہے تاکہ احتجاج درست رہے[1] جیسا کہ صحاح ستہ وغیرہ میں کیا گیا اور اس میں ہر باب میں وہ حدیثیں نقل کی جاتی ہیں جو کسی حکم کے ثابت کرنے یا نفی کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں بہتر یہ ہے کہ صحیح یا حسن حدیث کے بیان کرنے پر اکتفاء کیا جائے اور اگر موضوع و عنوان سے متعلق تمام روایتیں نقل کی جائیں تو ضعف کی علت کو بتا دیا جاتے۔ جمع و ترتیب احادیث میں یہ سب سے بہتر طریقہ ہے[1]

سنن و مسانید کو امت مسلمہ میں قبولیت حاصل رہی ہے، محدثین انہیں پڑھانے اور طالبان حدیث ان کی سماعت و قراءت کرتے اس طرح ہر دور میں ان سے علماء و محققین کا اعتناء رہا، فقہی ابواب پر انہیں ترتیب دیا گیا۔ کتب اثبات و اسانید میں ان کا سلسلہ سند مصنف تک بیان کیا گیا۔ چنانچہ حافظ ابن نقطہ کتاب التقیید میں لکھتے ہیں:۔

ومن المعلوم انه لا سبیل لاحد من الناس الی یہ بات ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ کتب سنن کے تمام راویوں کے

---

[1] السیوطی ۲/۱۵۴

استیعاب رواة کتب السنن بأسرهم الا ان نذکر ان شاء الله منهم الاشهر والاعم والاکثر وقل ان ینفصل لاحد فیما نعلم روایة کتاب من هذه الکتب التی اشرنا الیها الا من روایة الرجال الذین ذکرناهم او بعضهم الا القلیل الشاذ الذی یعز وجوده ماخلا روایات اهل الغرب فان اهل المشرق لا یشتغلون بها لنزولها عندهم ولان اهل الغرب یرحلون من بلادهم فیسمعون السنن والمسانید من هذه الطرق رغبة منهم فی عالی الاسناد فلهذا السبب لا یوجد فی بلادنا طرق اسانیدهم نسئل الله ان یوفقنا للصواب انه سمیع الدعاء [1]

جاننے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ ہم ان میں سے نہایت مشہور ومعروف راویوں اور نہایت کثرت سے روایت کرنے والے راویوں کا ذکر کریں۔ ہمارے علم کے مطابق کسی عالم کے لئے ان کتابوں میں سے کسی کتاب کی روایت کا سلسلہ متصل نہیں مگر انہی علماء ومحدثین کی روایت سے یا ان میں سے بعض سے جن کا ہم نے ذکر کیا، اس کے خلاف کہیں ہو وہ شاذ ہے جس کا وقوع مشکل ہے سوائے اہل مغرب کی روایات کے اس لئے کہ اہل مشرق ان کی کتابوں کی روایت میں اس لئے مشغول نہیں ہوئے کہ ان کے واسطہ سے ان کی سند عالی نہیں رہتیں اور اس لئے کہ دیار مغرب (افریقہ اور یورپ) اندلس وقرطبہ کے محدثین اپنے دیار سے ان سنن ومسانید کا سماع حاصل کرنے کے لئے شوق ورغبت سے دیار مشرق کا سفر کرتے تا کہ انہیں عالی سندیں حاصل ہوں اس وجہ سے ہمارے ممالک میں ان کی اسانید کے طرق نہیں پائے جاتے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے راہ صواب کی توفیق کے خواستگار ہیں۔ بیشک وہ دعا کا سننے والا ہے۔

حافظ ابن نقطہ المتوفی ۶۲۹ھ کتب سنن کا تذکرہ کرنے کے بعد مسانید کے متعلق رقمطراز ہیں۔

واما المسانید فمسند احمد بن حنبل، ومسند الشافعی ومسند ابی حنیفة، جمعه غیر واحد من الحفاظ، ومسند اسحاق بن راهویه، ومسند مسدد ومسند عبد الله بن الزبیر الحمیدی ومسند عبد الله بن وهب ومسند عبد الله بن عبد الرحمان الدارمی ومسند محمد بن هارون الرویانی ومسند ابو یعلی الموصلی ومسند محمد بن یحیی بن ابی عمر العدنی ومسند احمد بن منیع ومسند ابی داؤد الطیالسی ومسند الحارث بن ابی اسامة التمیمی ومسند الهیثم بن کلیب الشاشی وغیر هذا مما یأتی ذکره فی اثناء الکتاب [2]

اور لیکن مسانید تو مسند احمد بن حنبل، مسند شافعی، اور مسند ابی حنیفہ جسے بہت سے حفاظ حدیث نے جمع کیا ہے، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند مسدد، مسند عبد اللہ بن زبیر حمیدی مسند عبد اللہ بن وہب، مسند عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی، مسند محمد بن ہارون رویانی، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مسند محمد بن یحییٰ بن ابی عمر عدنی، مسند احمد بن منیع، مسند ابی داؤد طیالسی، مسند حارث بن ابی اسامہ تمیمی اور مسند ہیثم بن کلیب شاشی، اور ان کے علاوہ اور مسانید ہیں جن کا ذکر اثناء کتاب میں آئے گا۔

---

[1] ابن نقطہ ص ۲۶

[2] ایضاً

حافظ ابن نقطہ کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ مسند ابی حنیفہؒ کو بہت سے حفاظ حدیث نے جمع کیا ہے یہ ایسا امتیاز ہے جو حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کی امامت و جلالت شان کا مظہر ہے نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ حدیث کو امام موصوف کی احادیث سے خصوصی اعتناء رہا ہے۔

شیخ تقی الدین ابوعمرو ابن صلاح شافعی المتوفی ۶۴۳ھ نے کتب مسانید اور کتب مصنفات سے احتجاج و استدلال میں فرق ملحوظ رکھا ہے وہ اپنی مشہور تصنیف "مقدمہ ابن الصلاح"، میں رقمطراز ہیں۔

کتب المسانید غیر ملتحقة بالکتب الخمسة التی هی الصحیحان و سنن ابی داؤد و سنن النسائی وجامع الترمذی وما جری مجراها الاحتجاج بها والرکون الی ما یورد فیها مطلقا کمسند ابی داؤد الطیالسی و مسند عبید اللہ بن موسیٰ و مسند احمد بن حنبل و مسند اسحاق بن راهویه و مسند عبد بن حمید و مسند الدارمی و مسند ابی یعلی الموصلی و مسند الحسن بن سفیان و مسند البزار ابی بکر واشباهها فهذه عادتهم فیها ان یخرجوا فی مسند کل صحابی ما رووه من حدیثه غیر متقیدین بان یکون حدیثا محتجا به فلهذا تاخرت مرتبتها وان جلت لجلالة مؤلفیها عن مرتبة الکتب الخمسة وما التحق بها من الکتب المصنفة علی الابواب واللہ اعلم [1]

کتب مسانید، کتب خمسہ (۱و۲) صحیحان، (۳) سنن ابی داؤد (۴) سنن نسائی (۵) جامع ترمذی کے ہم پایہ نہیں، اور ان کتابوں کے جو احتجاج میں ان کے قائم مقام ہیں اور جن کی بیان کردہ روایات کی طرف بھی علماء کا ویسا ہی میلان ہے جیساکہ ان کی روایات کی طرف ہے، کتب مسانید جیسے مسند ابی داؤد طیالسیؒ، مسند عبید اللہ بن موسیٰؒ، مسند احمد بن حنبلؒ، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند عبد بن حمید، مسند دارمی، مسند ابی یعلی موصلی، مسند حسن بن سفیان، مسند بزار ابوبکر اور انہی جیسی مسند ہیں۔

اہل مسانید کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر صحابی کی مسند میں اس کی جتنی حدیثیں ملتی ہیں ان کی تخریج کرتے ہیں اس امر کا لحاظ کئے بغیر کہ وہ روایت قابل احتجاج ہو یا نہ ہو۔ اس وجہ سے ان مسانید کا مرتبہ اگرچہ ان کے مصنفین کی جلالت قدر کی بناء پر بلند ہے، کتب خمسہ اور ان کتابوں سے جو کتب خمسہ کی طرح ابواب فقہ پر مرتب ہیں فروتر ہو گیا، واللہ اعلم۔

شیخ ابن الصلاح کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ احادیث و آثار کے وسیع تر ذخائر میں ایسی کتابیں موجود ہیں جو ان کتب خمسہ کے ہم پایہ اور ان کے قائم مقام ہیں اور ان کی احادیث سے احتجاج و استخراج اور استدلال کا وہی حکم ہے جو کتب خمسہ کی احادیث سے احتجاج کا حکم ہے،

امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار، امام اعظم ابوحنیفہ کی کتاب الآثار، اور امام مالکؒ کی موطا وغیرہ ابواب پر مرتب ہیں وہ اسی زمرے میں داخل ہوجاتی ہیں۔ کتب خمسہ سے مسانید کا مرتبہ محض اس لئے کمتر قرار دینا کہ ان میں اس امر کا التزام نہیں کیا گیا کہ صرف

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح، حلب، المطبعة العلمیة ۱۹۳۱ء ص ۴۱ و ۴۲

انہی احادیث کو کتاب میں پیش کیا جائے جو قابل احتجاج و قابل عمل ہوں، قرین قیاس نہیں اس لئے کہ کتب خمسہ میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جو معمول بہا اور مقبول ہیں رواۃ کے اعتبار سے بھی بڑھی ہوئی ہیں لیکن بعض ایسی حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں جو کسی امام کی حجت و دلیل نہیں۔ جیسے جامع ترمذی ہے۔

اس امر کا مقتضاء یہ ہے کہ اس کا مرتبہ وہی ہونا چاہئے جو مسانید کا ہے حالانکہ شیخ ابن الصلاح خود اس امر کے قائل نہیں

پھر یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ ابواب فقہ پر مرتب کتابوں میں ہر کتاب کا مقام و مرتبہ مساوی و یکساں نہیں ان میں بھی فرق مراتب ہے اسی طرح مسانید میں بھی ہر مسند ایک درجہ کی نہیں ان میں فرق مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے چنانچہ مسند احمد بن حنبلؒ کا مرتبہ وہی ہے جو سنن ابی داؤد کا مرتبہ و مقام ہے اس میں صحیح و حسن دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں مسند اسحاق بن راہویہ کا مرتبہ بھی کم نہیں ہے۔

نیز مسانید میں ایسی مسانید بھی موجود ہیں جو ابواب فقہ پر مرتب ہیں اور ان میں وہی احادیث جمع کی گئی ہیں جو کسی امام مقتدا کی حجت و دلیل ہیں جیسے مسند امام ابو حنیفہؒ اور مسند امام شافعی وغیرہ ہیں [۱] ان وجوہ سے تمام مسانید کے متعلق شیخ ابن الصلاح کا مذکورہ بالا دعویٰ درست نہیں ہے اور نہ تمام ابواب فقہ پر مرتب کتابوں کے متعلق یہ دعویٰ صحیح ہے۔ جن ارباب مسانید نے اس امر کا اہتمام کیا ہے ان کا مرتبہ بلند ہوگا اور جن کے یہاں یہ التزام نہیں ہے ان کا مرتبہ فروتر ہوگا یہی حکم ابواب فقہ پر مرتب کتابوں کا ہونا چاہئے۔

---

[۱] ان وجوہ سے مسند امام اعظم ابو حنیفہؒ مسند امام شافعیؒ اور مسند امام احمد وغیرہ اعلیٰ مسانید میں شمار کرنے کے لائق ہیں۔ چنانچہ حافظ ابو المحاسن محمد بن علی حسینی دمشقی شافعی نے التذکرہ فی رجال المسانید العشرہ میں جس کا مخطوطہ مکتبہ کپریلی آستانہ میں محفوظ ہے تصریح کی ہے کہ میں نے ائمہ اربعہ (ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد) جن کی اقتداء کی جاتی ہے کے راویان مسانید کو جمع کیا اس لئے کہ ان کے مذہب و مسلک کے اکثر و بیشتر دلائل ان حدیثوں پر مبنی ہیں جو ان کی مسانید میں ان کی سندوں سے مذکور ہیں۔ پھر مؤطا امام مالک کا ذکر کیا پھر کہا اور اسی طرح مسند شافعی کا حال ہے اس لئے کہ وہ بھی انہی کے دلائل بیان کرنے کے لئے ترتیب دی گئی ہے جو ان کی مرویات کی رو سے ان کے نزدیک صحیح ہیں پھر مسند ابی حنیفہؒ اور مسند امام احمد رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا۔

حسینی کا کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان ائمہ کے پاس جو دلائل ان مسانید میں پیش کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دوسرے دلائل بھی موجود ہیں جو اس کے قول "فی الغالب" کی قید سے عیاں ہے اگرچہ ابن حجر جانتے بوجھتے اس قید سے انجان بن گئے اور تعجیل المنفعۃ میں حافظ حسینی کی بات کی تردید کرنے لگے [۲] یہ ایک ایسی بات ہے جس سے اس کی تردید نہیں ہوتی۔

[۲] یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ حسینی ان لوگوں میں سے نہیں جو مسند شافعی کے جامع سے واقف نہ ہو اور مسند ابی حنیفہ کو مرتب کرنے والے کو جانتا نہ ہو یا ائمہ اربعہ کی ان کتابوں کے علاوہ احادیث ہی نہ ہوں یہ وہ باتیں ہیں کہ طلبہ کے مابین بھی بہت کم ایسے طالب علم ہوں گے جو اس حقیقت سے واقف نہ ہوں۔ چہ جائیکہ حسینی جیسا حافظ حدیث و باخبر عالم، لیکن ابن حجر کو اپنے پیشروؤں پر اعتراض کرنے میں مزہ آتا ہے چاہے کسی طرح کا اعتراض ہو

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

سنن و مصنفات سے مسانید کا مرتبہ فروتر قرار دینا

مسانید کا رتبہ سنن سے کمتر قرار دینا حقائق سے صرف نظر کرنا ہے، چنانچہ محقق علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی ۱۱۸۲ھ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار میں لکھتے ہیں۔

مسند میں ایک صحابی سے جتنی روایات و احادیث منقول ہوتی ہیں وہ یکجا کر دی جاتی ہیں جس میں صحیح حسن ضعیف سب ہی آجاتی ہیں لیکن حدیث کی جو کتابیں ابواب فقہ پر مرتب کی جاتی ہیں ان میں مؤلف کتاب عنوان باب کے ذیل میں اپنے دعوی کو ثابت کرنے کے لئے مقبول حدیثیں ذکر کرتا ہے اس لئے مسانید کا مرتبہ صحت میں سنن سے کمتر قرار دیا گیا ہے لیکن مطلقاً ایسا دعوی کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ یہ حقیقت بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں کہ مسانید میں حسن احادیث ہیں بلکہ صحیح بھی ہیں اور اس کی بعض حسن حدیثیں سنن کی احادیث کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہیں اس لحاظ سے تمام کتب سنن کو تمام مسانید پر ترجیح دینا درست نہیں چنانچہ مسند امام احمد کی احادیث سنن ابو داؤد کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہیں تاہم کتب سنن کی بعض احادیث مسانید کی بعض احادیث سے قابل ترجیح ہو سکتی ہیں۔

محدثین کا یہ دعوی کہ مسانید کتب سنن سے صحت میں کمتر ہیں اگر غلبے کے اعتبار سے ہے تو مانا جا سکتا ہے لیکن اس میں یہ بات ہے کہ عمل کے وقت ترجیح کا فائدہ جاتا رہیگا۔ چنانچہ مسند احمد کی کسی حدیث کا سنن ابن ماجہ کی حدیث سے تعارض ہو جاتا ہے اور ہمیں اس حقیقت کا علم ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ضعیف حدیثیں زیادہ ہیں اور مسند احمد میں احادیث حسن ہیں تو ابن ماجہ کی حدیث کو ترجیح نہ ہو سکے گی کیونکہ اس امر کا امکان ہے کہ سنن ابن ماجہ کی یہ حدیث، احادیث ضعیفہ میں سے ہو اور مسند کی حدیث حسن حدیثوں میں سے ہو، ایسی صورت میں عمل بحث پر موقوف رہا اور معلوم ہوا کہ اس ترجیح کا کوئی ثمرہ نہیں نکلا۔

علامہ محمد بن اسماعیل الامیر حسنی صنعانی ۱۱۸۲ھ کا بیان ہے کہ میں نے اس مقام پر جو بحث پیش کی چند سال بعد میرے مطالعہ میں یہ بات آئی کہ بقاعی کو اس امر پر تنبہ ہوا اور انہوں نے زین الدین عراقی کے سنن و مسانید کے فرق مراتب پر ان الفاظ میں تنقید کی۔

یہ قاعدہ کلیہ اور حکم عام نہیں ہے، کیونکہ مؤلف مسند کبھی انتخاب کرتا اور مقبول حدیث ہی ذکر کرتا ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے کیا ہے، امام موصوف نے تصریح کی ہے کہ میں نے ساڑھے سات لاکھ حدیثوں سے مسند کا انتخاب کیا ہے۔ لہذا یہ مناسب نہیں کہ اس کا مرتبہ سنن سے کمتر قرار دیا جائے، بلاشبہ حافظ زین الدین عراقی نے یہ دعوی کیا ہے کہ مسند احمد میں موضوع حدیث ہے لیکن ہمارے شیخ نے اس دعوے کے بودے پن کو بتا دیا اور اس موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ اسی طرح بزار نے اپنی مسند میں انتخاب سے کام لیا۔ اگر کوئی ضعیف حدیث ذکر کی تو بعض اوقات اس کی حالت

حاشیہ از صفحہ گذشتہ[۱] ترتیب المسند الامام المعظم والمجتہد المقدم ابی عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی تحقیق یوسف علی الحسنی، السید عزت العطار الحسینی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۷۰ھ ص۵۔

ضعف کو بتا دیا۔ اور بعض اوقات کتاب میں ذکر کرنے کا یہ عذر بیان کیا کہ اس باب میں اس کے سوا کوئی حدیث نہیں پائی گئی، اسی طرح اسحاق بن راہویہ (اپنی مسند میں) وہ حدیث ذکر کرتے ہیں جو اس صحابی سے سب سے بہتر روایت ہوتی ہے۔

تم نے جب یہ بات سمجھ لی تو تم نے یہ بھی سمجھ لیا کہ ان کے کلام کی تاویل کی تعیین اسی طریقہ سے ہونی چاہئے جو ہم نے بیان کی ہے [1]

حافظ عراقی فرماتے ہیں۔

مسانید کا مرتبہ صحت میں سنن سے کمتر ہے اس لئے کہ جو محدث صحابی کی مسند ترتیب دیتا ہے وہ اس مسند میں اس صحابی کی ہر روایت نقل کرتا ہے خواہ وہ قابل حجت ہو یا نہ ہو (توضیح الافکار ۱/۱۰۶)

شیخ الاسلام زکریا انصاری کا تبصرہ

شیخ الاسلام زکریا انصاری المتوفی سنہ ۹۲۵ھ نے حافظ زین الدین عراقی المتوفی سنہ ۸۰۶ھ کے مذکورہ بالا بیان پر جو بصیرت افروز تبصرہ کیا ہے وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ "مسانید" اسماء صحابہ پر اور "سنن و مصنفات" ابواب فقہ پر مرتب ہوتی ہیں اور مسانید کا مرتبہ سنن سے کمتر ہے اب جو کوئی سنن یا مسانید کی کسی حدیث سے احتجاج و دلیل پیش کرنے کا ارادہ کرے اس میں اس امر کی اہلیت ہونا چاہئے کہ وہ اپنے مستدل اور غیر مستدل کو سمجھتا ہو، وہ جب تک سند کے اتصال اور راویوں کے حالات میں غور نہیں کرے گا اس حدیث کو دلیل میں پیش نہیں کرے گا۔ اور اگر اس نے ائمہ فن میں سے کسی امام کو اس حدیث کو صحیح یا حسن قرار دیتے پایا تو اسے اس کی تقلید کرنا چاہئے ورنہ اس سے احتجاج نہیں کرنا چاہئے۔ نیز اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ کسی اسناد کی صحت اور اس کی تحسین سے متن کی صحت لازم نہیں آتی۔ اس میں شذوذ یا کوئی علت ہو سکتی ہے [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

علامہ بقاعی سے پہلے حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ نے مذکورہ امور پر زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، موصوف النکت علی ابن الصلاح میں رقمطراز ہیں۔

کتب المسانید غیر ملتحقۃ بالکتب الخمسۃ الخ

---

[1] الامیر الصنعانی، ۱/۲۲۸، نیز ملاحظہ ہو توجیہ النظر للجزائری ص ۱۵۵ - ۱۵۷

[2] زکریا بن محمد الانصاری، فتح الباقی علی الفیۃ العراقی، مکۃ المکرمہ دار الباز للنشر والتوزیع ب،ت، ۱/۱۰۶، ۱۰۷ یہ شرح، شرح الفیۃ العراقی المسماۃ بالتبصرہ والتذکرہ کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث کی ان دونوں قسم کی کتابوں کی تدوین و تالیف کی اصل و بنیاد ہے اس لئے کہ یہ ایک آشکارا حقیقت ہے کہ جس محدث نے کتاب کو ابواب پر مرتب کیا اس نے یہ دعوی کیا کہ اس مسئلہ میں حکم وہ ہے جس پر باب و عنوان قائم کیا گیا ہے اسے اپنے دعوے کی صحت کے لئے دلیل پیش کرنے کی احتیاج ہوتی ہے، استدلال و حجت کے لئے مناسب یہ ہے کہ جس روایت کو بطور دلیل پیش کیا جائے وہ دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

نیز جو مصنف مسانید پر کتاب مرتب کرتا ہے اس کا مقصد بظاہر ہر صحابی کی مطلقاً حدیثیں جمع کرنا ہوتا ہے خواہ وہ قابل حجت ہوں یا نہ ہوں، یہ بات اس نوع کی ہر تالیف سے عیاں ہے۔

دونوں قسم کی کتابیں مرتب کرنے والوں کی ایک جماعت نے اپنے اصل موضوع کے خلاف کیا چنانچہ اس کا رتبہ یا فروتر ہو گیا یا بالاتر ہو گیا۔ اس لئے کہ بعض مصنف وہ ہیں جنہوں نے کتاب کو ابواب پر ترتیب دیا لیکن اس میں ضعیف حدیثیں جمع کر دیں بلکہ باطل و ناکارہ حدیثیں لے آئے یا ان احادیث کا ضعف ہی ذہن سے جاتا رہا یا تنقید کا علم ہی نہیں رہا

مسند اسحاق بن راہویہ بعض وہ مصنف ہیں کہ جنہوں نے کتابیں مسانید پر تدوین و تالیف کیں انہوں نے ہر صحابی کی انہی احادیث کا انتخاب کیا جو سب سے بہتر تھیں۔ چنانچہ ہم نے بسند متصل اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا کہ انہوں نے اپنی مسند میں اس روایت کا انتخاب کیا جو انہیں ہر صحابی سے سب سے زیادہ صحیح حدیث ملی الا یہ کہ وہ متن حدیث ایک ہی سند سے ملے تو اس کی تخریج اسی سند سے کی ہے۔

مسند بقی بن مخلد و بزار بقی بن مخلد بھی اپنی مسند میں اسی روش پر گامزن رہے اور تقریباً ابوبکر بزار نے اپنی مسند میں اسی طریقہ کو اختیار کیا، موصوف نے اپنی مسند میں کئی جگہ اس امر کی صراحت کی ہے، چنانچہ جس سند میں کلام ہوتا ہے اسے ذکر کرتے اس کی علت و خرابی کی نشاندہی کرتے اس کی تخریج کا عذر بتاتے ہیں کہ یہ حدیث اسی سند سے معروف و مشہور ہے۔

مسند امام احمد رح لیکن مسند امام احمد کی موضوع احادیث پر ابوموسی مدینی نے ایک بڑا جزء تالیف کیا اس میں بہت سی دلیلیں بیان کی ہیں اور اس کی وضاحت کی کہ امام احمد نے اپنی مسند کا انتخاب کیا اس کی تمام روایتیں ان کی نظر میں صحیح ہیں نیز اس مسند میں جو روایتیں ضعفاء سے نقل کی گئی ہیں وہ متابعات میں نقل کی گئی ہیں گو ابوموسی ان بعض روایات میں بحث کرتے ہیں لیکن اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مسند امام احمد سب سے زیادہ صاف ستھری احادیث کی جامع ہے اس کی سندوں کے راوی دوسری سندوں کے راویوں سے زیادہ ثقہ و متقن ہیں۔

یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمد نے اپنی مسند میں انتخاب سے کام لیا ہے [1] اس امر کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جسے موصوف کے فرزند بیان کرتے ہیں۔

---

[1] ابن حجر النکت علی کتاب ابن الصلاح تحقیق ربیع بن ہادی عمیر ط: ۲، الریاض دار الرایہ للنشر و التوزیع ۱۴۰۸ھ، ۱/۴۷۳

امام احمدؒ نے بعض ایسی حدیثوں کو جنہیں وہ منکر سمجھتے تھے قلمزد کیا ۔

ابو موسیٰ نے اس کتاب میں بسند حنبل بن اسحاق نقل کیا ہے کہ امام احمد اور ان کے ہر دو فرزند عبد اللہ و صالح کی موجودگی میں موصوف نے فرمایا کہ میں نے اس مسند کا ساڑھے سات لاکھ حدیثوں (یہ تعداد باعتبار طرق و اسانید) سے انتخاب کیا ہے ، مسلمانوں میں کسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف ہو تو اس کتاب سے رجوع کرو اگر تم اسے اس کتاب میں پاؤ تو وہ قابل حجت ہے ورنہ نہیں ۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ اس باب میں صریح ہے کہ موصوف نے اس مسند میں انتخاب کیا ہے اور اگر اس میں ضعیف و منکر حدیثیں پائی جائیں تو وہ اس دعوے کی صحت میں مانع نہیں کیونکہ یہ امور نسبیہ ہیں بلکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں یہ بیان کافی ہے کہ امام موصوف نے ہر صحابی کی مطلق حدیثیں جمع کرنے پر اکتفاء نہیں کیا ۔

مصنف کا ظاہر کلام کہ وہ احادیث جو کتب خمسہ وغیرہ میں مذکور ہیں وہ تمام قابل حجت ہیں حقیقت کے سراسر خلاف ہے اس لئے کہ ان میں بہت سی حدیثیں حجت و دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں بلکہ متروکین کی روایتیں استشہاد میں پیش کرنے کے لائق بھی نہیں ، مسند احمد میں احادیث زائدہ بر صحیحین ، سنن ابی داؤد و جامع ترمذی کی احادیث زائدہ بر صحیحین سے زیادہ ضعیف نہیں ہیں [1]

---

[1] النکت علی ابن الصلاح ۱/ ۴۴۸ ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں ۔

امام تقی الدین ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ نے تصریح کی ہے کہ

مسند احمد میں قصداً جھوٹ بولنے والوں سے کوئی روایت نہیں لی گئی بلکہ اس میں بدعت کی طرف بلانے والوں سے بھی کوئی روایت موجود نہیں ، موضوع سے وہ روایت مراد لی گئی ہے جس کا راوی عمداً جھوٹ بولتا ہے تو امام احمد اپنی مسند میں ایسے کسی راوی کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے اور ان میں سے اگر کسی سے کوئی روایت غفلت سے مسند میں آگئی تو دوران قراءت اسے قلمزد کرادیا ۔

اور اگر موضوع سے مراد وہ روایت ہے جس کے بطلان پر کسی جداگانہ دلیل سے استدلال کیا جاتا ہے تو جائز ہے ۔

مذکورہ بالا امور سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسند مختلف انواع کی احادیث پر مشتمل ہے لیکن موصوف نے انتخاب احادیث میں بہت زیادہ اہتمام کیا ہے ان حدیث کی کتابوں کی بنسبت جن میں صحت کا التزام و اہتمام نہیں کیا گیا النکت ۱/ ۴۴۶ — ۴۴۷

امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ نے منہاج السنۃ النبویہ میں تصریح کی ہے کہ مسند احمد میں وہ شرط ملحوظ رکھی گئی ہے جو سنن ابی داؤد میں ابو داؤد سجستانی نے ملحوظ رکھی ہے موصوف کے الفاظ ہیں ۔

شرطه فی المسند مثل شرط ابی داؤد فی سننه (ابن تیمیه ، [illegible])

امام احمد کی مسند میں وہی شرط ہے جو شرط ابو داؤد نے سنن ابی داؤد میں رکھی ہے ۔

حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ مسند احمد کے متعلق لکھتے ہیں۔

لا یوازی مسند احمد کتاب مسند فی کثرته و حسن سیاقته [1]
کثرت روایات اور حسن سیاق میں کوئی مسند، مسند احمد کے ہم پایہ نہیں۔

اور حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے زوائد المسند میں لکھا ہے

مسند احمد اصح صحیحا من غیره [2]
مسند احمد دوسری مسانید سے زیادہ صحیح مسند ہے۔

حافظ حسینی نے التذکرہ فی رجال العشرہ میں تصریح کی ہے کہ مسند احمد مکررات کے ساتھ چالیس ہزار احادیث کی جامع ہے [3]

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ نے القول المسدد فی الذب عن المسند میں اور علامہ سیوطیؒ نے الحاوی للفتاوی میں مسند احمد کی روایات کے متعلق لکھا ہے۔

مسند احمد تلقته الامة بالقبول [4]
مسند احمد کو امت میں قبول عام حاصل ہے یعنی اس کی روایات قابل قبول ولائق احتجاج و استدلال ہیں

شیخ ابن الصلاح کی ہفتگانہ اقسام میں حدیث کی تقسیم

شیخ ابو عمرو بن الصلاح المتوفی ۶۴۳ھ نے سب سے پہلے حدیث کو مندرجہ ذیل ہفتگانہ اقسام میں تقسیم کیا چنانچہ مقدمہ فی علوم الحدیث میں رقمطراز ہیں۔

اولها صحیح اخرجه البخاری و مسلم جمیعا
اول وہ صحیح حدیث ہے جس کی تخریج بخاری و مسلم دونوں نے کی ہو۔

الثانی صحیح انفرد به البخاری ای عن مسلم
دوسری وہ ہے جس کی تخریج صرف بخاری نے کی ہو۔

الثالث صحیح انفرد به مسلم ای عن البخاری
تیسری وہ ہے جس کی تخریج صرف مسلم نے کی ہو۔

---

[1] عماد الدین اسماعیل ابن عمر بن کثیر، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، دمشق، دارالفکر، ص ۱
[2] السیوطی، ۱/۱۷۳
[3] ابن حجر، القول المسدد، ص ۲
[4] السیوطی ۱/۱۷۲

الرابع صحيح على شرطهما و لم يخرجاه ۔ چوتھی وہ ہے جو بخاری ومسلم کی شرط پر ہو اور انہوں نے اس کی تخریج نہ کی ہو۔

الخامس صحيح على شرط البخاري ولم يخرجه پانچویں وہ ہے جو بخاری کی شرط پر ہو اور بخاری نے اس کی تخریج نہ کی ہو۔

السادس صحيح على شرط مسلم ولم يخرجه چھٹی وہ ہے جو مسلم کی شرط پر ہو اور مسلم نے اس کی تخریج نہ کی ہو۔

السابع صحيح عند غيرهما وليس على شرط واحد منهما[1] ساتویں وہ ہے کہ وہ بخاری ومسلم میں سے کسی ایک کی شرط پر نہ ہو اور بخاری ومسلم کے علاوہ اوروں کے نزدیک صحیح ہو

شیخ ابن الصلاح کی مذکورہ بالا تقسیم کی افادیت اس وقت مسلم ہوتی جب امام بخاری ومسلم رح نے تمام صحیح حدیثوں کا احاطہ کیا ہوتا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ چنانچہ شیخ ابن الصلاح مقدمہ فی علوم الحدیث میں لکھتے ہیں ۔

لم يستوعبا الصحيح في صحيحهما ولا التزما ذلك بخاری ومسلم دونوں نے صحیح بخاری وصحیح مسلم میں صحیح حدیثوں کا احاطہ نہیں کیا اور نہ انہوں نے تمام صحیح حدیثوں کے ذکر کرنے کا التزام کیا ہے ۔

(وقال البخاري) ما ادخلت في كتاب الجامع الا ما صح وتركت من الصحاح لملال الطول امام بخاری رح نے فرمایا۔ میں نے کتاب الجامع میں صرف صحیح حدیثوں کا اندراج کیا ہے ۔ اور کتاب کے لمبا ہو جانے کی وجہ سے صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے ۔

(وقال مسلم رح ليس كل شئ عندي صحيح وضعته ههنا يعني في كتابه الصحيح[2] ایسا ہی امام مسلم نے فرمایا۔ میں نے ہر حدیث کو جو میری نظر میں صحیح تھی کتاب میں نقل نہیں کیا۔ یعنی صحیح مسلم میں درج نہیں کی

امام بخاری اور امام مسلم کی مذکورہ بالا تصریحات سے ثابت ہوا کہ صحیح حدیثوں کا بیشتر ذخیرہ صحیحین کے علاوہ دوسری حدیث کی کتابوں میں بھی موجود ہے، لہذا معارضہ کی صورت میں صحیحین کی حدیثوں کو قابل ترجیح قرار دینا درست نہیں ہے ۔

---

[1] ابن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث ، ملتان مکتبہ فاروقی ، ب ، ت ص۱۴

[2] ابن الصلاح ص۱۰، یاد رہے کہ شیخ ابو عمرو بن الصلاح کو متون احادیث اور ان کے کثرت طرق اور راویان حدیث کے حالات

ائمہ فن کی آراء حافظ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے ایک بحث کے ضمن میں شیخ ابو عمرو بن الصلاح المتوفی ۶۴۳ھ کے اس اصول کو کہ دو حدیثوں میں معارضہ کی صورت میں مدار ترجیح صحیحین (بخاری و مسلم) کی حدیث ہوں گی، نہایت حکیمانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث میں قوت وصحت رجال سند سے آتی ہے۔

یہ ایک مسلمہ اصول ہے جس سے کسی کو انکار نہیں یہی اصول ہمیشہ سے مدار ترجیح رہا ہے اس امر میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کی تخصیص درست نہیں اس لئے کہ صحیحین کی طرح کی حدیثیں دوسری حدیث کی کتابوں میں بھی موجود ہیں انہیں نظر انداز کرنا، صحیح حدیثوں کے عظیم تر ذخیرہ سے دستبردار ہونا، اصول انصاف کے تقاضوں کے منافی اور حقیقت سے صرف نظر کرنا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے مقدمہ ابن الصلاح کی تلخیص وخلاصہ "الباعث الحثیث فی اختصار علوم الحدیث" میں کیا اس میں جو لکھا ہے۔ اس کا نواب صدیق حسن خان نے منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول میں ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

کتب بسیار بر صحیحین مخرج شدہ اند و درانہا زیادات مفیدہ و اسانید صحیحہ یافتہ می شود مثل صحیح ابو عوانہ و ابی بکر اسمعیلی و برقانی و ابو نعیم اصفہانی وغیرہم، و کتابہائے دیگر است کہ اصحابش التزام صحتش کردہ اند مثل ابن خزیمہ و ابن حبان و این ہر دو بہتر از مستدرک و الطف در اسانید و متون اند و ہمچنیں در مسند امام احمد شئی کثیر از اسانید و متون موازی بسیا

بہت کتابیں صحیحین پر تخریج کی گئی ہیں اور ان میں مفید اضافے اور جید اسانید پائی جاتی ہیں جیسے صحیح ابو عوانہ ابو بکر اسماعیلی، برقانی اور ابو نعیم وغیرہ ہیں اور دوسری کتابیں ہیں جن کے مؤلفین نے اس کی صحت کا التزام کیا ہے جیسے ابن خزیمہ، اور ابن حبان ہیں اور یہ دونوں کتابیں مستدرک علی الصحیحین سے بدرجہا بہتر ہیں اور متون،

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) وصفات کا علم بہت کم تھا اس باب میں ان کی علمی کم مائیگی کا اعتراف حافظ ابن حجر کو بھی ہے وہ نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی توضیح نخبۃ الفکر بتحشیۃ الشیخ محمد عبد اللہ التونکی، کراچی، الرحیم اکیڈمی، ۱۴۰۷ھ ص۲۱ میں لکھتے ہیں

فائدۃ - ذکر ابن الصلاح ان مثال المتواتر علی التفسیر المتقدم لعز وجودہ الا ان یدعی ذلک فی حدیث من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار وما ادعاہ من العزۃ ممنوع وکذا ما ادعاہ غیرہ من العدم لان ذلک نشأ من قلۃ الاطلاع علی کثرۃ الطرق واحوال الرجال وصفاتہم۔

فائدہ - شیخ ابن الصلاح نے بیان کیا ہے کہ سابقہ تفسیر کی بناء پر حدیث متواتر نہایت قلیل الوجود ہے صرف حدیث من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے، کی نسبت تواتر کا دعوی کیا جا سکتا ہے اور بعض علماء کا یہ کہنا کہ حدیث متواتر عدیم الوجود ہے یہ دونوں قول قلت معلومات اور عدم اطلاع پر مبنی ہیں، اگر کثرت اسانید اور راویان حدیث کے حالات اور صفات پر کامل اطلاع ہوتی تو یہ ایسا نہ کہتے۔

از احادیث مسلم بلکہ بخاری یافتہ می شود کہ نزد شیخین یا احدہما
نیست، و احدے از اصحاب کتب اربعہ تخریج آں نکردہ وہم ابو
داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ وہمچنیں در معجم کبیر و اوسط طبرانی
و مسند ابی یعلیٰ و بزار در حالِ رجال و سلامت آں از تعلیل مفسد
می تواند کرد و اقدام بر آں جائز است اگرچہ حافظے قبل ایں متبحر نصے
بر صحتش موافقۃً للنووی و خلافاً للشیخ ابن عمرو نکردہ ؎

و اسانید کی حیثیت سے زیادہ لطیف و نظیف ہیں اور اسی
طرح مسندِ امام احمد میں بہت زیادہ متون و اسانید پائی جاتی
ہیں۔ جو صحیح مسلم کی احادیث کے مقابلہ کی ہیں بلکہ بخاری کی
ٹکر کی پائی جاتی ہیں جو شیخین کے یہاں یا ان میں سے کسی ایک کے
یہاں بھی موجود نہیں ہیں۔

اور ارباب سنن اربعہ نے بھی ان کی تخریج نہیں کی اور وہ
ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ ہیں اور اسی طرح معجم کبیر و معجم
اوسط طبرانی، مسند ابی یعلیٰ و بزار وغیرہ مسانید و معاجم، فوائد اور
اجزاء میں احادیث پائی جاتی ہیں جو اس فن میں متبحر عالم کو رجالِ
سند کی حالت پر غور کرنے اور متن و سند کی تعلیل مفسد سے
سلامتی کی صورت میں بہت سی حدیثوں کی صحت پر حکم لگانے
کی قدرت بخشتا ہے اور اس پر اقدام عمل کو جائز کرتا ہے۔
اگرچہ اس سے پہلے کسی حافظ نے شیخ ابوزکریا یحییٰ نووی کی
موافقت اور شیخ ابوعمرو بن صلاح کی مخالفت میں اس کی صحت
کا حکم نہ لگایا ہو۔

؎ واضح رہے کہ اس مقام پر الباعث الحثیث کے متن کے ایک اہم ٹکڑے کا ترجمہ ساقط ہوگیا یا قصداً چھوڑ دیا گیا ہے نیز بعد کی عبارت کا ترجمہ
بھی صحیح نہیں ہے اہل علم کی معلومات کے لئے اصل عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے صورت حال واضح ہو جائے گی وہ یہ ہے
وکذلک یوجد فی معجمی الطبرانی .... وغیر ذلک من المسانید والمعاجم والفوائد والاجزاء ما یتمکن المتبحر فی ہذا الشان من الحکم بصحۃ
کثیر منہ، بعد النظر فی حال رجالہ، وسلامتہ من التعلیل المفسد ویجوز لہ الاقدام علی ذلک وان لم ینص علی صحتہ حافظ قبلہ، موافقۃ للشیخ ابی زکریا یحیی
النووی، وخلافاً للشیخ ابی عمرو، (ابن کثیر، ص ۱۰، ۱۱)

(صدیق حسن خان، منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول۔ بھوپال، مطبع شاہجہانی ۱۲۹۲ھ ص ۴۸)

واضح رہے کہ حافظ ابن کثیر کی نظر متون احادیث اور رجالِ حدیث دونوں پر نہایت گہری اور وسیع ہے موصوف نے کتاب الہدی
والسنن فی احادیث المسانید والسنن تالیف کی جس میں صحاح ستہ کے ساتھ ۷۔ مسند احمد ۸۔ مسند بزار ۹۔ مسند ابی یعلیٰ ۱۰۔ مسند ابی
بکر بن ابی شیبہ، کی احادیث کو ابواب فقہ پر مرتب کیا یہ نہایت مفید کتاب ہے جامع المسانید کے نام سے بھی یاد کی جاتی ہے، مسند الشیخین بھی
لکھی تھی (السیوطی طبقات الحفاظ ص ۵۳۴) اسی طرح موصوف نے کتاب التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل ترتیب دی جس میں
تہذیب الکمال اور میزان الاعتدال کے رجال کو جمع کیا ہے (ذیل تذکرۃ الحفاظ تالیف محمد بن علی الحسینی، دمشق، مطبعۃ التوفیق ۱۳۴۷ھ ص ۵۸

علامہ حافظ شمس الدین ذہبی رح نے المعجم المختص (بالمحدثین) میں موصوف کے تذکرہ کا آغاز ان الفاظ میں کیا ہے۔

اسماعیل بن عمر بن کثیر، الامام الفقیہ، المحدث الاوحد البارع عماد الدین البصروی، الشافعی ..... یحفظ جملة صالحة من المتون، والتفسیر والرجال واحوالهم، سمع منی وله حفظ ومعرفة (المعجم المختص تحقیق محمد الحبیب الهیلة الطائف مکتبة الصدیق ۱۴۰۸ھ ص ۷۴، ۷۵)

اسماعیل بن عمر بن کثیر، امام، فقیہ، محدث، عماد الدین بصروی شافعی، .... موصوف کو متونِ حدیث کا عمدہ مجموعہ یاد ہے، تفسیر اور راویوں کے حالات انہیں یاد ہیں مجھ سے حدیثوں کا سماع کیا ہے انہیں حفظ و معرفت حاصل ہے یعنی یہ حدیث کے حافظ و عالم ہیں انہیں حدیث کی معرفت حاصل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں۔

کان کثیر الاستحضار وسارت تصانیفه فی البلاد فی حیاته وانتفع به الناس بعد وفاته ولم یکن علی طریق المحدثین فی تحصیل العوالی وتمییز العالی من النازل ونحو ذلك من فنونهم وانما هو من محدثی الفقهاء۔

موصوف کو احادیث و مسائل وغیرہ کا بہت زیادہ استحضار تھا۔ اس کی حیات میں اس کی تصانیف اسلامی شہروں میں پہنچ گئی تھیں ان سے لوگوں نے اس کی وفات کے بعد بھی فائدہ اٹھایا۔ عالی اسانید کی اور عالی کی نازل سے تمیز میں اور اسی قسم کے محدثین کے فنون وغیرہ کی تحصیل میں محدثین کی روش و طریقہ پر نہ تھے وہ صرف محدثین فقہاء میں سے تھے۔

حافظ علامہ جلال الدین سیوطی نے حافظ ابن حجر کے اس اعتراض کا یہ جواب دیا

قلت العمدة فی علم الحدیث معرفة صحیح الحدیث وسقیمه وعلله واختلاف طرقه ورجاله جرحا وتعدیلا واما العالی والنازل ونحو ذلك فهو من الفضلات لا من الاصول المهمة (طبقات الحفاظ ص ۵۳۴)

میں کہتا ہوں، علم حدیث میں اصل چیز صحیح وسقیم حدیث کی شناخت ہے ۲۔ علل حدیث، ۳۔ اختلاف طرق کی معرفت ۴۔ اور رجال حدیث کی جرح و تعدیل کا علم ہے اور عالی و نازل جیسے امور کا علم زوائد کے قبیل سے ہے۔ اصول مہمہ میں سے نہیں ہے۔

ان وجوہ سے حافظ ابن کثیر کی رائے اس باب میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

۲۔ شیخ الاسلام حافظ سراج الدین بلقینی المتوفی ۸۰۵ھ کو بھی شیخ ابن الصلاح کے نقطہ نظر سے اتفاق نہیں وہ اس امر میں حافظ ابن کثیر دمشقی رح کے ہمنوا ہیں۔ چنانچہ موصوف محاسن الاصطلاح میں رقمطراز ہیں۔

ویوجد فی (مسند الامام احمد) من الاسانید والمتون شئ کثیر لیس فی الصحیحین ولا فی السنن ایضا وهی اربعة: سنن ابی داؤد، والترمذی والنسائی وابن ماجه وکذلك یوجد فی مسند البزار

اور مسند امام احمد میں بہت زیادہ اسانید و متون پائے جاتے ہیں جو صحیحین میں نہیں ہیں اور نہ وہ سنن اربعہ میں ہیں اور وہ سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور ابن ماجہ ہیں اور اسی طرح مسند البزار، مسند ابن منیع معاجم طبرانی وغیرہ

دایت منیع والمعاجم للطبرانی وغیرہ ومسند ابی یعلی مما یتمکن العارف بھذا الشان من الحکم بصحة کثیر منہ بعد النظر السدید دیجوز لہ ان یحکم کما تقدم ص ا

اور مسند ابی یعلی میں پائی جاتی ہیں اس فن کا ماہر صحیح نظر سے دیکھنے کے بعد بہت سی حدیثوں کی صحت کا حکم لگانے پر قادر ہو جائے گا۔ اور اس کے لئے حکم لگانا درست اور جائز ہوگا جیسا کہ گذر چکا۔

حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ سراج الدین بلقینی رح کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صحیح حدیثیں صحیحین اور سنن اربعہ میں منحصر نہیں۔

ا۔ مسانید ۲۔ معاجم، ۳۔ فوائد، ۴۔ اجزا میں منتشر ہیں لہذا شیخ ابو عمرو بن الصلاح کا صحیح احادیث کو ہفتگانہ اقسام میں منحصر کرنا درست نہیں اور معارضہ کی صورت میں ہفتگانہ اقسام کی احادیث میں منحصر ماننا اور انہیں قابل ترجیح قرار دینا قرین صحت نہیں۔

~~حافظ ابن حجر کی اتباع میں~~ حافظ ابن حجر عسقلانی رح المتوفی ۸۵۲ھ نے شرح نخبۃ الفکر میں اس امر کا اعادہ کیا تو علامہ حافظ قاسم بن قطلوبغا نے ~~شرح نخبۃ~~ الفکر میں اس پر گرفت کی اور لکھا

الذی یقتضیہ النظر ان ما کان علی شرطھما ولیس لہ علة یقدم علی ما اخرجہ مسلم وحدہ لان قوة الحدیث انما ھی بالنظر الی رجالہ لا بالنظر الی کونہ فی کتاب کذا وما ذکرہ المصنف شان المقلد فی الصناعة لا شان العالم بھا ۳

دقت نظر کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جو حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر ہو اور اس میں کوئی علت نہ ہو، اسے اس حدیث پر جس کی تنہا مسلم نے تخریج کی ہو ترجیح دی جائے گی۔ اس لئے کہ صحت و قوتِ حدیث اس کے رجال کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں مذکور ہے۔ اور ابن حجر رح نے جو بات کہی ہے (کہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیث مدار ترجیح ہے) یہ فن حدیث میں مقلد کی سی بات ہے فن کے عالم کی شان نہیں۔

---

۱ سراج الدین البلقینی، محاسن الاصطلاح تحقیق عائشہ عبدالرحمن (بنت الشاطی) القاہرہ مطبعہ دار الکتب۔ ۱۹۷۴ء ص ۹۴ و ۹۵ مقدمہ ابن الصلاح کے ساتھ شائع کیا گیا ہے

۲ ایضاً ۱/۹۹، ۱۰۰

۳ ابوالحسن الصغیر السندی، بھجة النظر شرح علی شرح نخبة الفکر علی الھامش تعلیقات العلامہ الحافظ قاسم بن قطلوبغا تحقیق غلام مصطفیٰ القاسمی السندی، حیدر آباد السند، اکادمیۃ الشاہ ولی اللہ، ۱۱۴۳ھ ص ۷۹ و قواعد التحدیث للقاسمی ص ۸۲

شیخ ابن الہمام کا ابن الصلاح کی ہفتگانہ تقسیمِ حدیث پر اعتراض

محقق شیخ کمال الدین ابن ہمام (۷۹۰ - ۸۶۱ھ) فتح القدیر میں رقمطراز ہیں :-

قولہ: وقول من قال "اصح الاحادیث ما فی الصحیحین ثم ما انفرد به البخاری ثم ما انفرد به مسلم ثم ما اشتمل علی شرطهما من غیرهما ثم ما اشتمل علی شرط احدهما تحکم لا یجوز التقلید فیه؛ اذ الاصحیة لیست الا لاشتمال رواتهما علی الشروط التی اعتبراها فاذا فرض وجود تلک الشروط فی رواة حدیث فی غیر الکتابین، افلا یکون الحکم باصحیة ما فی الکتابین الا تحکم ثم حکمهما او احدهما بان الراوی المعین مجتمع تلک الشروط لیس مما یقطع فیه مطابقة الواقع فیجوز کون الواقع خلافه وقد اخرج مسلم عن کثیر فی کتابه ممن لم یسلم عن غوائل الجرح وکذا فی البخاری جماعة تکلم فیهم [1]

فدار الامر فی الرواة علی اجتهاد العلماء فیهم وکذا فی الشروط حتی ان من اعتبر شرطا والغاه آخر یکون ما رواه الآخر مما لیس فیه ذلک الشرط عنده مکافئا لمعارضة المشتمل علی ذلک الشرط وکذا فیمن ضعف راویا ووثقه الآخر۔ نعم تسکن نفس غیر المجتهد ومن لم یخبر امر الراوی بنفسه الی ما اجتمع علیه الاکثر، اما المجتهد فی اعتبار الشرط وعدمه والذی خبر الراوی فلا یرجع الا الی رأیه نفسه [2]

(حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اور جس نے یہ دعویٰ کیا ہے (وہ شیخ ابو عمرو بن الصلاح ہے) کہ ۱ - سب سے زیادہ صحیح احادیث وہ ہیں جن کی تخریج امام بخاری و امام مسلم نے کی -

۲- پھر وہ ہیں جن کی تخریج صرف امام بخاری نے کی -

۳- پھر وہ ہیں جن کی تخریج صرف امام مسلم نے کی -

۴- پھر وہ ہیں جو بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہو اور دوسری کتابوں میں ہوں

۵- پھر وہ ہیں جو بخاری و مسلم میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہو -

یہ دعویٰ صحت زبردستی کی بات ہے اس میں تقلید جائز نہیں اس لئے کہ صحیح تر ہونے کا دارومدار راویوں کا ان شرائط پر پورا اترنا ہے جن کا بخاری و مسلم نے اعتبار کیا ہے پھر اگر یہی شرائط ان دونوں کتابوں کے علاوہ کسی اور حدیث کے راویوں میں پائی جائیں پھر بھی ان دونوں کتابوں کی حدیثوں کو صحیح تر کہنا زبردستی اور ناقابل قبول بات کو منوانا نہیں تو اور کیا ہے پھر بخاری و مسلم دونوں کے یا ان میں سے کسی ایک کے مخصوص راوی میں ان شرائط کے پائے جانے کا حکم کرنے سے اس پر جزم و یقین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ حکم واقع اور حقیقت کے مطابق ہی ہے کیونکہ امر واقعہ اس کے خلاف ہے -

مسلم نے اپنی کتاب میں بہت سے ایسے راویوں سے روایت کی ہے جو جرح و قدح سے بچ نہیں سکے اور اسی طرح بخاری میں راویوں کی ایک جماعت ایسی ہے جس میں کلام کیا گیا ہے -

لہٰذا راویوں کے معاملہ میں مدار کار علماء کے اجتہاد و صوابدید

پر ہے، اسی طرح شروط صحت حسن وضعف کا حال ہے یہاں تک کہ کسی نے کسی شرط کا اعتبار کیا اور کسی نے اس شرط کو لغو قرار دیا اب وہ جس کو دوسرے نے روایت کیا وہ ان شروط سے خالی ہے (جس کا پہلے نے اعتبار کیا) تو اس روایت کا معارضہ اس حدیث کے ساتھ جو ان شروط پر مشتمل ہے کافی ہوگا اسی طرح اس راوی میں ہے کہ جس کی کسی نے تضعیف کی اور دوسرے نے اس کی توثیق کی۔ ہاں جو مجتہد نہیں اور جس نے بذات خود راوی کے معاملہ کو جانچا نہیں اس کا دل ان اصولوں کی تقلید کرکے جو محدثین نے مقرر کئے ہیں اور جن پر اکثر محدثین کا اتفاق ہے مطمئن ہو جاتا ہے۔ لیکن مجتہد کا معاملہ اور اس صاحب علم کا معاملہ جو خود راوی کی جانچ پرکھ کر سکتا ہے وہ اس کی رائے واجتہاد پر موقوف ہے۔

(لہذا یہ جائز ہے کہ ان کے نزدیک غیر صحیحین کی ایک حدیث ایسی صحیح ہو جو صحیحین کی حدیث کا مقابلہ کر سکے یا ان پر قابل ترجیح قرار پائے)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا شیخ ابن الہمام کے بیان پر تبصرہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ نے شیخ ابن الہمام کے مذکورہ بالا بیان پر یہ تبصرہ کیا ہے۔

حاصل این سخن آں است کہ اعتماد بر تصحیح وتنقید ائمہ مجتہدین واکابر سلف است، وچوں ایشاں حدیثے را تلقی بقبول کردہ وعمل بداں نمودہ انکار واعتراض بر ایشاں بتقلید علماء محدثین کہ مشہور اند جائز نباشد والتزام ایشاں بحکم ایں جماعۃ تحکم ومکابرہ است وایں کلام در مقام معارضہ

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین واکابر سلف کی تصحیح وتنقید پر دارومدار ہے جب انہوں نے کسی حدیث کو قبول کیا اور قابل عمل قرار دیا تو مشہور علماء محدثین کی تقلید کرکے ان پر اعتراض کرنا اور ان کی بات کو تسلیم نہ کرنا درست نہ ہوگا۔ اور اس جماعت فقہاء کے حکم لگانے کے باوجود محدثین کی بات

(حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ۱ واضح ہے کہ شیخ ابن الصلاح نے اصحیت کے دعوی کی نسبت امام بخاری ومسلم کی طرف کی ہے یہ بھی درست نہیں انہوں نے صحیح ہونے کا دعوی کیا ہے اصح ہونے کا نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ از مولانا عبدالرشید نعمانی، کراچی، نور محمد اصح المطابع ص۲۳

۱ کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی ثم السکندری المعروف بابن الہمام، شرح فتح القدیر للعاجز الفقیر، مصر، المطبعۃ الامیریۃ الکبری، ۱۳۱۵ھ ۱/۳۱۷-۳۱۸۔

فقہاء است یا محدثین قرار داد و محدثین ہمانست کہ اولاً مذکور شد ولیکن فقہاء را دراں مجال مقال وسیع است باین وجہ کہ مذکور شد و این سخن نافع و مفید .... احادیث صحاح منحصر نیست در صحیح بخاری و مسلم و ایشاں استیعاب نہ کردہ اند جمیع صحاح را کہ نزد ایشاں بود و بر شرط ایشاں چہ جائے مطلق صحیح، و خود تصریح کردہ ہر یکے از ایشاں بعدم احاطہ و استیعاب [1]

کو لازمی سمجھنا اور یقینی کہنا زبردستی کی بات ہے اور یہ بحث فقہاء محدثین کے ساتھ معارضہ سے تعلق رکھتی ہے محدثین وہ ہیں جن کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے لیکن فقہاء کے یہاں اس بحث میں کلام کی بہت گنجائش ہے اس دلیل سے جس کو اوپر بیان کیا گیا یہ بہت فائدہ اور کام کی بات ہے صحیح حدیثیں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں منحصر نہیں ہیں اس لئے کہ بخاری و مسلم نے ان ساری صحیح حدیثوں کی جو ان کے پاس ان کے شرائط کے مطابق موجود تھیں احاطہ نہیں کیا دوسری صحیح حدیثوں کا تو ذکر ہی کیا ہے ان میں سے ہر ایک نے تمام صحاح کے احاطہ و استیعاب نہ کرنے کا برملا اعتراف کیا ہے۔

قاضی محمد اکرم نصرپوری کی دادِ تحقیق

اور محدث فقیہ قاضی محمد اکرم نصرپوری سندیؒ نے امعان النظر شرح شرح نخبۃ الفکر میں محقق ابن الہمام کا کلام نقل کرنے کے بعد داد تحقیق ان الفاظ میں دی ہے۔

ولا یخفی ان ما ذکرہ حق الا انہ لا بد من التنبیہ علی انہ اذا تساوی شروط حدیث غیر الکتابین انما یکون تحکما اذا کان المخرج مثلها فی الضبط او اقوی کما لك رحمہ اللہ تعالی [2]

یہ بات نظر سے اوجھل نہیں رہنی چاہئے کہ جو شیخ ابن الہمام نے بیان کیا ہے وہ حق اور درست ہے مگر اس امر پر تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ جب غیر صحیحین کی حدیث شروط میں برابر ہو تو یہ زبردستی کی بات اسی صورت میں تحکم ہوتی کہ حدیث کی تخریج کرنے والا ضبط میں ان کے ہم پایہ ہو یا ان سے زیادہ قوی ہو جیسے کہ امام مالکؒ ہیں

اسی زمرہ میں امام ابو حنیفہؒ کی کتاب الآثار اور مسانید، امام محمد و امام ابو یوسف اور امام طحاوی کی روایات داخل ہیں ۔

---

[1] عبد الحق محدث دہلوی، المنہج القویم فی شرح الصراط المستقیم، افضل المطابع کلکتہ، ۱۲۵۲ھ ص ۱۸، ۱۹

[2] محمد اکرم نصرپوری السندی، امعان النظر شرح شرح نخبۃ الفکر تحقیق غلام مصطفی القاسمی، حیدر آباد السند، اکادمیہ الشاہ ولی اللہ - ۱۴۰۹ھ ص ۶۲

بحر العلوم کا شیخ ابن الہمام سے اتفاق

ولنعم ما قال الشيخ ابن الهمام ان قولهم بتقديم مروياتها على مرويات الائمة الآخرين قول لا يعتد به ولا يقتدى به بل هو من تحكماتهم الصرفة كيف لا وان الاصحية من تلقاء عدالة الرواة وقوة ضبطهم واذا كان رواة غيرهم عادلين ضابطين فهما وغيرهما على السواء ولا سبيل للحكم بمزيتهما على غيرهما الا تحكما والتحكم لا يلتفت اليه [۱]

ملا عبد العلی بحر العلوم المتوفی ۱۲۳۵ھ فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت میں رقمطراز ہیں۔

اور شیخ ابن ہمام نے بہت ہی اچھی بات کہی کہ ان محدثین کا یہ کہنا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو دوسرے ائمہ حدیث کی روایات پر تقدم و برتری حاصل ہے یہ بات ناقابل اعتبار ہے اور ایسی نہیں جسے مانا جائے بلکہ یہ محض ان کی ڈھٹائی ہے اور کیوں نہیں جب کہ حدیث کا صحیح تر ہونا راویوں کی عدالت اور ان کی قوت ضبط سے وابستہ ہے اور جب صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ راوی عادل و ضابط ہوں تو صحیحین اور غیر صحیحین کے راوی برابر ہیں اور دونوں ایک درجے کے ہیں۔

اب رواۃ صحیحین کی غیر صحیحین کے راویوں پر ترجیح و برتری زبردستی کی بات ہے اور زبردستی کی بات قابل التفات نہیں۔

محقق ابن الہمام کی رائے سے شیخ محمد عبد اللہ ٹونکی نے حواشی نزہتہ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر میں اتفاق کیا ہے [۲]

مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حفاظ حدیث میں سے تین حافظ حدیث (۱) علامہ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ (۲) شیخ الاسلام حافظ سراج الدین بلقینی المتوفی ۸۰۵ھ (۳) حافظ قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۷۹ھ کو شیخ ابن الصلاح کی ہفتگانہ تقسیم حدیث سے جس میں معارضہ کی صورت میں صحیحین اور دوسری کتابوں میں جو ان کی شرط پر ہوں قابل ترجیح قرار دیا گیا، اتفاق نہیں۔

فقہاء اسلام اور اصولیین میں سے شیخ ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ، ملا عبد العلی بحر العلوم المتوفی ۱۲۳۵ھ اور فقہاء محدثین میں سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح المتوفی ۱۰۵۲ھ اور قاضی محدث محمد اکرم نصرپوری سندی اور مفتی عبد اللہ ٹونکی کو شیخ ابن الصلاح سے اس لئے اختلاف ہے کہ یہ تقسیم اولاً انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔

ثانیاً اس کے تسلیم کرنے سے احادیث کے صحیح و قابل عمل ذخیرہ حدیث سے دستبردار ہونا پڑتا ہے، یہ انداز فکر و نظر تحقیق کے سراسر خلاف ہے۔

---

[۱] عبد العلی، فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ط: ۲- بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ- ۲/ ۱۲۳

[۲] ابن حجر، نزہتہ النظر، ص ۳۱۔

مسند الطیالسی؟

مصنف

مسند ابوداؤد طیالسی، ابوداؤد کی تصنیف ہے یا نہیں۔ اس امر میں اختلاف ہے۔ حافظ ابونعیم اصفہانی اسے ابوداؤد طیالسی کی تصنیف تسلیم نہیں کرتے اور حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری اسے ابوداؤد طیالسی کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔

محدث یونس بن حبیب اصفہانی المتوفی ۲۶۷ھ نے ابوداؤد طیالسی سے متعدد مجالس میں جو حدیثیں سنی تھیں ان احادیث کا مجموعہ "مسند الطیالسی" کے نام سے مشہور ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء میں رقمطراز ہیں۔

قلت سمع یونس بن حبیب عدة مجالس مفرقة فهی المسند الذی وقع لنا [۱]

میں کہتا ہوں یونس بن حبیب نے متعدد متفرق مجالس میں جو حدیثیں ابوداؤد سے سنی تھیں وہ "مسند الطیالسی" ہے جس کی ہمیں روایت اجازت حاصل ہے۔

حافظ ذہبی کے مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ "مسند الطیالسی" ابوداود کی روایات پر مشتمل ہے لیکن اس کی تصنیف نہیں، چنانچہ یونس بن حبیب اصفہانی کے بیک واسطہ شاگرد حافظ ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ حافظ ابومسعود رازی ۲۵۸ھ نے یونس کی فرمائش پر ان کی مسموعات سے یہ مسند مرتب کی ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں۔

قال لنا ابوبکر الخطیب: قال لنا ابونعیم صنف ابو مسعود الرازی لیونس بن حبیب مسند ابی داؤد الطیالسی [۲]

ابوبکر خطیب بغدادی نے کہا کہ ہم سے (ہمارے شیخ) ابونعیم اصفہانی نے بیان کیا کہ ابومسعود رازی نے یونس بن حبیب کی فرمائش پر ان کے لیے مسند ابوداؤد طیالسی تصنیف کی تھی۔

اس واقعہ کو حافظ ابوبکر محمد بن عبدالغنی المعروف بابن نقطہ حنبلی المتوفی ۶۲۹ھ نے التقیید لمعرفة السنن و المسانید میں حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے۔

ویقال ان هذا المسند جمع له مما وجد سماعه من ابی داؤد وجمعه له بعض حفاظ الاصبهانیین [۳]

اور کہا جاتا ہے کہ یہ مسند یونس بن حبیب کی درخواست پر ان روایات سے جن کا سماع موصوف کو ابوداود سے حاصل تھا۔ ترتیب دی گئی۔ یہ مسند اصفہان کے بعض حفاظ حدیث نے یونس کے لئے جمع کی تھی۔

علامہ برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی المتوفی ۸۸۵ھ نے اس امر کی تائید وحاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ کے

---

[۱] الذہبی ۹/ ۳۸۴

[۲] ایضاً ۹/ ۳۸۲

[۳] ابن نقطہ۔ ۲۸۹۔

قول "اسلام میں سب سے پہلے عبید اللہ بن موسیٰ اور ابوداؤد طیالسی نے مسند مدون کی تھی" کی تردید حسب ذیل الفاظ میں کی ہے

قال البقاعی: الذی حمل قائل هذا القول علیه تقدم عصر ابی داؤد علی اعصار من صنف المسانید وظن انه الذی صنفه ولیس کذلک فانه لیس من تصنیف ابو داؤد انما جمعه بعض الحفاظ الخراسانیین جمع فیه ما رواه یونس بن حبیب خاصة عن ابی داؤد، قال: ولیشبه هذا مسند الشافعی فانه من تصنیفه وانما لقطه بعض الحفاظ النیسابوریین من مسموع الاصم من الام و سمع علیه انتهی [1]

بقاعی کہتا ہے کہ جس نے یہ کہا کہ سب سے پہلے جس نے مسند تالیف کی وہ ابوداؤد طیالسی ہے اس نے اس وجہ سے ایسا کہا ہے کہ طیالسی کو مؤلفین مسانید میں تقدم زمانی حاصل ہے اس کا یہ گمان ہے کہ یہ اس کی تصنیف ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اسے بعض خراسانی حفاظ نے جمع کیا ہے اور اس میں خاص طور سے انہی روایات کو جمع کیا ہے جنہیں یونس بن حبیب نے ابوداؤد طیالسی سے روایت کیا ہے۔ پھر بقاعی نے کہا کہ یہ مسند الشافعی کے مشابہ ہے۔ کیونکہ مسند الشافعی بھی امام شافعی کی تصنیف سے نہیں اسے بھی بعض نیساپوری حفاظ نے کتاب الام سے جو اصم کی شنیدہ ہے اور انہیں اس کا سماع امام شافعی سے حاصل ہے اس کا انتخاب ہے۔

حاجی خلیفہ مصطفیٰ چلپی المتوفی ۱۰۶۷ھ نے علامہ بقاعی کے مذکورہ بالا الفاظ من وعن کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون میں نقل کئے ہیں [2]

حافظ ابونعیم کے معاصر ابوعبداللہ الحاکم النیساپوری المتوفی ۴۰۵ھ نے مسند الطیالسی کو ابوداؤد طیالسی کی تصنیف ہی قرار نہیں دیا۔ بلکہ اسے اسلام میں سب سے پہلی مسند تسلیم کیا ہے چنانچہ موصوف المدخل میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال الحاکم رحمه الله وهذه المسانید التی صنفت فی الاسلام روایات الصحابة رضوان الله علیهم اجمعین مشتملة علی روایة المعدلین من الرواة وغیرهم من المجروحین کمسند عبید الله بن موسیٰ وابی داؤد وسلیمان بن داؤد الطیالسی وهما اول من صنف المسند علی تراجم الرجال فی الاسلام [3]

حاکم اللہ کی رحمت اس پر نازل ہو کہتا ہے کہ یہ مسانید جو اسلام میں تصنیف کی گئی ہیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات ہیں عادل اور ثقہ رواۃ اور مجروح راویوں کی روایتوں پر مشتمل ہے جیسے عبید اللہ بن موسیٰ ابوداؤد سلیمان بن داود طیالسی کی مسند ہیں اور یہ دونوں وہ پہلے محدث ہیں جنہوں نے اسلام میں تراجم رجال پر مسند تصنیف کی ہیں۔

حافظ ابن رجب حنبلی المتوفی ۷۹۵ھ نے شرح علل الترمذی میں حاکم نیساپوری کے مذکورہ بالا قول کو نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مختار بھی یہی ہے [4]

---

[1] الامیر الصنعانی ۱/۲۲۹ والسیوطی ۱/۱۰۲

[2] حاجی خلیفہ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، استنبول، مطبعة الحکومة الترکیة ۱۹۴۳ء ۲/ک ۱ ص ۱۶۷۹

[3] الحاکم النیساپوری، المدخل، حلب، مطبعة العلمیة، ۱۳۵۱ھ ص ۴

[4] ابن رجب ۱/۳۴۴

ترتیب مسند الطیالسی حافظ ابن حجر نے ۸۰۳ھ میں غالباً سب سے پہلے مسند طیالسی کو پھر مسند عبد بن حمید کو ابوابِ فقہ پر مرتب کیا۔ لیکن ۸۰۶ھ میں یہ دونوں کتابیں ان کے بحری سفر میں ڈوب گئیں اس طرح یہ ذخیرہ برباد ہو گیا[1] پھر موصوف کے نامور تلمیذ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ نے فقہی ابواب پر نہیں بلکہ صحابہ کے راویوں کے نام پر مسند الطیالسی کو مرتب کیا[2] جس کے بعض حصے کا فوٹو میرے برادر زادہ مولانا محمد عبد الشہید نعمانی کے پاس موجود ہے حافظ سخاوی کے مکمل نسخہ کا ہمیں علم نہیں، مرتب نسخہ کی نشاندہی اردو دائرۂ معارف اسلامیہ دانشگاہِ پنجاب لاہور کے فاضل مقالہ نگار نے کی۔

"فقہی ابواب کی ترتیب سے اس کی تبویب بھی ہو چکی ہے ازامۃ الرحمٰن عمر مخطوط در کتب خانہ نور" (ابو داؤد الطیالسی) یہ نسخہ زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔

عصر حاضر کے محدث شیخ احمد عبد الرحمٰن البنا الساعاتی نے مسند الطیالسی کو فقہی ابواب پر مرتب کیا اس کا نام منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابو داؤد ہے پھر موصوف نے تصحیح وتعلیقات لکھیں جس کا نام التعلیق المحمود علی منحۃ المعبود ہے۔ یہ دو جلدوں میں مطبعہ منیریہ مصر سے ۱۳۷۲ھ میں شائع کی گئی ہیں۔ موصوف ضرورت ترتیب کے متعلق کتاب مذکور ص۱۵ میں لکھتے ہیں۔

پہلے زمانہ میں اس ترتیب سے مقصد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں منتشر حدیثوں کو جمع کرنا تھا تاکہ وہ ضائع نہ ہو سکیں اور سلف کے زمانہ میں یہ ترتیب مفید بھی تھی۔ کیونکہ انہیں اپنے حافظا ور بیان پر بھروسہ تھا چنانچہ وہ کتاب کے مقام اور متشابہ حدیثوں کے موقعوں سے واقف تھے۔ اور اب لوگوں کا اعتماد ضبط کتاب پر رہ گیا۔ اس وجہ سے یہ ترتیب ان کے لئے مفید نہیں لہٰذا اب تمہاری استطاعت سے باہر ہے کہ تم حدیث مقصود کی طرف رہنمائی پاؤ اور نہ تمہیں یہ قدرت ہے کہ اگر کوئی حدیث بہت سے صحابہ سے مروی ہو تو تم اس کو پا سکو۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ تم ان کی تمام مسندوں کو پڑھو اس وقت یہ ممکن ہے کہ تمہیں اس حدیث کے راوی کا نام معلوم ہو۔ لیکن تمہیں اگر اس کے راوی کا نام معلوم نہیں تو ہمارے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ تم پوری کتاب پڑھو اور اس کا اب کوئی متحمل نہیں۔ لہٰذا اس دور میں ان کتابوں سے جو مسانید پر مرتب ہیں انتفاع جاتا رہا اور لوگوں میں ان کا رواج بھی کم ہو گیا ہے۔ اس امر نے مجھے اس کتاب کی خدمت پر آمادہ کیا اور یہی بات اس کتاب کو نئے لباس میں جلوہ گر کرنے کا باعث ہوئی۔

محدث ساعاتی نے نہ متون احادیث کی تخریج کی اور نہ سند کے رجال سے بحث کی۔ یہ بحثیں اگر کی جاتیں تو معلوم ہوتا کہ مسند ابی داؤد طیالسی میں کتنی حدیثیں صحیح کے درجہ کی اور کتنی حسن اور ضعیف ہیں حاشیہ میں کہیں کہیں ایسا کیا ہے لیکن وہ قابل ذکر کارنامہ نہیں۔ چوتھی فقہی ترتیب ابو عمران عنایت اللہ اثری وزیر آبادی نے النور الطرابلسی فی تبویب المسند لابی داؤد الطیالسی کے نام سے کی ہے جس کا اردو ترجمہ ابو احمد محمد دلپذیر صاحب نے کیا ہے۔

اس زمانے میں منحۃ المعبود عالم اسلامی میں زیادہ متداول ہے ۱۴۰۰ھ میں دوسری بار فوٹو سے شائع ہوئی شیخ ساعاتی کو مسند طیالسی کا کوئی قدیم نسخہ نہیں مل سکا اس لئے حیدرآباد کے مطبوعہ نسخہ میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں منحۃ المعبود بھی ان خامیوں سے محفوظ نہیں۔

---

[1] شاکر محمود عبد المنعم: ابن حجر العسقلانی دراسۃ مصنفاتہ ومنهجه وموارده فی کتابہ بالاصابۃ۔ بغداد، دار الرسالۃ للطباعۃ ۱۹۷۶ء ص۴۲۹

[2] السخاوی الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، القاہرۃ، مکتبۃ القدسی ۱۳۵۴ھ ۸/۱۹

ترتیب اطراف احادیث مسند الطیالسی

یہ شیخ ابو عبد اللہ اسعد المرعشلی کی تالیف ہے موصوف نے اس میں مسند طیالسی کی احادیث کے اطراف کو حروف ہجاء کی ترتیب پر جمع کیا ہے۔ یہ متوسط تقطیع کے ۱۵۵ صفحات پر مشتمل ہے کویت میں مکتبہ دار الاقصیٰ سے ۱۴۰۷ھ - ۱۹۸۶ء میں شائع کی گئی ہے۔

دار المعرفۃ بیروت سے مسند ابی داؤد طیالسی ۱۹۰۱ء میں شائع کی گئی تو اس کے آخر میں ڈاکٹر یوسف المرعشلی نے فہرس الاحادیث والآثار کے نام سے مسند ابی داؤد الطیالسی کے اطراف کا اضافہ کیا ہے، مسند ابی داؤد طیالسی کے اس نسخہ کا فوٹو مکتبہ حسینیہ گوجرانوالہ سے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا گیا

مسند ابی داؤد طیالسی کی جملہ احادیث کا تحقیقی جائزہ ایک جداگانہ موضوع ہے تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جن ائمہ فن نے موصوف کی مرویات سے اعتناء کیا اور اپنی کتابوں کو ان سے زینت بخشی ان میں ارباب صحاح میں سے امام مسلم، ابوداؤد ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کا نام سرفہرست ہے ان کے علاوہ (۱) امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ نے ابوداؤد طیالسی کی روایات اپنی مسند میں نقل کی ہیں جن میں بیشتر روایات ایسی ہیں جو مسند ابوداؤد طیالسی میں نہیں پائی جاتیں

۲- حافظ عبد بن حمید کسی المتوفی ۲۴۹ھ نے موصوف کی روایتیں اپنی مسند میں نقل کی ہیں اس کا قلمی نسخہ پیر جھنڈو کے کتب خانہ میں نظر سے گزرا تھا۔ یہ مسند اسلامی دنیا میں اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی، اس کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی، لیکن جو تین روایتیں حافظ ذہبی نے اس کے حوالہ سے میزان الاعتدال میں نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بعض روایتیں مسند ابی داؤد طیالسی میں نہیں پائی جاتیں۔

۳- حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ نے کتاب المصنف میں موصوف سے روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے بھی بیشتر کا سراغ مسند ابی داؤد طیالسی میں نہیں ملتا، مسند ابی بکر بن ابی شیبہ میں بھی ابوداؤد طیالسی کی روایات کا ذخیرہ مل سکتا ہے لیکن وہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔

۴- امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ، ابوداؤد طیالسی کے بیک واسطہ شاگرد ہیں وہ اپنے شیخ قاضی ابوبکرہ بکار بن قتیبہ بصری المتوفی ۲۵۰ھ کے واسطہ سے شرح معانی الآثار میں بکثرت روایتیں نقل کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر روایتیں مسند ابوداؤد طیالسی کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں پائی جاتیں۔

۵- امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ ابوداؤد طیالسی سے تین واسطوں سے روایت کرتے ہیں۔ یہ شیخ ابوبکر محمد بن حسن بن فورک شافعی المتوفی ۴۰۶ھ سے اور وہ محدث اصفہان شیخ عبد اللہ بن جعفر بن احمد بن فارس اصفہانی المتوفی ۳۴۶ھ سے اور یہ شیخ یونس بن حبیب اصفہانی المتوفی ۲۶۷ھ سے اور وہ ابوداؤد سے، مسند ابوداؤد طیالسی کے تنہا راوی ہیں۔ اس لئے امام بیہقی کی اکثر و بیشتر روایتیں مسند طیالسی میں مل جاتی ہیں۔ لیکن ابو داؤد کے مذکورہ بالا دیگر تلامذہ کی اکثر و بیشتر روایتیں مسند طیالسی میں نہیں ملتیں، امام بیہقی کی سنن الکبریٰ کی جو روایتیں مسند ابی داؤد طیالسی میں نہیں ملتی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مطبوعہ نسخہ ناقص ہے۔

مسند ابوداؤد طیالسی، طیالسی کی تصنیف ہے یا حافظ ابومسعود احمد بن الفرات کی تالیف ہے یہ ایک بحث ہے جو اب تک جاری ہے اس میں دونوں طرف دلائل موجود ہیں اس نوع کے تقابلی مطالعہ کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں اس لئے

کہ اب حقیقت واضح ہو گئی کہ حافظ ابو مسعود احمد بن الفرات نے جو خود ابو داؤد طیالسی کے شاگرد تھے موصوف کے تلمیذ یونس بن حبیب کی فرمائش پر مسند ابوداؤد طیالسی کو مرتب کیا تھا

چنانچہ محدثین یونس بن حبیب اصفہانی کے واسطہ سے ابوداؤد سے روایت کرتے ہیں ان کی روایتیں مسند طیالسی کے مطبوعہ نسخہ میں مل جاتی ہیں لیکن دوسرے تلامذہ کی روایتیں نہیں ملتی ہیں۔

یہ امر اس حقیقت کا نہایت بین ثبوت ہے کہ یہ ابوداؤد طیالسی کی تصنیف نہیں ہے۔

شیخ احمد البناء المعروف بالساعاتی نے منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی، ابو داؤد کی اور ابو عمران عنایت اللہ اثری وزیر آبادی نے النور الطرابلسی (فی تبویب المسند) لابی داؤد الطیالسی کی ترتیب فقہی کے موقعہ پر ان کتابوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

صرف امام بیہقی کی السنن الکبریٰ سے مراجعت کی جائے تو حسب ذیل فوائد حاصل ہو سکتے ہیں

۱۔ متن و سند حدیث کی صحت میں مدد مل سکتی ہے، یعنی مسند ابی داؤد اور سنن کبریٰ بیہقی ہر دو کی روایتوں کی تصحیح کی جا سکتی ہے۔

۲۔ مسند ابوداؤد طیالسی کے مطبوعہ نسخہ میں جو کمی رہ گئی وہ بآسانی پوری کی جا سکتی ہے۔

۳۔ عنوانات کی تعیین میں مدد مل سکتی ہے۔

۴۔ مسانید صحابہ میں جو مسانید مطبوعہ نسخہ سے ساقط ہیں ان مسانید کا خلا بھی اس کی مدد سے پر کیا جا سکتا ہے

امام طحاوی کی شرح معانی الآثار، امام بیہقی کی السنن الکبریٰ، اور ابوبکر بن ابی شیبہ کی کتاب المصنف میں روایتوں کی فقہی ترتیب عمل میں لائی گئی ہے

مذکورہ بالا ایسی خامیاں ہیں جو اب تک مطبوعہ نسخہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان خرابیوں کو بآسانی دور کیا جا سکتا ہے

ہمارے یہاں اہل علم صحاح ستہ کی خدمت کرتے رہتے ہیں جس پر کام ہوتا رہا ہے اب محققین کو حدیث کی ایسی کتابوں پر کام کرنا چاہئے جن پر تحقیقی کام نہیں کیا گیا۔ اس طرح ذوقِ تحقیق پختہ ہوتا اور محقق میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے

ابوداؤد طیالسی کی جو روایتیں کتب صحاح ستہ، اور مسند احمد، شرح معانی الآثار، کتاب المصنف لابی بکر بن ابی شیبہ اور بیہقی کی السنن الکبریٰ میں آئی ہیں راویانِ سند کو دیکھ کر ان کی حیثیت متعین کی جا سکتی ہے تاہم مذکورہ بالا کتب میں اندراج ایسے قرائن ہیں جن کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ موصوف کی مرویات صحیح اور بیشتر روایتیں حسن کے درجہ کو پہنچتی ہیں مزید تحقیق حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ سے کی جا سکتی ہے اس میں موصوف نے آٹھ مسندوں کی ان روایتوں کو جو صحاح ستہ کے علاوہ ہیں ابواب فقہ پر مرتب کیا ہے، رجال سند میں کہیں کوئی ضعیف راوی آیا ہے اس کی نشاندہی کی ہے اس سے روایت کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے

گذشتہ اوراق میں مسند ابوداؤد طیالسی کی جداگانہ ترتیب کا بیان تھا دوسری مسندوں کے ساتھ بھی اس کی

فقہی ابواب پر ترتیب دی گئی ہے، یہ خدمت بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے کی وہ المطالب العالیہ میں رقمطراز ہیں۔
مشہورات سے میری مراد صحاح ستہ اور مسند احمد ہیں اور مسندات سے وہ کتابیں مراد ہیں جو مسانید صحابہ پر مرتب ہیں ان میں آٹھ مسند "کاملات" ہیں اور وہ
۱۔ مسند ابی داؤد طیالسی۔ ۲۔ مسند حمیدی۔ ۳۔ مسند ابن ابی عمر، ۴۔ مسند مسدد ۵۔ مسند احمد بن منیع
۶۔ مسند ابی بکر بن ابی شیبہ، ۷۔ مسند عبد بن حمید۔ ۸۔ مسند حارث بن ابی اسامہ۔
میں نے ان کی احادیث کو فقہی ابواب پر ترتیب دیا۔ پھر ۱۔ بدء الخلق، ۲۔ ایمان۔ ۳۔ علم (اتباع سنت) (۴) تفسیر، (۵) قصص انبیاء (۶) مناقب (۷) سیرت نبویہ، (۸) مغازی خلفاء۔ (۹) آداب (۱۰) ادعیہ (۱۱) زہد و رقاق (۱۲) فتن۔ (۱۳) تعبیر رؤیا۔ (۱۴) بعث بعد الموت، حشر و نشر کے عنوانات کے تحت احادیث کو جمع کیا[1]

روایات مسند ابی داود کا ابو داؤد کی ان مرویات سے جو مسانید و سنن میں منقول ہیں مختصر جائزہ

مسند الامام احمد

(۱) حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة وحجاج وابو داود قال حدثني شعبة عن قتادة قال سمعت ابا عثمان النهدی قال جاء نا كتاب عمر۔ مسند احمد ۱/۵۰۔ مسند ابو داؤد میں ابو عثمان النہدی کا عنوان ہے لیکن یہ روایت نہیں ہے

۲۔ حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا سليمان بن داؤد انبأنا شعبة عن ابی اسحاق سمع عاصم بن ضمرة عن علی رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم كان يصلی من الضحی۔ مسند احمد ۱/۸۹۔ مسند ابی داؤد ۱۹ (۱۲۷)

۳۔ حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا سليمان بن داؤد ثنا عبد الرحمان يعني ابن ابي الزناد عن موسى بن عقبة عن عبد الله بن الفضل بن عبد الرحمان بن قلات بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب الهاشمي عن عبد الرحمان الاعرج عن عبيد الله بن ابي رافع عن علي بن ابي طالب رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان اذا قام الى الصلوٰة المكتوبة كبر ورفع يديه حذو منكبيه ويصنع مثل ذلك اذا قضى قراءته واراد ان يركع ويصنعه اذا رفع رأسه من الركوع ولا يرفع يديه في شئ من صلاته وهو قاعد واذا قام من السجدتين رفع يديه كذلك وكبر۔ مسند احمد ۱/۹۳، مسند ابو داؤد میں مسند علی کا عنوان ہے یہ روایت نہیں ہے۔

---

[1] ابن حجر المطالب العالیہ، بزوائد المسانید الثمانیہ، تحقیق شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ب، ت ص ۴

۴ ـ حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا سليمان بن داؤد انبأنا عبد الرحمان يعني ابن ابي الزناد عن موسى بن عقبة عن ابي عبد الله القراظ عن سعد بن ابي وقاص انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول صلاة في مسجدي هذا خير من الف صلاة فيما سواه الا المسجد الحرام ـ مسند احمد ۱/۱۸۴ ـ مسند ابی داؤد میں سعد کا عنوان ہے لیکن یہ روایت نہیں ہے ۔

۵ ـ حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا ابوداؤد سليمان ثنا ابراهيم بن سعد عن صالح بن كيسان ثنا ابن شهاب عن عبد الحميد بن عبد الرحمان عن محمد بن سعد عن ابيه قال استاذن عمر رضي الله عنه على النبي صلى الله عليه وسلم وعنده جوار قد علت اصواتهن على صوته فاذن له فبادرن فذهبن فدخل عمر رضي الله عنه ورسول الله صلى الله عليه وسلم يضحك فقال عمر رضي الله عنه اضحك الله سنك يا رسول الله بابي وانت قال فذ عجبت لجوار كن عندي فلما سمعن حسك بادرن فذهبن فاقبل عليهن فقال اي عدوات انفسهن والله لرسول الله صلى الله عليه وسلم كنتن احق ان تهبن مني فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم دعهن عنك يا عمر فوالله ان لقيك الشيطان بفج قط الا اخذ فجا غير فجك ، مسند احمد ۱/۱۸۷

مسند ابی داؤد میں عمر کا عنوان ہے لیکن یہ روایت نہیں

۶ ـ حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا سليمان بن داؤد ، يعني ابا داؤد الطيالسي ثنا ابوعامر الخزار عن الحسن عن سعد مولى ابي بكر قال قدمت بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم تمرا فجعلوا يقرنون فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقرنوا ـ ۱/۱۹۹ ـ مسند ابی داؤد میں یہ عنوان ہے یہ روایت نہیں ہے ۔

۷ ـ حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا سليمان بن داؤ ثنا ابوعامر عن الحسن عن سعد مولى ابي بكر وكان يخدم النبي صلى الله عليه وسلم وكان النبي صلى الله عليه وسلم يعجبه خدمته فقال يا ابا بكر اعتق سعدًا فقال يا رسول الله ما لنا ماهن غيره ـ قال فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعتق سعدًا اتتك الرجال ـ قال ابوداؤد يعني السبي ـ مسند احمد ۱/۱۹۹[1]

ابوبکر رضہ کا عنوان ہے لیکن یہ روایت نہیں ہے

۸ ـ حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا سليمان بن داؤد ثنا هشام يعني الدستوائي عن ايوب عن عكرمة عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تفتخروا بابائكم الذين ماتوا في الجاهلية فوالذي نفس محمد بيده كما يدهده الجعل بمنخريه خير من ابائكم الذين ماتوا في الجاهلية ـ مسند احمد ۱/۲۸۷ ، مسند ابی داؤد ص۳۴۹ (۲۶۸۲)

---

[1] في المطبوعة لما

۹۔ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا سلیمان بن داؤد قال ثنا ابو بکر النہشلی عن حبیب بن ابی ثابت عن یحیی ابن الجزار عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بثلاث
مسند احمد ۳۰۱/۱ ، مسند ابی داؤد میں عنوان ہے، یہ روایت نہیں ہے ۔

۱۰۔ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا سلیمان بن داؤد ثنا عباد بن منصور عن عکرمۃ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقف بجمع فلما اضاء کل شئ قبل ان تطلع الشمس افاض ۔ مسند احمد ۳۲۷/۱ ، مسند ابی داؤد میں مسند عبد اللہ بن عباس کا عنوان ہے لیکن یہ روایت نہیں ہے ۔

۱۱۔ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنی سلیمان بن داود انا عبد الرحمان بن ابی الزناد عن ابیہ عن عبید اللہ عن ابن عباس انہ قال مانصر اللہ تبارک وتعالی فی موطن کما نصر یوم احد قال فانکرنا ذلک فقال ابن عباس بینی وبین من انکر ذلک کتاب اللہ تبارک وتعالی ان اللہ عز وجل یقول فی یوم احد ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونہم باذنہ یقول ابن عباس والحس القتل حتی اذا فلتم الی قولہ ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین وانما عنی بہذا الرماۃ وذلک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقامہم فی موضع ثم قال احموا ظہورنا فان رأیتمونا نقتل فلا تنصرونا وان رأیتمونا قد غنمنا فلا تشرکونا فلما غنم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واباحوا عسکر المشرکین اکب الرماۃ جمیعا فدخلوا فی العسکر ینہبون وقد التقت صفوف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہم کذا وشبک بین اصابع یدیہ والتبسوا فلما اخل الرماۃ تلک الخلۃ التی کانوا فیہا دخلت الخیل من ذلک الموضع علی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فضرب بعضہم بعضا والتبسوا وقتل من المسلمین ناس کثیر وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ اول النہار حتی قتل من اصحاب لواء المشرکین سبعۃ او تسعۃ وجال المسلمون جولۃ نحو الجبل ولم یبلغوا حیث الناس الغار انما کانوا تحت المہراس وصاح الشیطان قتل محمد فلم یشک فیہ انہ حق فما زلنا کذلک ما نشک انہ قد قتل حتی طلع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین السعدین نعرفہ بتکفئہ اذا مشی قال ففرحنا کانہ لم یصبنا ما اصابنا قال فرقا نحونا وھو یقول اشتد غضب اللہ علی قوم دموا وجہ رسولہ ویقول مرۃ اخری اللہم انہ لیس لہم ان یعلونا حتی انتہی الینا فمکث ساعۃ فاذا ابو سفیان یصیح فی اسفل الجبل اعل ہبل مرتین یعنی الہتہ ۔ این ابن کبشۃ ، این ابن ابی قحافۃ ، این ابن الخطاب فقال عمر یارسول اللہ الا اجیبہ قال بلی قال فلما قال اعل ہبل ۔ قال عمر اللہ اعلی واجل قال فقال ابو سفیان یا ابن الخطاب انہ قد انعمت عینہا فعاد عنہا او فعال عنہا فقال این ابن ابی کبشۃ ، این ابن ابی قحافۃ

این ابن الخطاب فقال عمر هذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهذا ابو بکر وها انا ذا عمر قال فقال ابو سفیان یوم بیوم بدر، الایام دول والحرب سجال قال فقال عمر لاسواء قتلانا فی الجنة وقتلاکم فی النار قال انکم لتزعمون ذلك لقد خبنا اذا وخسرنا ثم قال ابو سفیان اما انکم سوف تجدون فی قتلاکم مثلی ولم یکن ذاك عن رأی سراتنا قال ادرکته حمیة الجاهلیة قال فقال اما انه قد کان ذاك لم یکرهه ، مسند احمد ۱/ ۱۸۷-۱۸۸

مسند ابوداؤد میں عنوان ہے لیکن یہ روایت نہیں ہے ۔

مسند عبد بن حمید حافظ ابو محمد عبد بن حمید بن نصر الکسی المتوفی ۲۴۹ھ ابو داؤد طیالسی کے تلمیذ تھے[۱]، موصوف نے اپنی مسند میں ابوداؤد سے روایتیں نقل کی ہیں چنانچہ حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے صدقہ بن موسی الدقیقی البصری ، ابو المغیرہ (دت) کے تذکرہ میں مسند ابو داؤد طیالسی کی تین روایتیں نقل کی ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل روایت مسند ابی داؤد طیالسی میں نہیں ہے ۔

حدثنا سلیمان بن داؤد حدثنا صدقة بن موسی ، حدثنا محمد بن واسع عن بشیر بن نهار العبدی عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جددوا ایمانکم واکثروا من قول لا اله الا اللہ[۲]

شرح معانی الآثار للطحاوی ۱- حدثنا ابو بکرة قال ثنا ابوداؤد قال ثنا شعبة قال اخبرنی مسعود بن علی عن عکرمة ان سعدا کان یصلی الصلوات کلها بوضوء واحد مالم یحدث ، شرح معانی الآثار ۱/ ۲۷

مسند ابوداؤد میں سعد کا عنوان ہے لیکن یہ روایت نہیں ہے

۲- حدثنا ابو بکرة قال ثنا ابوداؤد قال ثنا شعبة عن عمرو بن عامر قال سمعت انسا یقول کنا نصلی الصلوات کلها بوضوء واحد مالم نحدث - ۱/ ۲۷

مسند ابی داؤد میں عنوان حضرت انس کا ہے لیکن یہ روایت نہیں ہے ۔

۳- حدثنا ابو بکرة قال حدثنا ابوداؤد قال ثنا حرب بن شداد عن یحیی بن ابی کثیر قال حدثنی ابو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف ان سعید بن ابا سفیان بن المغیرة اخبره انه دخل علی ام حبیبة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ندعت له سویق فشرب

---

[۱] الذہبی ۱۲/ ۲۳۵

[۲] الذہبی ، میزان الاعتدال ۲/ ۳۱۲ و ۳۱۳

ثم قالت یا ابن اخی توضأ فقال انی لم احدث شیئا فقالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال توضأوا مما مست النار۔ ۱/۳۸

مسند ابی داؤد میں ام حبیبہ کا عنوان ہے لیکن یہ روایت نہیں ہے

۴ ۔ حدثنا ابوبکرۃ قال ثنا ابوداؤد قالوا ثنا شعبۃ قال سمعت ابا عون محمد بن عبید اللہ الثقفی یقول سمعت عبد اللہ بن شداد بن الھاد یحدث عن ام سلمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی الصلوٰۃ فنشلت لہ کتفا فاکل منھا ثم خرج فصلی ولم یتوضأ ۱/۳۹

۵ ۔ حدثنا ابوبکرۃ قال ثنا ابوداؤد قال ثنا رباح بن معروف عن عطاء عن جابر ح
وحدثنا ابوبکرۃ قال ثنا ابوداؤد قال ثنا ھشام عن ابی الزبیر عن جابر ح
وحدثنا ابوبکرۃ قال ثنا ابوداؤد قال ثنا ابوعوانۃ عن ابی بشر عن سلیمان بن قیس عن جابر ح
وحدثنا ابوبکرۃ قال ثنا ابوداؤد قال ثنا زائدۃ قال ثنا عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن جابر قال اکلنا مع ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ خبزا ولحما ثم صلی ولم یتوضأ ۱/۴۰ و ۴۱

اخبرنا : مسند ابوداؤد میں جابر کا عنوان ہے لیکن یہ روایت نہیں ہے

السنن الکبریٰ للبیہقی

(اخبرنا) ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک: انا، عبد اللہ بن جعفر، انا یونس بن حبیب ثنا ابوداؤد ثنا یزید بن طھمان الرقاشی ثنا محمد بن سیرین قال: قال معاویۃ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا ترکبوا الخز ولا النمار قال محمد وکان معاویۃ اذا حدث مثل ھذا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یتھم۔

۱/۲۲ ۔ مسند طیالسی میں عنوان ہے اور یہ روایت نہیں ہے۔

۲ ۔ (اخبرنا) ابوبکر بن فورک رحمہ اللہ تعالیٰ انا عبد اللہ بن جعفر ثنا یونس بن حبیب نا ابوداؤد ونا ھشام عن یحیی بن ابی کثیر عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اتی احدکم الخلاء فلا یستنجین بیمینہ ولا یمس ذکرہ بیمینہ " مخرج فی الصحیحین من حدیث ھشام الدستوائی ۔ ۱/۱۱۲

یہ روایت مسند ابی داود طیالسی میں نہیں ہے ۔

(اخبرنا ابو عبد اللہ انبأنا ابوبکر احمد بن اسحاق الفقیہ انبأ عبد اللہ بن محمد ثنا محمد بن بشار ثنا ابوداؤد ثنا شعبۃ عن الاعمش عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت من الناس من یقول کان ابوبکر رضی اللہ عنہ المقدم بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصف ومنھم من یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم المقدم ۔ ھکذا رواہ الطیالسی عن شعبۃ عن الاعمش، ۳/۸۲ ۔ مسند عائشہؓ کا مسند ابوداؤد میں عنوان ہے لیکن روایت نہیں ہے۔

ابوداؤد طیالسیؒ نے اپنے زمانے کے ایک ہزار محدثین سے اکتساب فیض کیا ان میں سے تہتر[73] شیوخ کی نشاندہی حافظ ابوالحجاج مزی نے تہذیب الکمال میں کی ہے۔

اساتذہ وشیوخ

ہمیں مسند ابوداؤد طیالسی میں جن شیوخ سے روایتیں مل سکی ہیں وہ کم وبیش دوسو بیس[220] ہیں ان میں بیشتر صحاح ستہ کے رواۃ ہیں جن کی مہارتِ فن وجلالتِ قدر اظہر من الشمس ہے، مسند ابوداؤد میں بعض ایسے شیوخ سے بھی روایتیں لی گئی ہیں جن کا تعلق طبقۂ ثالثہ یا طبقۂ خامسہ سے ہے ظاہر ہے اصل سند میں ایک دو راوی ساقط ہوگئے ہیں یا پھر تدلیس ہوئی ہے۔ شیوخ ابوداؤد کے نام ہدیۂ ناظرین ہیں۔

(صح، ع) - ابن سعد (ابراہیم بن سعد الزہری) [۱۰۸-۱۸۳ھ]

ع - ابن عون (عبداللہ بن عون بن ارطاۃ المزنی ابوعون الخزار البصری - [۱۵۰-۱۵۱ھ]

خت، د، ت، ق - ابن فضالہ (مبارک بن فضالہ) البصری [۱۶۴-۱۶۶ھ]

ع - ابن عیینہ (سفیان بن عیینہ) [۱۲۷-۱۹۸ھ]

ع - ابن المغیرۃ القیسی (سلیمان بن المغیرۃ، ابوسعید البصری [۰۰-۱۶۵ھ]

ق - ابن نافع (عبداللہ بن نافع مولی ابن عمر المدنی - [۱۵۴ھ]

ع - ابن ابی ذئب (محمد بن عبدالرحمن بن المغیرۃ بن الحارث القرشی العامری ابوالحارث المدنی [۱۵۸/۱۵۹ھ]

خت من ۴ - ابن ابی الزناد (عبدالرحمن بن ابی الزناد عبداللہ بن ذکوان القرشی مولاہم ابومحمد المدنی [۱۰۰-۱۷۴ھ]

ت ق - ابن ابی الزید (عبدالرحمن بن زید بن اسلم العدوی مولاہم (۰۰-۱۸۲ھ]

ابوابراہیم کذا فی المطبوعۃ ابوموسی محمد بن المثنی

ع - ابوالاحوص (سلام بن سلیم الحنفی الکوفی، [۰۰-۱۷۹ھ]

ف، ق - ابواسرائیل بن ابی اسحاق الملائی الکوفی (اسماعیل بن خلیفہ العبسی ۱۶۹ھ)

ع - ابوالاشہب (جعفر بن حیان السعدی العطاردی البصری الخزار الاعمی)

خ - م س - ابوبشر سلم بن زریر البصری

خ - م ق ع - ابوبکر بن عیاش ابن سالم الاسدی الحناط المقری [۹۶-۱۹۴ھ]

ق - ابوبکر الہذلی (سلمی بن عبداللہ بن سلمی البصری - [۱۶۷ھ]

ق - ابوحبیب (بن یعلی بن منیہ التمیمی)

م ق س - ابوحرۃ (واصل بن عبدالرحمن البصری (۱۵۲ھ)

ت ق - ابوحمید (کذا فی المطبوعۃ، الصحیح محمد بن ابی حمید ابراہیم الانصاری الزرقی المدنی)

ابوسعد (عن الزہری)

خت م س ق - ابوسفیان (محمد بن حمید الیشکری المعمری البصری - [۱۸۱-۱۸۲ھ]

بخ، ت، س ق ۔ ابوسلمۃ الخراسانی (المغیرۃ بن مسلم السراج القسملی)

ابوالصباح الشامی ۔

م ع د ابوعامر الخزاز صالح بن رستم

ابوعبیدہ (عبدالواحد بن زید البصری) وعبدالواحد بن واصل السدوسی مولاہم ابوعبید الحداد عبدالوارث بن سعید التنوری، ابوعبیدہ ۔

بخ ع ابوعتیبہ (اسماعیل بن عیاش الحمصی) ۱۸۱۔۱۸۲ھ

م ق د ابوعقیل (یحیی بن المتوکل العمری المدنی) یقال الکوفی الحذاء الضریر) ۱۶۸ھ

ابوعمر الازدی اوالعبدی

خت ع ابوعمران (والصحیح عمران بن داور ابن العوام القطان البصری)

ع ابوعوانہ (الوضاح بن عبداللہ الیشکری الواسطی البزاز (۱۷۵۔۱۷۶ھ)

ت ابوعیینہ (لعلہ ابن عیینہ، سفیان بن عیینہ)

ابوکعب وعبدربہ بن عبید الازدی الجرموزی مولاہم ابوکعب البصری صاحب الحریر

ابومحمد الملیکی

ابومعشر

بخ م وت ق ابووکیع (الجراح بن ملیح بن عدی الرواسی الکوفی ۱۷۵۔۱۷۶ھ)

خ م د ت س ابان بن یزید ابویزید العطار البصری (..... فی حدود ۱۶۰ھ}

ع ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری ۔ ابواسحاق المدنی [..... ۱۸۵ھ]

د س ابراہیم بن عامر بن مسعود الجمحی

خ م د ق اسحاق بن سعید ابن عمرو القرشی الاموی، السعیدی الکوفی ۔ ۱۷۰ھ

ع اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی الہمدانی ابویوسف الکوفی (..... ۱۶۰ھ}

ع اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر الزرقی مولاہم ابواسحاق المدنی {۱۸۰ھ)

ی ۴ اسماعیل بن عیاش ابن سلیم العنسی ابوعتبۃ الحمصی {۱۸۱ھ}

بخ م د س ق اسود بن شیبان السدوسی مولاہم البصری (فی ۱۶۰ھ}

ت ق اشعث بن سعید السمان ابوالربیع البصری

انس بن مالک الکوفی

د ایاس بن دغفل الحرثی ابودغفل البصری

خ س ت ق ایمن بن نابل الحبشی ابوعمران المکی نزیل عسقلان

بخ	ایوب بن ثابت المکی
د ت	ایوب بن جابر بن سیار السحیمی ابو سلیمان الیمامی ثم الکوفی
ق	ایوب ابن عتبۃ الیمامی ابو یحیی القاضی

ب

ع	براء بن عبداللہ بن یزید الغنوی البصری القاضی
بخ ل	بسطام بن مسلم بن نمیر العوذی البصری ۔
	بکار اللیثی
س	بکر بن بکار القیسی ابو عمرو البصری ۔

ث

ع	ثابت بن یزید بن الاحول ، ابو زید البصری { ۱۶۹ھ }
ت ق	ثواب بن عتبۃ المہری البصری

ج

س	جابر بن یزید بن رفاعۃ العجلی الکوفی الموصلی
	جریج بن معاویۃ
ع	جریر بن حازم بن عبداللہ الازدی ۔ ثم العتکی ابو النضر البصری { .... ۱۷۰ھ }
ع	جریر بن عبدالحمید ابن قرط الضبی الکوفی ثم الرازی ابو عبداللہ القاضی { ۱۸۸ھ }
	جسر بن فرقد ابو جعفر
	جعفر بن برید او ابن برد
	جعفر بن الزبیر الحنفی
م ع د	جعفر بن سلیمان الضبعی ابو سلیمان البصری مولی بنی الحریش { ... ۱۷۸ھ }
	جعفر بن عثمان القرشی
	جہیر بن یزید العبدی ابو حفص البصری
خ م د س ق	جویریہ بن اسماء بن عبید الضبعی البصری { ۱۷۳ھ }

ح

خت م د ت	الحارث بن عبید ابو قدامہ الایادی البصری المؤذن
عخ م س ق	حبیب بن ابی حبیب یزید الجرمی البصری الانماطی { .. - ۱۶۲ھ }

س — حدیج بن معاویہ بن حدیج اخو زہیر [۰۰۰-۱۷۱ھ]

خ، م، د، ت، س — حرب بن شداد الیشکری ابو الخطاب البصری العطار [۰۰-۱۶۱ھ]

بخ، مد، ت — حریث بن السائب التمیمی الاسدی البصری۔

حریش بن سلیم الکوفی الیامی ابو سعید۔

ت ق — حسن بن ابی جعفر عجلان الجعفری ابو سعید الازدی البصری۔ [۰۰-۱۶۷ھ]

د س — حسن بن علی ابو جعفر المدنی

ت، ق — حسن بن عمارۃ البجلی مولاہم ابو محمد الکوفی واصل الاحدب۔ [۰۰-۱۵۳ھ]

حسن بن وقاص الانصاری۔

ت — حشرج بن نباتۃ الاشجعی ابو مکرم الکوفی ثم الواسطی

الحکم ابن عیینہ] ع الحکم بن عیینہ ابو محمد الکندی الکوفی (۱۱۳ھ) طبقہ خامسہ کے مدلس ہیں یا ہے کوئی راوی چھوٹ گیا ہے

ت — الحکم ابو عثمان بن عطیۃ العیشی

ع — حماد بن زید بن درہم الازدی الجہضمی ابو اسماعیل البصری۔ [۹۸-۱۷۹ھ]

خت م ع — حماد بن سلمہ بن دینار البصری ابو سلمہ [۰۰-۱۶۷ھ]

خت س ق — حماد بن نجیح ابو عبد اللہ الاسکاف السدوسی

قد ت — حماد بن یحییٰ الابح السلمی ابو بکر البصری

حماد بن یزید مسلمہ المنقری ابو یزید البصری

حمزۃ بن ثابت

ت س — حمید بن مہران ابی حمید الخیاط الکندی

خ

ت ق — خارجۃ بن مصعب ابو الحجاج السرخسی [۰۰-۱۶۸ھ]

خ د ت س — خالد بن دینار التمیمی السعدی ابو خلدۃ البصری الخیاط۔

خالد بن رباح ابو الفضل الہذلی البصری

ع — خالد بن عبد اللہ الواسطی

خالد بن ابی عثمان القرشی البصری

خلیفہ الخیاط ابو ہبیرۃ [۰۰-۱۶۰ھ]

عخ — خلیفہ بن غالب اللیثی البصری۔

د

خ ت س ق — داؤد بن ابی الفرات عمرو بن الفرات الکندی ابو عمرو المروزی

خت م ع — داؤد بن قیس الفراء الدباغ ابو سلیمان القرشی مولاہم البصری

داود الواسطی

د ق — درست ابن زیاد القزاز ابوالحسن العنبری القشیری البصری

بخ م ت س — رباح بن ابی معروف بن ابی سارۃ المکی

الربیع بن حبیب الحنفی ابو سلمہ البصری

خت ت م — الربیع بن صبیح ابو بکر البصری [۰۰۰–۱۶۰ ھ]

بخ — الربیع بن عبداللہ بن خُطّاف الاحدب ابو محمد البصری۔

بخ م مد ت س — الربیع بن مسلم الجمحی ابو بکر البصری

بخ د — ربعی بن عبداللہ بن الجارود الہذلی

ز

ع — زائدہ بن قدامہ الثقفی ابو الصلت الکوفی [۰۰۰–۱۶۰ ھ]

م مد ت س ق — زمعۃ بن صالح الجندی الیمانی

ع — زہیر بن محمد التمیمی العنبری ابو المنذر الخراسانی المروزی الخرقی [۰۰–۱۶۲ ھ]

ع — زہیر بن معاویہ بن حدیج بن الرحیل بن زہیر الجعفی ابو خیثمہ الکوفی [۱۰۰–۱۷۲ ھ]

زید بن ابی لیلیٰ ابو المعلی العدوی

س

د — سالم بن دینار البصری مولی الحارث بن سلیم

سالم بن سلیم

بخ س — السری بن یحییٰ بن ایاس بن حرملۃ الشیبانی ابو الہیثم البصری [۰۰–۱۶۷ ھ]

م ت س ق — سعید بن حسان المکی المخزومی، اخو الحسن البصری من الثالثۃ۔ یہاں سند میں راوی رہ گیا ہے

د م د س ت ق — سعید بن سنان ابو سنان البرجمی [۰۰۰–۱۶۸ ھ]

سعید بن عبدالرحمان اخو ابی حرۃ البصری

بخ م ع — سعید بن عبدالعزیز ابو یحییٰ التنوخی الدمشقی

ت — سعید بن عطیۃ اللیثی ابو سلمہ

ع — سعید بن یزید بن مسلمہ الازدی ثم الطائی ابو مسلمہ البصری القصیر، من الرابعۃ۔

بخ ع — سفيان بن حبيب البصري ابو محمد البزار [۱۲۸ - ۱۸۲ھ]

ع — سفيان بن سعيد بن مسروق الثوري ابو عبد الله الكوفي { ۹۷ - ۱۶۱ھ }

ع — سفيان بن عيينه بن ابي عمران ميمون الهلالي ابو محمد الكوفي ثم المكي { ۹۳ - ۱۹۱ھ }

ت — سكن بن المغيره ابو محمد البزار البصري

د — سكين بن عبد العزيز العبدي العطار البصري

ق — سلام الطويل ۱۷۷ھ

ع — سلام بن سليم ابو الاحوص [۰۰ - ۱۷۹ھ]

خ م س — سلم بن زرير ابو يونس العطاردي ابو بشر البصري [۰۰ حدود ۱۶۰ھ

ع — سليم بن حيان الهذلي البصري (سليمان بن ارقم ابو معاذ البصري [illegible])

ختم دت س — سليمان بن فيروز بن ابي سليمان ابو اسحاق الشيباني - حدود ۱۴۰ھ ([illegible])

خت دت س — سليمان بن قرم بن معاذ الضبي ابو داود البصري النحوي

ع — سليمان بن كثير العبدي البصري ابو داؤد وابو محمد { ۰۰ - ۱۶۳ھ]

ع — سليمان بن مغيرة القيسي مولاهم البصري، ابو سعيد { ۰۰ - ۱۶۵ھ {

ش

ع — شجاع بن الوليد بن قيس السكوني ابو بدر الكوفي ۲۰۴ - ۲۰۳ھ

خت م ع — شريك بن عبد الله بن ابي شريك النخعي ابو عبد الله الكوفي القاضي { ۹۵ - ۱۷۷ھ }

ع — شعبة بن الحجاج بن الورد العتكي مولاهم ابو بسطام الواسطي ثم البصري { ۰۰ - ۱۶۰ھ]

م - تم - س — شعيب بن صفوان بن الربيع الثقفي، ابو يحيى الكوفي

ع — شيبان بن عبد الرحمن التميمي مولاهم النحوي ابو معاوية البصري { ۰۰ - ۱۶۴ھ }

ص

د تم — صالح بن ابي الاخضر اليماني مولى هشام بن عبد الملك نزيل البصره - ما بين ۱۴۰ - ۱۵۰ھ

ت — صالح بن بشير بن وادع المري ابو بشر البصري القاضي المعروف بالمري الزاهد، ۱۷۲ - ۱۷۶ھ

خت م ع — صالح بن رستم المزني مولاهم ابو عامر الخزاز البصري - ۱۵۲ھ

خ م دت س — صخر بن جويريه - ابو نافع

بخ د ت — صدقة بن موسى الدقيقي ابو المغيره او ابو محمد السلمي البصري

بخ م مد س — الصعق بن حزن بن قيس البكري ثم العيشي ابو عبد الله البصري

ت ق — الصلت بن دينار الازدي الهنائي البصري ابو شعيب ۱۶۰ھ

ض

الضحاک بن یسار

ط

د طالب بن حبیب بن عمرو الانصاری المدنی یقال لہ طالب بن الضجیع ۔

طعمۃ بن عمرو الجعفری العامری الکوفی ۔ ۱۶۹ ھ

طلحۃ الاعمی ۔

ق طلحۃ بن عمرو بن عثمان الحضرمی المکی ۱۵۲ ھ

ع

عاصم المدنی مولی نافع مولی ام قیس بنت محصن الاسدی

ت ق عاصم بن عمرو بن حفص العمری المدنی ، ابوعمرو

خ د س ق عباد بن راشد التیمی مولاہم البصری البزار

عباد بن فضالہ

خت ع عباد بن منصور الناجی ابوسلمہ البصری القاضی ۱۵۲ ھ

س فق عباد بن میسرۃ المنقری التیمی المصری المعلم

بخ د س عبدالجلیل بن عطیۃ القیسی ابوصالح البصری

ق عبدالحکم بن ذکوان السدوسی البصری

بخ ت ق عبدالحمید بن بہرام الفزاری المدائنی

س ق عبدالرحمٰن بن بدیل بن میسرۃ العقیلی البصری

بخ د ت س ق عبدالرحمان بن ثابت بن ثوبان العنسی ۷۵ - ۱۶۵ ھ

خت م ع عبدالرحمٰن بن ابی الزناد ، عبداللہ بن ذکوان المدنی [۱۰۰ - ۱۷۴ ھ]

خت ع عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبۃ المسعودی الہذلی الکوفی {۰۰ - ۱۶۰ھ - ۱۶۵ھ}

د عبدالرحمٰن بن دردان الغفاری ابوبکر المکی المؤذن

ع عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ الماجشون التیمی مولاہم المدنی {۰۰ - ۱۶۴ ھ}

عبدالعزیز بن ابی رواد میمون المکی [۱۵۹ ھ]

ع عبدالعزیز بن مختار الدباغ البصری ابواسحاق

ع عبداللہ بن بدر بن عمیرۃ الحنفی السحیمی الیامی

خت د س عبداللہ بن بدیل بن ورقاء الخزاعی ویقال اللیثی المکی ۔

ت عبد ربہ بن عبید الازدی عل ۱۱ ص ۷۷
عبد ربہ بن نافع الکنانی ابو شہاب عل ۱۱ ص ۸۰

بخ د ت — عبداللہ بن حسان التمیمی العنبری، ابوالجنید

بخ م تم س ق — عبداللہ بن عبدالرحمن بن یعلی الطائفی ابویعلی الثقفی

ت س ق — عبداللہ بن عثمان البصری صاحب شعبۃ - مات قبل شعبۃ

م ع — عبداللہ بن عمر بن حفص ابوعبدالرحمن المدنی العمری [۰۰-۱۷۱ھ]

ع — عبداللہ بن عون بن ارطبان ابوعون البصری [۰۰-۱۵۰ھ]

ع — عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی التمیمی مولاہم ابوعبدالرحمن المروزی [۱۱۸-۱۸۱ھ]

ق — عبداللہ بن نافع العدوی مولاہم المدنی [۰۰-۱۵۴ھ]

ع — عبدالواحد بن زیاد العبدی مولاہم البصری [۰۰-۱۷۶ھ]

عبدالواحد بن زید البصری، ابوعبیدہ -

ت — عبدالواحد بن سلیم المالکی البصری -

د ت س — عبدالواحد بن واصل السدوسی مولاہم ابوعبیدۃ الحداد البغدادی - [۰۰-۱۹۰ھ]

ع — عبدالوارث بن سعید التمیمی العنبری مولاہم التنوری ابوعبیدۃ البصری [۱۰۰-۱۸۰ھ]

ع — عبیداللہ بن عمر بن حفص العدوی المدنی ابوعثمان - [۱۴۷ھ]

بخ م د ت س — عبیداللہ بن ایاد بن لقیط السدوسی - ابوالسلیل الکوفی [۰۰-۱۶۹ھ]

ت — عبیداللہ بن شمیط ابن عجلان، الشیبانی البصری [۰۰-۱۸۱ھ]

خ ع — عثمان بن المغیرۃ الثقفی مولاہم ابوالمغیرۃ الکوفی

خ م ق ت س — عزرۃ بن ثابت بن ابی زید الانصاری البصری - شیبہ ۸ ص ۱۰۰ / فی المحلی ص ۱۵۲، ۱۵۱

ع — عقبۃ بن خالد او خالد بن عقبۃ ابورجاء العطاردی - ۱۸۸ھ

د ت ق — عمارۃ بن زاذان الصیدلانی ابوسلمۃ البصری

عمر بن ثابت

خت ع — عمران بن داور ابوالعوام القطان البصری [۰۰ مابین ۱۶۰-۱۷۰ھ]

خ م س — عمرو (عمر) بن ابی زائدۃ الہمدانی الوادعی الکوفی مولی عمرو بن عبداللہ الوادعی - احمد ۲ ص ۲۶۱

د فق — عمرو بن ثابت بن ہرمز البکری ابومحمد الکوفی -

عمرو بن العلاء الیشکری حرین ابوالعلاء

بخ م ع — عمرو بن قیس الکوفی الملائی ابوعبداللہ [۰۰-۱۴۷ھ]

عمرو بن مرزوق الواشحی البصری

بخ قد عس — عیسی بن عبدالرحمن بن فروہ البجلی ابوسلمۃ الکوفی [۰۰-بعد ۱۵۰ھ]

خد	عیسی بن میمون الجرشی المکی ابو موسیٰ المعروف با بن رایہ
بخ	عبینہ بن عبدالرحمٰن بن جوشن الغطفانی ابو مالک البصری۔ {۰۰۔ حدود ۔ ۱۵۰ھ}

غ

ق	غسان بن برزین ابو المقدام الطهوی البصری

ف

دت ق	فرج بن فضالة بن النعمان ابو فضالة التنوخی الشامی القضاعی الحمصی {۰۰ ۔ ۱۷۷ھ}
خ س	الفضل بن مساور ابو المساور البصری ختن ابی عوانہ
ف ض ی	الفضیل بن ابی الحکم الطاحی البصری
ع	فلیح بن سلیمان بن ابی المغیرۃ المدینی الخزاعی ۱۶۸ھ
	فلیح بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن

ق

بخ م ع	القاسم بن الفضل بن معدان الحدانی الازدی البصری ، ابو المغیرہ {۰۰ ۔ ۱۶۷ھ}
ع	قرۃ بن خالد الدوسی ابو خالد ویقال ابو محمد البصری {۱۵۴ھ ۔ ۱۵۵ھ}
خ س د	قریش بن حیان العجلی ابو بکر البصری
	قیس بن الربیع الکوفی الاسدی ، {۱۶۷ھ}
	قیس بن عاصم

ک

د ت ق	کامل بن العلاء التمیمی السعدی ابو العلاء ویقال ابو عبداللہ الکوفی ۔

م

ع	مالک بن انس
خت دت ق	مبارک بن فضالة بن ابی امیة البصری مولیٰ زید بن الخطاب ۱۶۶/۱۶۵ھ
بخ دت س	المثنی بن سعید الضبعی ابو سعید القسام الذراع القصیر
	المثنی بن عوف العنبری ابو منصور
	محمد بن ابان بن صالح بن عمر الجعفی جد عبداللہ بن محمد الملقب بمشکدانہ
	محمد بن ابراہیم بن مہران القرشی مولاہم الکوفی ثم البصری
ت	محمد بن ثابت بن اسلم البنانی البصری
دق	محمد بن ثابت العبدی البصری ، ابو عبداللہ

محمد بن حبیب
ت ق — محمد بن ابی حمید ابراہیم ابن رقی الانصاری ابو ابراہیم المدنی
ع — محمد بن خازم التیمی السعدی مولاہم ابو معاویۃ الضریر الکوفی
محمد بن درہم الازدی
محمد بن درہم العیشی
دت — محمد بن دینار الازدی الطاحی ابوبکر بن ابی الفرات البصری
عو — محمد بن راشد المکحولی الخزاعی الدمشقی ثم البصری ابو عبداللہ [-- قبل ١٧٠ھ]
خت — محمد بن سلیم الراسبی البصری ۔ ابو ہلال [-- ١٦٧ھ]
خ م د ت عس ق — محمد بن طلحۃ بن مصرف الیامی الکوفی [- ١٦٧ھ]
ع — محمد بن عبدالرحمن بن المغیرۃ ابو الحارث القرشی المدنی [-- ١٥٨-١٥٩ھ]
ت ق — محمد بن عبیداللہ بن ابی سلیمان العرزمی الفزاری ابو عبدالرحمن الکوفی ١٥٥ھ
محمد بن عمرو الواقفی ابو سہل البصری
دت س — محمد بن المثنی القرشی ابو جعفر (ویقال محمد بن ابراہیم بن مسلم ویقال محمد بن مسلم)
خت م ع — محمد بن مسلم بن ابی الوضاح (المثنی القضاعی ابو سعید المؤدب الجزری البغدادی) [بعد ١٨٠ھ]
محمد بن المغیرۃ القرشی ابو علی البصری
محمد بن مہزم الشعاب العبدی البصری
مرۃ بن خالد الشیبانی الکوفی
م دت س — المستمر بن الریان الایادی الزہرانی، ابو عبداللہ البصری
د — المسعر بن حبیب الجرمی ابو الحارث البصری
مسلم بن ابراہیم ابو عمرو الشحام ویقال القصاب مولی فراہید الاسدی البصری
خ م د ق — معروف بن خربوذ المکی مولی عثمان
بخ ت س ق — مغیرہ بن مسلم القسملی ابو سلمہ السراج

ن

ع — نافع بن عمر بن عبداللہ بن جمیل الجمحی المکی الحافظ (١٦٩ھ)
ع — نصر بن علی بن صہبان الازدی الجہضمی الکبیر [-- قبل ١٥٠ھ]
نوار بن میمون ابو الجراح العبدی ۔
م — نوح بن قیس بن رباح الازدی الحدانی ویقال الطاحی ابو روح البصری ١٨٣/١٨٤ھ

ھ

س	ہارون ابومسلم
	ہارون بن ابراہیم الاہوازی
ق	ہارون بن مسلم البصری
خ م د ت س	ہارون الاعور بن موسی الازدی العتکی مولاہم ابوعبداللہ و یقال ابواسحاق النحوی البصری صاحب القراءات ۔
	ہذیل بن بلال الفزاری المدائنی
ع	ہشام بن حسان الفردوسی ابوعبداللہ
ع	ہشام بن ابی عبداللہ بن سنبر الدستوائی ابوبکر الربعی البصری { ۷۸ - ۱۵۴ھ}
ت ق	ہشام بن ابی الولید زیاد الاموی مولاہم ابوالمقدام بن ابی ہشام البصری
ت س	ہشام بن یحیٰی ۔
ع	ہشیم بن بشیر بن القاسم بن دینار السلمی ابومعاویہ بن ابی خازم الواسطی { ۱۸۳ھ}
ع	ہمام بن یحیی بن دینار الازدی العوذی المحلمی الشیبانی ، ابوعبداللہ البصری (۱۶۴ھ)
ق	الہیثم بن رافع الحنفی (الطاطری) ابوالحارث الباہلی

و

ع	ورقاء بن عمر الیشکری ابوبشر المدائنی ۔
ع	الوضاح بن عبداللہ الیشکری مولی یزید بن عطاء ، ابوعوانۃ الواسطی البزار {۰۰ - ۱۵۰ھ}
ع	وھیب بن خالد العجلان الباھلی مولاہم ابوبکر البصری صاحب الکرابیسی {۰۰ - ۱۶۵ھ}

ی

ت	یحیٰی بن سلمہ بن کہیل الحضرمی ابوجعفر {۰۰ - ۱۷۹ھ}
ق	یحیی بن کثیر
ع	یزید بن ابراہیم التستری ابوسعید البصری {۰۰ - ۱۶۳ھ}
ع	یزید بن زریع العیشی ویقال التمیمی ابومعاویۃ البصری الحافظ {۱۰۱ - ۱۸۲ھ}
عخ	یزید بن عطاء بن یزید الیشکری ویقال ابوخالد الواسطی البزار {۰۰ - ۱۷۷ھ}
ت	الیمان بن المغیرۃ العنزی ابوحذیفہ ویقال التمیمی البصری {۰۰ - بعد ۱۶۰ھ}

عہدِ اسلامی میں دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تذکرہ نگاروں کے یہاں ایک عالم کی شہرت وعظمت کے دو معیار اور اسباب تھے۔

۱۔ تصانیف

۲۔ تلامذہ

چنانچہ علامہ ابوالطیب عبدالواحد لغوی المتوفی ۳۵۱ھ مراتب النحویین میں لکھتے ہیں۔

انما شهرة العالم بمصنفاته والرواية عنه [1] ایک عالم اور صاحب فن کی شہرت اس کی تصانیف اور اس سے روایت کرنے والوں سے ہوتی ہے

۱۴۳ھ سے اسلامی علوم کی تدوین کا آغاز ہوا اور اسلامی قلمرو کے مرکزی شہروں میں تصنیف وتالیف کے سلسلہ کو تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں عروج حاصل ہوا ۱۴۳ھ سے قبل کا دور ایسا دور تھا کہ جس میں عالم کی شہرت کا واحد ذریعہ شاگردوں کی اپنے شیخ سے روایت ہی تھا۔

ابوداؤد طیالسی کا دور دوسری صدی ہجری کے نصف آخر کا دور ہے جس میں تصانیف کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔ ابوداؤد طیالسی میں قدرت کی طرف سے دونوں صفتیں جمع کر دی گئی تھیں۔ ان کی شہرت بحیثیت شیخ ومصنف دونوں خوب ہیں۔ چنانچہ علماء نے ان کی مسند کو اسلامی دنیا میں سب سے پہلی مسندوں میں شمار کیا ہے گو یہ بات صحیح نہیں۔ اور اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی دنیا میں معجم الشیوخ کے موضوع پر سب سے پہلے ابوداؤد طیالسی نے امیرالمومنین فی الحدیث شعبہ کے شیوخ کو کتابی صورت میں جمع کیا تھا۔ اس نسخہ کی موجودگی کا ہمیں کہیں سراغ نہیں لگ سکا۔ لیکن مؤرخِ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے سیر اعلام النبلاء میں اس کا ذکر کیا ہے [2]

ہر دور میں تصانیف و تلامذہ ایک عالم کی شہرت کا اہم ذریعہ ومعیار رہی ہیں۔

ابوداؤد طیالسی نے کم وبیش پینتالیس ۴۵ سال حدیث وعلوم حدیث اور اہل علم کی خدمت کی۔ اسلامی قلمرو کے ہزاروں طلبہ واہل علم نے موصوف سے استفادہ کیا ان سب کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ وہ مایہ ناز تلامذہ جن سے درس وتدریس کی مسندیں آباد رہیں اور ان کی روایات سے کتب صحاح ستہ پُر ہیں۔ ان میں ستائیس حفاظ عصر اور ائمہ فن ہیں ان تلامذہ کے صرف نام ملیش کیے جاتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس شیخ کے حلقہ درس سے ایسے باکمال تلامذہ نکلے ہوں ان کا استاد کیسا باکمال ہوگا۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

نامور تلامذہ

---

[1] عبدالواحد اللغوی، مراتب النحویین، القاہرہ، مکتبہ نہضہ مصر، ۱۳۷۵ھ ص۹

[2] الذہبی، ۱۹/۵۸/۹

ابراہیم بن عیسیٰ السراج ۲۶۳

ق — ابراہیم بن محمد الزہری الحلبی نزیل البصرہ ابو اسحاق

س — ابراہیم بن مرزوق بن دینار الحافظ الحجۃ ابو اسحاق البصری نزیل مصر (۔۔۔ ۲۷۰ھ ۸۸۲ء}

م د ت ق — احمد بن ابراہیم ابن کثیر الدورقی الحافظ المجود المصنف ابو عبداللہ العبدی
{۱۶۴ - ۲۴۶ھ - ۷۸۰ - ۸۶۰ء}

ع — احمد بن محمد بن حنبل ... الذہلی الشیبانی المروزی ثم البغدادی، احد الائمۃ الاعلام -
{۱۶۴ - ۲۴۱ھ - ۷۸۰ - ۸۵۵ء}

خ م د س ق — احمد بن سنان بن اسد الامام الحافظ المجود الواسطی القطان {۔۔۔ ۲۵۶ (۲۵۹ھ) - ۸۶۹ء

خ د س — احمد بن عبداللہ بن علی بن سوید السدوسی المنجوفی البصری {۔۔۔ ۲۵۲ھ ۔۔۔ ۸۶۶ء}

م ع — احمد بن عبدۃ بن موسیٰ ابو عبداللہ البصری {۔۔۔ ۲۴۵ھ}

م ت س — احمد بن عثمان بن عبدالنور النوفلی ابو عثمان البصری {۔۔۔ ۲۴۶ھ - ۸۶۰ء}

د — احمد بن الفرات بن خالد الشیخ الامام الحافظ الکبیر الحجۃ ابو مسعود الضبی الرازی نزیل اصبہان
{۔۔۔ ۲۵۸ھ ۔۔۔ ۸۷۱ء}

خ م ت س ق — اسحاق بن منصور بن بہرام الامام الفقیہ الحافظ الحجۃ ابو یعقوب الکوسج التمیمی المروزی نزیل نیسابور
{۔۔۔ ۲۵۱ھ ۔۔۔ ۸۶۵ء}

م د — حجاج بن یوسف الثقفی الحافظ ابو محمد البغدادی {۔۔۔ ۲۵۹ھ - ۸۷۳ء}

خ — خلیفہ بن خیاط ابن خلیفہ الامام الحافظ العلامۃ الاخباری، ابو عمرو العصفری البصری ویلقب بشباب صاحب التاریخ والطبقات {۱۶۰ - ۲۴۰ھ - ۷۷۶ - ۸۵۴ء}

ع — زیاد بن یحیی بن زیاد بن حسان الحسانی ابو الخطاب الفکر العدنی البصری {۔۔۔ ۲۵۴ھ}

خ ع — زید بن اخزم الحافظ المجود ابو طالب الطائی البصری {۔۔۔ ۲۵۷ھ ۔۔۔ ۸۷۰ء}

د ت س — سوار بن عبداللہ بن سوار الامام العلامۃ القاضی ابو عبداللہ التمیمی العنبری البصری {۱۸۲ - ۲۴۵ھ
۷۹۸ - ۸۵۹ء}

م ع — العباس بن عبدالعظیم ابن اسماعیل الحافظ الحجۃ الامام ابو الفضل العنبری البصری -
{۔۔۔ ۲۴۶ھ ۔۔۔ ۸۶۰ء}

ع — عباس بن محمد بن حاتم الامام الحافظ الثقۃ الناقد الدوری ثم البغدادی -
{۱۸۳ - ۲۷۱ھ - ۷۹۹ - ۸۸۴ء}

د س — عبدالرحمٰن بن محمد بن سلام الطرسوسی البغدادی ابو القاسم {۔۔۔ ۲۳۱ھ - ۸۴۵ء}

د ت ق — عبداللہ بن الحکم بن سلیمان القطوانی ابو عبدالرحمٰن الکوفی الدہقان {۔ ۲۵۵ھ - ۸۶۸ء}

خ م د س ق — عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم الکوفی الامام العلم سید الحفاظ (۔۔ ۲۳۵ھ ۔۔ ۸۴۹ء)

خ ت — عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر المسندی شیخ ما وراء النہر ابو جعفر الامام الحافظ المجود الجعفی مولاہم البخاری (۱۳۹۔ ۲۲۹ھ ۔ ۷۵۶ ۔ ۸۴۳ء)

س — عبداللہ بن الہیثم بن عثمان العبدی ابو محمد البصری نزیل الرقہ (۔۔ ۲۶۱ھ ۔ ۸۷۴ء)

عبدالملک بن مروان بن حارث الاہوازی ابو مروان البصری الحذاء جار الطیالسی (۔۔ ۲۵۰ھ ۔ ۸۶۴ء)

خ ع — عبدۃ بن عبداللہ بن عبدۃ الخزاعی الصغار ابو سہل البصری (۲۵۸/۲۵۷ھ ۔۔ ۸۷۰ء)

خ م د س ق — عثمان بن محمد بن القاضی ابی شیبہ ابراہیم العبسی الکوفی الامام الحافظ الکبیر المفسر (۔۔ ۲۳۹ھ = ۔۔ ۸۵۲ء)

خ د ت س ق — علی بن عبداللہ بن جعفر السعدی مولاہم البصری المعروف بابن المدینی الشیخ الامام الحجۃ (۱۶۱ ۔ ۲۳۴ھ ۔ ۷۷۷ ۔ ۸۴۸ء)

خ د س — علی بن مسلم بن سعید الامام المحدث الثقہ مسند العراق ابو الحسن الطوسی البغدادی (۔۔ ۲۵۳ھ = ۔۔ ۸۶۷ء)

ع — عمرو بن علی بن بحر الحافظ الامام المجود الناقد ابو حفص الباہلی الصیرفی الفلاس (۔۔ ۲۴۹ھ ۔ ۸۶۳ء)

س — عمرو بن یزید ابو برید الجرمی البصری

خت م د س — فضیل بن حسین بن طلحۃ الجحدری البصری الحافظ (۱۴۵ ۔ ۲۳۷ھ ۔ ۷۶۲ ۔ ۸۴۸ء)

خ م س — محمد بن ابی بکر بن علی الثقفی مولاہم البصری الامام المحدث الحافظ الثقہ (۱۵۴ ۔ ۲۳۴ھ ۔ ۷۷۰ ۔ ۸۴۸ء)

ع — محمد بن بشار بن عثمان، الامام الحافظ، راویۃ الاسلام، ابو بکر العبدی البصری البندار (۱۶۷ ۔ ۲۵۲ھ ۔ ۷۸۳ ۔ ۸۶۹ء)

د — محمد بن حفص القطان ابو عبدالرحمان البصری

د ت ق — محمد بن حمید بن حیان العلامۃ الحافظ الکبیر ابو عبداللہ الرازی (۲۴۸ھ ۔ ۸۶۲ء)

خ م د ت س — محمد بن رافع بن ابی یزد سابور القشیری مولاہم النیسابوری (۲۴۵ھ ۔ ۸۵۹ء)

خ م د ت س ق — محمد بن طلحۃ بن مصرف بن کعب الیامی الکوفی (۱۶۷ھ

ت ق — محمد بن فراس الضبعی ابو ہریرۃ الصیرفی البصری (۲۴۵ھ ۔ ۸۵۹ء)

ع — محمد بن المثنی بن عبید الامام الحافظ الثبت، ابو موسی العنزی البصری الزمن (۲۵۲ھ ۔ ۸۶۶ء)

محمد بن موسی بن نفیع الحرشی، ابوعبداللہ البصری {۲۴۸ھ – ۸۶۲ء}

قد ق — محمد بن یزید بن عبدالملک الاسفاطی البصری الاعور

د — محمد بن یونس بن موسی القرشی السامی البصری الشیخ الامام الحافظ الکبیر المعمر ابوالعباس الکدیمی۔ {۱۸۶ – ۲۸۶ھ – ۸۰۲ – ۸۹۹ء}

خ م ت س ف — محمود بن غیلان الامام الحافظ الحجۃ العدوی مولاہم المروزی {۲۳۹ھ – ۸۵۲ء}

ع — نصر بن علی بن نصر الحافظ، العلامۃ الثقۃ، ابوعمرو، الازدی، الجہضمی الصغیر۔ {۱۶۰ – ۲۵۰ھ – ۷۷۶ – ۸۶۴ء}

خ سق دت ق — نعیم بن حماد بن معاویۃ، الامام العلامۃ الحافظ ابوعبداللہ الخزاعی المروزی الفرضی الاعور صاحب التصانیف {۲۲۸ھ – ۸۴۲ء}

م ع — ہارون عبداللہ بن مروان، الامام الحجۃ، الحافظ، المجود، ابوموسیٰ البغدادی التاجر البزار الملقب بالحمال۔

دس ق — یحییٰ بن حکیم، الحافظ الامام المامون ابوسعید البصری المقوم {۱۷۶ – ۲۵۶ھ – ۷۹۲ – ۸۶۹ء}

خ دت س — یحییٰ بن موسیٰ بن عبدربہ الحرانی ابوزکریا البلخی السختیانی المعروف بخت کو فی الاصل۔ {۲۴۰ھ – ۸۵۴ء}

ع — یعقوب بن ابراہیم بن کثیر الحافظ الامام الحجۃ ابویوسف العبدی القیسی مولاہم الدورقی {۱۶۶ – ۲۵۲ھ}

ابوبکرہ بکار بن قتیبۃ بن اسد الثقفی البصری الفقیہ المحدث قاضی الدیار المصریۃ {۱۸۲ – $\frac{۲۷۰}{۲۹۰}$ھ} موصوف امام طحاوی کے شیوخ میں سے ہیں طحاوی شرح معانی الآثار میں ابوداود طیالسی کی روایات انہی کے واسطہ سے نقل کرتے ہیں

خ م ت — ابومحمد عبد بن حمید بن نصر الکسی الحافظ {بعد ۱۷۰ – ۲۴۹ھ} ابوداؤد طیالسی کے شاگرد تھے موصوف نے اپنی مسند میں ابوداؤد طیالسی سے روایت کی ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے میزان الاعتدال ۲/۳۱۲ میں موصوف کی مسند سے ابوداؤد طیالسی کی روایتیں نقل کی ہیں۔

ابوداؤد طیالسیؒ سے محدثین کی ایک خلقِ کثیر نے روایت کی۔ ان میں سب سے آخر میں وفات پانے والے مسند اصفہان محمد بن اسد مدینی شیخ ابی الشیخ تھے۔ یہ ابوداؤد طیالسی کے بعد ۹۰ برس علوم حدیث کی خدمت کرتے رہے۔ سو سال سے بھی زیادہ عمر پا کر ۲۹۳ھ - ۹۰۵ء میں انتقال کیا۔ حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی (۲۶۰ھ - ۳۶۰ھ) نے انہیں دیکھا اور ان سے استفادہ کیا۔

حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے سیر اعلام النبلاء میں تصریح کی ہے کہ تاریخ میں ایسا بہت کم ہوا ہے۔ یہ فخر و سعادت تاریخ اسلام میں گنتی کے حفاظ حدیث و محدثین کو حاصل ہوئی ان میں سے مشہور ترین حسب ذیل ہیں۔

۱۔ محدث احمد بن منیع کے نواسہ محدث عراق و مسند بغداد حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن محمد بن عبدالعزیز البغوی البغدادی۔ (۲۱۴-۳۱۷ھ - ۸۲۸-۹۲۹ء)

۲۔ محدث ماوراء النہر مؤلف مسند کبیر حافظ ابوسعید الہیثم بن کلیب بن شریح شاشی۔ جس نے ۳۳۴ھ ۹۴۶ء میں بخارا میں حدیثیں بیان کیں۔ اور ۳۳۵ھ ۹۴۷ء میں بخارا میں وفات پائی۔

۳۔ شاگرد ابونعیم حافظ اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ مسند وقت ابوعلی حسن بن احمد بن الحسن بن محمد بن مہرہ الاصبہانی الحداد (۴۱۹ھ - ۵۱۵ھ - ۱۰۲۸-۱۱۲۲ء) ہیں۔

ایسے شیوخ حدیث تاریخ رجال میں (بضعۃ عشر) دس سے اوپر ہوئے ہیں۔

۴۔ ان شیوخ کا خاتمہ محدث دنیا ابوالعباس احمد بن ابی طالب ابن نعمہ صالحی دمشقی المعروف بالحجار الشہیر بابن شحنہ (۶۳۰ھ - ۷۳۰ھ) پر ہوا ہے[۱]

---

[۱] الذہبی ۹/۳۸۰

راویانِ مسند ابوداؤد طیالسیؒ

۱۔ یونس نام۔ ابو بشر کنیت، اور سلسلہ نسب یہ ہے۔

یونس بن حبیب بن عبدالقادر بن عبدالعزیز بن عمر بن قیس[1] بن ابی مسلم الماصری،

مورخ اسلام شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے سیر اعلام النبلاء (۱۲/۵۹۶) میں موصوف کا ترجمہ ان الفاظ میں شروع کیا ہے۔

یونس بن حبیب المحدث الحجۃ، ابو بشر العجلی مولاہم الاصبہانی۔

ابو بشر عجلی نے ابو عمرو بکر بن بکار القیسی البصری المتوفی بعد ۲۰۷ھ، قاضی حسین بن حفص ہمدانی المتوفی ۲۱۲ھ عامر بن ابراہیم المتوفی ۲۶۰ھ محمد بن کثیر الصنعانی ثم المصیصی المتوفی ۲۱۶ھ اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی۔ لیکن ابوداؤد سے زیادہ مناسبت تھی اور موصوف سے زیادہ تر استفادہ کیا تھا۔ یونس کے پاس ابوداؤد کی روایت سے تیس ہزار حدیثوں کا ذخیرہ محفوظ تھا[2] انہی وجوہ سے صاحب ابی داؤد طیالسیؒ کے لقب سے مشہور تھے اور مسند ابی داؤد طیالسی کے موصوف سے تنہا راوی ہیں اور یہ مسند انہی کے ذخیرۂ احادیث کا انتخاب ہے جیسا کہ گزر گیا

محدث ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق السفرائنی المتوفی ۳۱۶ھ، حافظ محدث ابو بکر احمد بن ابی عاصم ۲۸۷ھ حافظ بن حافظ ابو بکر عبداللہ بن ابی داؤد السجستانی المتوفی ۳۱۶ھ علی بن رستم اور مسند بلادِ عجم ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن احمد بن فارس الاصبہانی ۲۸۴ھ وغیرہ کو موصوف سے تلمذ کی نسبت حاصل ہے۔

---

[1] یونس کے جدامجد ابو مسلم دیلمی جنگ میں اہل کوفہ کے قیدی بن کر آئے۔ اسلام قبول کیا۔ پھر ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام قیس رکھا یہ حضرت علی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہیں ماصر کا والی بنا دیا گیا۔ انہی نے مابین دجلہ و فرات حد قائم کی اس لئے انہیں قیس الماصر (حد فاصل قائم کرنے والا) کہا جانے لگا۔ ان کے دو فرزند عمر اور عبدالعزیز ابن مسلم نے حجاج کے زمانے میں عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کندی (۸۵ھ) کی زیر کمان حجاج کے خلاف جنگ لڑی۔ جب ابن الاشعث کو شکست ہوئی تو عبدالعزیز اپنے اہل و عیال کے ساتھ اصفہان چلے آئے، عمر بن قیس الماصر نے کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ اہل کوفہ نے موصوف سے روایات کیں۔

عبدالعزیز نے ام البنین بنت الزبیر بن مشکان سے شادی کی۔ ان کے اور زبیریوں کے مابین رشتے ہوئے۔ اس نسبت سے یہ زبیری مشہور ہوئے۔ السمعانی ۵/۱۷ (نسبت الماصری)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یونس ایک علمی خانوادہ کے فرد فرید تھے۔

[2] ابوالشیخ ۲/۵

ابو محمد بن عبد الرحمن ابی حاتم رازی المتوفی ۳۲۷ھ جنہیں حافظ ابو مسعود احمد بن الفرات نے موصوف سے حدیثیں قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا وہ فرماتے ہیں :۔

کتبت عنہ باصبہان وھو ثقۃ [1] — میں نے اصفہان میں موصوف سے حدیثیں لکھی تھیں وہ ثقہ ہیں

فن قرارت کی امام کسائی کے مشہور شاگرد قتیبہ بن مہران المتوفی بعد ۲۰۰ھ سے تکمیل کی تھی۔

اسلامی دنیا میں مسند ابو داؤد طیالسی آج انہی کی روایت سے مشہور ہے۔

علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں رقمطراز ہیں

روی عن ابی داود الطیالسی "مسندًا" فی مجلد کبیر [2]

یونس اصفہان میں بہت معزز و محترم، دینداری، تقویٰ و پرہیزگاری میں بہت ممتاز تھے۔

حافظ ابو نعیم اصفہانی کا بیان ہے۔

کان یونس محتشما، عظیم القدر باصبہان موصوفا بالدین والصیانۃ، والصلاح [3] — یونس جاہ و حشم اور قدر و منزلت والے عالم تھے، دینداری، پاکدامنی اور صلاح و تقویٰ کی صفات سے آراستہ تھے۔

ان کے علمی مرتبہ و مقام کا اندازہ قاضی اصفہان حافظ ابو بکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم المتوفی ۲۸۷ھ کے اس سوال سے کیا جا سکتا ہے جو موصوف نے محدث اصفہان حافظ ابو مسعود احمد بن الفرات المتوفی ۲۵۸ھ سے کیا تھا، وہ فرماتے ہیں

مثلک اذا کان ببلد لم یجب ان نکتب عن احد حتی نسالک عنہ فعن من تری ان اکتب فقال یونس بن حبیب بدأبہ من بین جماعۃ محدثیہم [4] — آپ جیسا محدث کسی شہر میں موجود ہو تو ہم پر لازم ہے کہ ہم آپ سے پوچھ کر کسی سے حدیثیں لکھیں تو فرمائیں میں کس سے حدیث لکھوں، فرمایا یونس بن حبیب سے تو انہوں نے محدثین کی جماعت کے سامنے موصوف سے ابتداء کی۔

محدث اصفہان ابو بشر نے ۲۶۷ھ میں وفات پائی۔ اور اصفہان میں سپرد خاک کئے گئے۔

---

[1] الذہبی ۹/۲۳۷

[2] الذہبی ۱۲/۵۹۴

[3] ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی، ذکر اخبار اصبہان۔ لیڈن، مطبعہ بریل ۱۹۳۴ء، ۲/۳۴۶، ۳۴۶، الذہبی ۱۲/۵۹۷

[4] السمعانی ۵/۱۷۴، شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری۔ غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، ط۔۲۔ بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۰ھ ۲/۴۰۶، ابن نقطہ ۴۸۸، ۴۹۰/۴۸۹، الذہبی العبر ۲/۳۴۵ (و لہ) تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۶۶ (لہ) دول الاسلام ۱/۱۴۷

مسند اصبہان ابن فارس الاصبہانی [۲۴۸ - ۳۴۶ھ - ۸۶۱ - ۹۵۷ء]

عبداللہ نام - ابو محمد کنیت، اور سلسلہ نسب یہ ہے -

عبداللہ بن جعفر بن احمد بن فارس ابو محمد الاصبہانی

علامہ ذہبی نے موصوف کے تذکرہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے -

الشیخ الامام المحدث الصالح، مسند اصبہان ابو محمد عبد اللہ ابن المحدث جعفر بن احمد بن فارس الاصبہانی -

ابن فارس ۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور تقریبًا سو برس عمر پائی -

مسند اصفہان محمد بن عاصم ثقفی ۲۶۲ھ، یونس بن حبیب، احمد بن یونس ضبی، احمد بن عصام وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا اور ان سے روایت میں منفرد رہے -

حافظ ابو نعیم اصفہانی، حافظ ابو عبداللہ بن مندہ، المتوفی ۳۹۵ھ اور ابوبکر محمد بن الحسن فورک المتوفی ۴۰۶ھ وغیرہ کو موصوف سے تلمذ حاصل ہے -

موصوف ۳۰۲ھ میں مفضل بن محمد جندی اور اسحاق خزاعی کی حیات میں مکہ میں حدیث بیان کرتے تھے، مؤرخ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں

انتھی الیہ علو الاسناد - عالی اسناد موصوف پر ختم تھی -

چوتھی صدی ہجری میں اسلامی قلمرو میں پانچ معمر شیوخِ حدیث موجود تھے - ان میں ابو محمد اصفہانی کا نام نامی سرفہرست ہے - چنانچہ حافظ ابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ کا قول ہے کہ -

فات شیوخ الدنیا خمسة، ابن فارس باصبہان، والاصم بنیسابور، وابن الاعرابی بمكة - وخیثمة بالطرابلس، واسماعیل الصفار ببغداد -

دنیا میں شیوخِ حدیث پانچ ہیں - اصبہان میں ابن فارس نیشاپور میں حافظ ابو العباس اصم - ۲۴۷، ۳۴۶ھ مکہ میں شیخ الحرم ابو سعید احمد بن محمد بن الاعرابی ۲۴۶ - ۳۴۰ھ، طرابلس میں حافظ خیثمہ ۲۲۷/۲۵۰ھ - ۳۴۳ھ اور بغداد میں اسماعیل صفار - ۲۴۷ - ۳۴۱ھ

یہ بہت خدا رسیدہ بزرگ تھے - ۲۴۴ھ میں ابو بشر یونس سے "مسند الطیالسی" کا سماع کیا تھا - شوال ۳۴۶ھ میں قضا کی [1]

---

[1] مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو ابو نعیم ۲/۸۰ - الذہبی ۱۵/۵۵۳ (لہ) العبر ۲/۲۷۲، ابن نقطہ ۳۱۴ - ۳۱۵ - صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی، الوافی بالوفیات، نیسبادن، دار النشر فرانز شتاینر - ۱۹۷۹ء، ۱۷/۵-۱، عبدالحی بن احمد بن العماد الحنبلی، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، مصر مکتبۃ القدسی ۱۹۷۹ء، ۲/۳۷۳

ابونعیم اصفہانی [۳۳۶–۴۳۰ھ – ۹۴۸–۱۰۳۸ء]

احمد نام، ابونعیم کنیت ہے۔ علامہ ذہبی رح نے موصوف کے تذکرے کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے

احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران، الامام الحافظ الثقۃ العلامۃ شیخ الاسلام، ابونعیم المہرانی الاصبہانی الصوفی الاحول سبط الزاہد محمد بن یوسف البناء صاحب الحلیۃ۔

یہ ۳۳۶ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے، باپ نامور محدثین میں سے تھے۔ علمی ماحول میں ان کی تربیت کی گئی ابونعیم نے تحصیل علم کے لئے خوب سفر کیا۔ بڑے بڑے مسندین اور محدثین سے انہیں اجازتِ روایت حاصل ہے چنانچہ شام میں حافظ ابوالحسن خیثمہ بن سلیمان قرشی طرابلسی [۲۵۰–۳۴۳ھ – ۸۶۴–۹۵۵ء] سے نیشاپور میں حافظ ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم [۲۴۷–۳۴۶ھ – ۸۶۱–۹۵۷ء] سے واسط میں محدث واسط ابومحمد عبداللہ بن عمر بن شوذب الواسطی المقری [۲۵۰–۳۴۲ھ – ۸۶۴–۹۵۳ء] سے، بغداد میں محدث ابوسہل احمد بن محمد بن عبداللہ بن زیاد القطان المتوفی البغدادی [۲۵۹–۳۵۰ھ – ۸۷۲–۹۶۰ء] سے۔

دینور میں حافظ ابوبکر احمد بن محمد المعروف بابن السنی [۲۸۴–۳۶۴ھ – ۸۹۷–۹۷۴ء] اور اس دور کے دوسرے محدثین سے بھی اکتسابِ کمال کیا تھا۔

ابونعیم نے ۳۴۴ھ میں ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن احمد بن فارس سے مسند ابی داؤد طیالسی کا سماع کیا [1] یہی ان کے سب سے بڑے شیخ تھے

مورخ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ موصوف کے متعلق لکھتے ہیں۔ [2]

کان حافظا مبرزا عالی الاسناد تفرد فی الدنیا بشئ کثیر من العوالی وھاجر الی بقیۃ الحفاظ [3]

ابونعیم عالی اسناد، ممتاز حافظ حدیث تھے دنیا میں عوالی کے امور میں منفرد و یکتا تھے اور بقیۃ الحفاظ سے استفادہ و اجازہ کی خاطر سفر کیا تھا۔

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ کا بیان ہے۔

لم ار احدًا اطلق علیہ اسم الحفظ غیر رجلین ابونعیم الاصبہانی و ابوحازم العبدوی [4]

میں نے دو محدث، ابونعیم اور ابوحازم عبدوی کے سوا کسی کو نہیں دیکھا جن پر حافظ الحدیث کا لفظ بولا جاتا ہو۔

---

[1] مسند ابوداؤد طیالسی

[2] الذہبی ۱۷/۴۶۱

[3] ۱۷/۴۵۸ (دلہ) تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۰۷۲ ” ”

[4] ” ”

احمد بن موسیٰ مردویہ اصفہانی المتوفی ۴۱۶ھ فرماتے ہیں

ابونعیم اپنے وقت میں ایسے حافظ حدیث تھے جن کی طرف سفر کیا جاتا تھا۔ دنیا کے کسی گوشہ میں اُن سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں تھا۔ عالم کے حافظ حدیث ان کے پاس آکر اکٹھے ہوگئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی باری مقرر تھی وہ جو چاہتا ظہر تک ان سے پڑھتا تھا وہ جب گھر جانے کے لئے کھڑے ہوتے تو شاگرد راستے میں کوئی جزء ان سے پڑھتا رہتا تھا۔ وہ کسی طرح کی تنگی محسوس نہیں کرتے تھے۔ تصنیف وتالیف کرنے اور حدیثیں سننے سنانے کے سوا ان کی کوئی غذا نہیں تھی [1]

مسند وقت حمزہ بن العباس العلوی الحسینی الاصبہانی ۴۱۷ھ کہتے ہیں۔

اصحاب الحدیث کہتے تھے کہ ابونعیم چودہ برس ایسے رہے کہ مشرق ومغرب میں ان سے بڑھ کر عالی اسناد رکھنے والا اور ان سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہ تھا [2]

حافظ ذہبی موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں کہ :-

ابونعیم متہم نہیں بلکہ وہ بہت راست گو، اور اس فن کے عالم تھے اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے ہیں اس سے بڑھ کر ان کا کوئی گناہ نہیں سمجھتا کہ وہ اپنی تالیفات میں موضوع حدیثیں ذکر کر جاتے اور ان پر سکوت اختیار کر جاتے ہیں [3]

محدث ہرات حافظ ابوسعد احمد بن محمد الانصاری المالینی (۰۰ - ۴۱۲ھ - ۰۰ - ۱۰۲۱ء] ابوبکر بن ابی علی الہمدانی ۳۰۸ - ۳۹۸ھ ۹۲۰ - ۱۰۰۷ء] ابوبکر خطیب بغدادی ۳۹۲ - ۴۶۳ھ - ۱۰۰۱ - ۱۰۷۰ء] ابو علی الحداد (۴۱۹ - ۵۱۵ھ - ۱۰۲۸ - ۱۱۲۲ء] وغیرہ ان کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ اس امتیاز واختصاص کے باوجود خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ان کا ترجمہ نہیں کیا جیسا کہ ابونعیم اصفہانی نے کتاب الحلیہ میں امام ابو حنیفہؒ کا ترجمہ نہیں کیا۔

ابونعیم نے اپنے شیوخ کی معجم مرتب کی [4] ، کتاب الحلیہ ، المستخرج علی الصحیحین ، تاریخ اصبہانی ، کتاب علوم الحدیث وغیرہ ان کی تالیفات میں زیادہ مشہور ہیں

---

[1] الذھبی - ۱۷/ ۴۵۹ (ل) ، تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۱۰۹۴ - تاج الدین عبدالوہاب السبکی ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ - تحقیق عبدالفتاح محمد الحلو، محمود محمد الطناحی ، دار احیاء الکتب العربیہ ، ۱۹۷۶ء ۴/ ۲۱

[2] الذھبی ، ۱۷/ ۴۵۹

[3] ایضاً ، ۱۷/ ۴۶۱

[4] ایضاً ۱۷/ ۴۵۵

مسند الدنیا ابو الحداد سے بہت سے علماء کو تلمذ کا فخر حاصل ہے لیکن چند ایسے علماء ہیں جن کے سماع مسند ابی داؤد طیالسی کی صراحت مطبوعہ نسخہ کے بعض اجزاء میں موجود ہے ان میں مسند اصفہان احمد بن اللبان، خلیل بن ابی الرجاء ابو جعفر محمد بن احمد صیدلانی کا مختصر تذکرہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

مسند العصر الحداد

[۴۱۹ - ۵۱۵ ھ - ۱۰۲۸ - ۱۱۲۲ء]

حسن نام۔ ابو علی کنیت اور الحداد (لوہار) کی نسبت سے مشہور تھے۔

حافظ ذہبی ۷۴۸ھ نے موصوف کے تذکرہ کا آغاز حسب ذیل الفاظ سے کیا ہے۔

الشیخ الامام، المقری المجود، المحدث المعمر، مسند العصر، ابو علی الحسن بن احمد بن الحسن بن محمد بن علی بن فہرہ الاصبہانی، شیخ اصبہان فی القراءات والحدیث جمیعًا۔

شعبان ۴۱۹ھ میں پیدا ہوئے (۴۲۴ھ - ۱۰۲۲ء) سے اصفہان میں علوم و فنون کی تحصیل کی اور اس دور کے ممتاز محدثین سے حدیثیں سنیں۔ ان میں ابوبکر محمد بن علی بن مصعب التاجر الاصبہانی المتوفی ۴۲۵ھ کا نام سرفہرست ہے، حافظ ابو نعیم اصبہانی سے تقریبًا ایک بار بیشتر احادیث کا سماع کیا۔

بہت سے علماء نے موصوف سے استفادہ کیا ان میں ابو المکارم احمد بن محمد بن اللبان [۵۰۷ - ۵۹۷ھ ۱۱۱۳ - ۱۲۰۰ء] ابو جعفر الصیدلانی وغیرہ کا نام سرفہرست آتا ہے۔ موصوف سے باجازۃ روایت کرنے والوں میں محدث شام حافظ ابو القاسم علی بن حسن المعروف بابن عساکر [۴۹۹ - ۵۷۱ھ - ۱۱۰۵ - ۱۱۷۵ء] اور تاج الاسلام ابو سعد عبد الکریم بن محمد سمعانی [۵۰۶ - ۵۶۲ھ - ۱۱۱۲ - ۱۱۶۶ء] زیادہ ممتاز ہیں۔

علامہ سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں۔

هو اجل شیخ اجازلی، رحل الناس الیه ورأی من العز مالم یرہ احد فی عصرہ وکان خیرا صالحًا ثقة۔

وہ میرے سب سے بڑے شیخ ہیں جس نے مجھے روایت حدیث کی اجازت دی لوگوں نے تحصیل علم کی خاطر ان کی طرف سفر کیا موصوف نے اپنے زمانے میں وہ عزت پائی جو کسی کو اپنے زمانے میں نصیب نہ ہوئی ہو۔ وہ سب سے بہتر، نیک اور ثقہ تھے۔

ابو الخیر محمد بن الجزری المتوفی ۸۳۳ھ غایۃ النہایہ ۲۰۶/۱ میں لکھتے ہیں

اعلیٰ من بقی فی الدنیا اسنادًا فی القراءات والحدیث۔

اسلامی دنیا میں قراءات و حدیث میں اعلیٰ سند رکھنے والے موصوف ہی رہ گئے تھے۔

حافظ ابوبکر محمد بن عبد الغنی ابن نقطہ بغدادی المتوفی ۶۲۹ھ نے تصریح کی ہے کہ ابو علی نے حافظ ابو نعیم اصفہانی سے مؤطاء القعنبی، مسند الامام احمد، مسند الحارث وغیرہ کا سماع کیا۔ محرم ۵۱۲ھ - ۱۱۱۸ء میں مسند ابی داؤد

الطیالسی کا سماع کیا۔

مؤرخ ذہبی کے الفاظ میں مسند الدنیا ابوعلی الحداد نے بروز جمعہ ۲۶ ر ذوالحجہ ۵۱۵ھ کو تقریبًا سو سال کی عمر میں قضا کی۔ اصفہان میں شیخ ابواحمد العسال کے پاس دفن کئے گئے۔ ؎۱

مسند ابوالمکارم بن اللبان

{۵۰۷-۵۹۷ھ - ۱۱۱۳-۱۲۰۰ء}

احمد نام، ابوالمکارم کنیت، ابن اللبان عرف ہے۔ علامہ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے موصوف کے تذکرہ کا آغاز ان الفاظ میں کیا ہے۔

القاضی العالم- مسند اصبہان، ابوالمکارم، احمد بن ابی عیسٰی محمد بن محمد ابن الامام عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمان بن محمد ابن المحدث عبد اللہ بن محمد بن النعمان بن عبد السلام، التیمی الاصبہانی، الشروطی، ابن اللبان۔

موصوف کے دادا فقیہ زاہد تھے، ؎۲ موصوف صفر ۵۰۶/۵۰۷ھ ۱۱۱۲/۱۱۱۳ء میں پیدا ہوئے اس دور کے نامور علماء و محدثین سے علوم کی تحصیل کی لیکن حدیث میں سب سے زیادہ استفادہ ابوعلی الحداد سے کیا چنانچہ وہ زیادہ تر الحداد سے روایت کرتے ہیں ۵۹۲ھ - ۱۱۹۵ء میں موصوف سے پوری مسند ابی داؤد الطیالسی کا ان سے سماع کیا۔ مسند خراسان ملحق الاحفاد بالاجداد (پوتوں کو دادوں سے ملانے والے) شیخ ابوبکر عبد الغفار بن محمد بن حسین الشیروی النیسابوری التاجر المتوفی ۵۱۰ھ سے اجازتِ روایت میں متفرد تھے۔ محدث ابورشید محمد بن ابی بکر بن الغزالی المتوفی ۶۳۱ھ متولی مشیخۃ دار الحدیث اربل محدث رحال بدل بن ابی المعمر بن اسماعیل التبریزی المتوفی ۶۳۶ھ حافظ ابوموسٰی عبد اللہ بن حافظ عبد الغنی مقدسی المتوفی ۶۲۹ھ حافظ یوسف بن خلیل آمدی وغیرہ کو موصوف سے تلمذ کا فخر حاصل ہے محدث ابوالعباس احمد بن سلامہ اور فخر الدین علی بن احمد بن عبد الواحد بن احمد المقدسی الحنبلی (۵۹۶ھ - ۶۹۰ھ) وغیرہ کو موصوف

؎۱ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔

السمعانی، التحبیر فی المعجم الکبیر، تحقیق منیرہ ناجی سالم، بغداد، رئاسۃ دیوان الاوقاف ۱۹۷۵ء ۱/۱۷۷-۱۹۲، ابن الجوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۵۹ھ - ۹/۲۲۸، ابن نقطہ، ۲۳۶، ۲۳۷-۲۳۸۔ الذہبی، ۱۹/۳۰۳-۳۰۷ (دلہ) العبر ۴/۴۴ (لہ) معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، تحقیق محمد سید جاد الحق، القاہرۃ دار الکتب الحدیثہ ۱۹۶۹ء، ۱/۳۸۲-۳۸۳، ابن الجزری ۱/۲۰۶ ابن العماد ۴/۴۷

؎۲ عبد العظیم المنذری، التکملہ لوفیات النقلہ، تحقیق بشار عواد معروف، ط-۲- بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۱ھ، ۱/۴۰۴ (۶۲۶) ابن نقطہ ۱۸۰- الذہبی ۲۱/۳۶۲ (لہ) العبر ۴/۲۹۳ (لہ) دول الاسلام ۲/۷۹؛ ابن العماد- ۴/۳۲۹

سے اجازت روایت حاصل ہے

ابوسعید الرارانی الاصفہانی

{ ۵۰۰ - ۵۹۶ھ - ۱۱۰۶ - ۱۲۰۰ھ }

خلیل نام، ابوسعید کنیت ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

خلیل بن ابی الرجاء بدر بن ثابت بن روح، ابوسعید الرارانی الاصبہانی۔

موصوف ۵۰۰ھ میں پیدا ہوئے، محدث ابو علی الحداد، شیخ ابو الفضل جعفر بن عبدالواحد ثقفی اصفہانی { ۴۳۴ھ ۵۲۳ - ۱۰۴۲ - ۱۱۲۸ء } ابو منصور محمود بن اسماعیل اصفہانی صیرفی اشغر { ۴۲۱ - ۵۱۴ھ - ۱۰۳۰ - ۱۱۲۰ء } وغیرہ نامور محدثین سے احادیث کا سماع کیا۔ پھر مسند درس کو زینت بخشی

حافظ یوسف بن خلیل، حافظ ابورشید محمد بن ابی بکر غزالی المتوفی ۶۳۱ھ وغیرہ کو موصوف سے تلمذ کی نسبت[1] حاصل ہے

مسند اصفہان ابوجعفر الصیدلانی

{ ۵۰۹ - ۶۳۰ھ - ۱۱۱۶ - ۱۲۰۷ء }

محمد نام۔ ابوجعفر کنیت اور سلسلۂ نسب یہ ہے۔

محمد بن احمد بن نصر بن ابی الفتح الحسین بن محمد بن خالویہ الصیدلانی ابوجعفر الاصبہانی سبط حسین بن مندہ۔

شب عید الاضحیٰ ۵۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔

مسند وقت ابو علی الحداد المتوفی ۵۱۵ھ محدث ابو منصور محمود بن اسماعیل الصیرفی الاشغر الاصبہانی { ۴۲۱ھ ۵۱۴ - ۱۰۳۰ - ۱۱۲۱ء } ابوالخیر عبدالکریم بن علی فورجہ سے احادیث کا سماع کیا۔ گیارہ برس کی عمر میں فاطمہ جوزدانیہ ام ابراہیم بنت عبداللہ بن احمد بن القاسم الاصبہانیہ { ۴۲۵ - ۵۲۴ھ - ۱۰۳۳ - ۱۱۲۹ء } سے ۵۲۰ھ - ۱۱۲۶ء میں معجم طبرانی کا سماع کیا۔

محدث الشام حافظ ضیاء الدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی الصالحی الحنبلی { ۵۶۹ - ۶۴۳ھ - ۱۱۷۳ - ۱۲۴۵ء } محدث حلب حافظ شمس الدین ابوالحجاج یوسف بن خلیل بن عبداللہ الدمی { ۵۵۵ - ۶۴۸ھ ۱۱۶۰ - ۱۲۵۰ء } وغیرہ کو موصوف سے تلمذ حاصل ہے [2]

---

[1] ابن نقط، ۲۶۲ (۳۲۳) الذھبی، العبر ۴/ ۲۹۱، ۲۹۲، ابن العماد ۴/ ۳۲۳

[2] الذہبی، تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام - تحقیق بشار عواد معروف بغداد، داراحیاء الکتب العربیہ، ۱۹۷۷ء - ۱۸/ ۱۴۰ - ۱۴۱ -

حافظ ذہبی نے موصوف کے متعلق لکھا ہے

انتھی الیہ علو الاسناد فی الدنیا ورحلوا الیہ [1] — اسلامی دنیا میں علو اسناد ان پر ختم تھا تحصیل علم کے لئے علماء ان کی طرف سفر کر کے آتے تھے۔

مسند اصفہان ابوجعفر صیدلانی نے ۹۴ سال کی عمر میں آخری رجب ۶۰۳ھ میں انتقال کیا۔

عفیف الدین الآمدی

{۶۴۰ - ۷۲۵ھ - ۱۲۴۲ - ۱۳۲۵ء}

اسحاق نام۔ ابو محمد کنیت، عفیف الدین لقب اور سلسلہ نسب یہ ہے۔

اسحاق بن یحیٰی بن ابراہیم بن اسماعیل الآمدی الدمشقی الحنفی۔ موصوف ۶۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ شمس الدین ابوالحجاج یوسف بن خلیل آمدی، مجد الدین ابوالبرکات عبدالسلام بن عبداللہ بن تیمیہ حرانی حنبلی المتوفی ۶۵۳، شیخ عالی اسناد مسند جزیرہ ابوالفضل عیسیٰ بن سلامہ بن سالم الخیاط {۵۵۴ - ۶۵۴ھ} حافظ ناقد ضیاء الدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد مقدسی المتوفی ۶۴۳ھ وغیرہ سے حدیث کی تکمیل کی حدیث وفقہ میں کامل دستگاہ حاصل کی نیز دیگر علوم میں اچھی دستگاہ بہم پہنچائی۔ حدیث کی کتابوں کے اصل نسخے حاصل کئے [2] پھر مسند تدریس کو زینت بخشی۔

دارالحدیث ظاہریہ دمشق میں حدیث پڑھائی، مؤرخ حافظ ابن کثیر موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں۔

کان شیخا حسنا بھی المنظر سھل الاسماع یحب الروایۃ ولدیہ فضیلۃ [3] — یہ بڑے اچھے شیخ تھے، خوش منظر تھے۔ اطمینان وسہولت سے روائتیں سناتے، روایت حدیث کو پسند کرتے تھے موصوف کو شرف وفضیلت حاصل تھا۔

---

[1] الذہبی ۲۱/۴۳۰، (ل۷) العبر ۵/ وفیات ۶۰۳ھ) (لہ) دول الاسلام ۲/۸۲ ابن العماد ۵/۱۰-۱۱

[2] مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن نے جب ۱۳۱۱ھ میں "مسند ابوداؤد طیالسی" کو شائع کرنا شروع کیا تو دوران اشاعت جو قدیم ترین نسخہ انہیں حاصل ہو سکا وہ شیخ عفیف الدین کی ملکیت تھا یہ نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے یہیں سے مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ نے مستعار لے کر مطبوعہ نسخہ میں اضافہ کیا ہے، مسند ابی داؤد طیالسی کو ابواب فقہ پر ترتیب دینے والوں اور اطراف نگاروں اور حال کے ناشرین کو بھی اس کے سوا کوئی قدیم نسخہ نہیں مل سکا۔

[3] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۱۴/۱۲۴، عبدالقادر القرشی الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ، حیدرآباد دکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۳۲ھ ۱/۱۳۹۔ ذیول العبر فی خبر من غبر للذہبی، تحقیق ابوہاجر محمد السعید بن بسیونی زغلول، بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۴۰۵ھ - ۱۹۸۵ء - ۴/۷۴۔

محدث ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابراہیم المعروف بابن المہندس المتوفی ۷۳۳ھ نے شیخ عفیف الدین کی معجم الشیوخ مرتب کی تھی۔ علامہ شمس الدین ذہبی نے اس کا سماع مصنف سے کیا تھا۔ وہ عفیف الدین کو ثقہ قرار دیتے ہیں [1]

---

[1] الذہبی، المعجم المختص (بالمحدثین)، تحقیق محمد الحبیب الھیلہ، الطائف، مکتبۃ الصدیق۔ ۱۴۰۸ھ ص (۸۰)

ماخذوں کی فہرست

ابن ابی حاتم، ابو محمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی (۳۲۷ھ)

۱۔ تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۵۲ ۶۱۹

۲۔ کتاب الجرح والتعدیل

ابن تیمیہ، تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام الحرانی الدمشقی (۷۲۸ھ)

۳۔ منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ، القاہرہ، مطبعۃ الامیریہ، ۱۳۲۲ھ

ابن الجزری شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد بن علی الجزری الشافعی (۸۳۳ھ)

۴۔ غایۃ النہایہ فی طبقات القراء، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۰ھ

ابن الجوزی، الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد البغدادی ۔ ۵۹۷ھ

۵۔ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۵۹ھ

ابن حجر العسقلانی شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی الشافعی، ۸۵۲ھ

۶۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ رض، بغداد، مکتبۃ المثنیٰ، ب، ت

۷۔ تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۲۴ھ

۸۔ تقریب التہذیب تحقیق محمد عوامہ حلب: دار الرشید ۱۴۰۶ھ

۹۔ تہذیب التہذیب، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۵۲ھ

۱۰۔ طبقات المدلسین، اسماء المدلسین للسیوطی تحقیق محمد زینہم محمد عزب، القاہرۃ، دار الصحوۃ۔

۱۱۔ القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد، حیدر آباد الدکن، دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۸۹ھ

۱۲۔ لسان المیزان، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۲۹ھ

۱۳۔ المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ، تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ب، ت

۱۴۔ نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر بتحشیۃ الشیخ محمد عبداللہ التونکی، کراچی، الرحیم اکیڈمی، ۱۴۰۷ھ

۱۵۔ النکت علیٰ کتاب ابن الصلاح، تحقیق ربیع بن ہادی عمیر، ط ۲، الریاض، دار الرایہ للنشر والتوزیع، ۱۴۰۸ھ

۱۶۔ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری، القاہرہ۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۷ھ

ابن حزم، ابو محمد علی بن محمد ابن حزم الظاہری الاندلسی، ۴۵۶ھ

۱۷۔ فضائل الاندلس واہلہا، تحقیق صلاح الدین المنجد، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۳۸۷ھ

ابن حنبل، احمد بن محمد البغدادی، ۲۴۱ھ

۱۸۔ کتاب العلل ومعرفۃ الرجال، استانبول۔ ۱۹۸۷م

۱۹ - مسند الامام احمد بن حنبل دیہاحشہ منتخب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال للمتقی الھندی ط:۴ البیروت.
المکتب الاسلامی، ۱۹۸۳ء

۲۰ ابن خلکان، شمس الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر ۶۸۰ ھ

۲۰ - وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، تحقیق احسان عباس، بیروت، دار القلم، ۱۹۷۱ء

ابن رجب، زین الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن احمد، ۷۹۵ ھ

۲۱ - شرح علل الترمذی، تحقیق عصام عبد الرحیم سعید، اردن، مکتبۃ المنار، ۱۴۰۷ ھ

ابن سعد کاتب الواقدی ابو عبد اللہ محمد، ۲۳۰ ھ

۲۲ - الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر، ب،ت

ابن الصلاح، تقی الدین ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن الکردی الشہرزوری الشافعی ۶۴۳ ھ

۲۳ - مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث، ملتان، مکتبہ فاروقی، ب،ت،

۲۴ - مقدمۃ الصلاح مع التقیید والایضاح، حلب، المطبعۃ العلمیہ، ۱۹۳۱م

ابن عبد البر ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد المالکی الاندلسی ۴۶۳ ھ

۲۵ - جامع بیان العلم وفضلہ وما ینبغی فی روایتہ وحملہ، مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۹۲۷ء

ابن عدی الجرجانی ابو احمد عبد اللہ ۳۶۵ ھ

۲۶ - الکامل فی الضعفاء، شیخو فورہ، المکتبۃ الاثریہ، ب،ت

ابن العماد، ابو الفلاح عبد الحی بن احمد بن محمد الحنبلی ۱۰۸۹ ھ

۲۷ - شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، مصر، مکتبۃ القدسی ۱۹۷۹ء

ابن فرحون، ابراہیم بن علی المالکی ۷۹۹ ھ

۲۸ - الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان المذہب، القاہرہ، عباس بن عبد السلام ۱۳۵۱ھ

ابن فورک النیسابوری، ابوبکر محمد بن الحسن ۴۰۶ ھ

۲۹ - مشکل الحدیث وبیانہ تحقیق موسیٰ محمد علی، بیروت، عالم الکتب، ۱۴۰۵ھ

ابن قتیبہ الدینوری، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم ۲۷۶ ھ

۳۰ - عیون الاخبار، القاہرہ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۳۴۳ھ

ابن کثیر الشافعی، ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر، ۷۷۴ ھ

۳۱ - الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، دمشق، دار الفکر، ب،ت

۳۲ - البدایہ والنہایہ، القاہرہ مطبعۃ السعادہ، ۱۳۵۱ھ

ابن ماکولا، علی بن ہبۃ اللہ (۴۷۵ھ)

۳۳ - الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنی والالقاب، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ مجلس

دائرۃ المعارف العثمانیہ ، ۱۳۸۳ھ

ابن المدینی ، ابو علی علی بن عبداللہ ، ۲۳۴ھ
۳۴ - کتاب العلل ، تحقیق محمد مصطفی الاعظمی ، بیروت ، المکتب الاسلامی ، ۱۹۷۲ء

ابن نقطہ ، ابوبکر معین الدین محمد بن عبدالغنی الحنبلی البغدادی ، ۶۲۹ھ
۳۵ - التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید ، تحقیق کمال یوسف الحوت ، بیروت ، دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۸ھ

ابن ہمام - کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی ثم السکندری ، ۶۸۱ھ
۳۶ - فتح القدیر للعاجز الفقیر ، مصر ، مطبعۃ الامیریۃ الکبریٰ ، ۱۳۱۵ھ

ابوداؤد الطیالسی ، سلیمان بن داود بن الجارود ، ۲۰۴ھ
۳۷ - مسند ابی داؤد الطیالسی ، حیدر آباد الدکن ، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ ، ۱۳۲۱ھ

ابو الشیخ الاصبہانی ، عبداللہ بن محمد بن حیان ، ۳۶۹ھ
۳۸ - طبقات المحدثین باصبہان والواردین علیہا ، تحقیق عبدالغفار سلیمان البغدادی ، سعد حسن ، بیروت ، دار الکتب العلمیہ ، ۱۴۰۹ھ

۳۹ ابو الطیب عبدالواحد اللغوی مراتب النحویین ، القاہرہ ، مکتبۃ نہضۃ مصر ، ۱۳۷۵ھ

ابو نعیم الاصبہانی ، احمد بن عبداللہ بن احمد ، ۴۳۰ھ
۴۰ - ذکر اخبار اصبہان ، لیدن ، مطبع بریل ، ۱۹۳۴ء

الامیر الصنعانی ، محمد بن اسماعیل بن صلاح ، ۱۱۸۲ھ
۴۱ - توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار ، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید ، القاہرۃ ، مطبعۃ السعادۃ ، ۱۳۶۶ھ

الانصاری ، ابو یحییٰ زکریا بن محمد ۹۲۵ھ
۴۲ - فتح الباقی علی الفیۃ العراقی ، مکۃ المکرمہ ، دار الباز ، ب ، ت ، التبصرہ والتذکرہ کے ساتھ طبع کی گئی ہے

الباجی ، ابو الولید سلیمان بن خلف بن سعد المالکی ، ۴۷۴ھ ،
۴۳ - التعدیل والتجریح لمن خرج لہ البخاری فی الصحیح ، الریاض ، دار اللواء ، للنشر والتوزیع ، ۱۴۰۶ھ

بحر العلوم ، ابو العیاش عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد اللکنوی الانصاری ، ۱۲۳۵ھ
۴۴ - فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ، ط ۲ ، مصر ، دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۲ھ

البلقینی ، سراج الدین ابو حفص عمر ، ۸۰۵ھ
۴۵ - محاسن الاصطلاح ، تحقیق عائشہ عبدالرحمٰن (بنت الشاطی) ، القاہرہ ، مطبعۃ دار الکتب ، ۱۹۷۴ء یہ مقدمہ ابن الصلاح کے ساتھ شائع کی گئی ہے

البیہقی ، الشافعی ، ابوبکر احمد بن الحسین ، ۴۵۸ھ
۴۶ - السنن الکبریٰ ، حیدر آباد الدکن ، دائرۃ المعارف العثمانیہ ، ۱۳۵۵ھ

- الترمذی، ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی بن سورۃ، ۲۷۹ھ

۴۷ - جامع الترمذی، دہلی، مطبع احمدی، ۱۲۶۶ھ

۴۸ - ترتیب مسند الامام المعظم والمجتہد المقدم ابی عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، تحقیق یوسف علی الحسنی، عزت العطار، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۷۰ھ

الجاحظ البصری، ابو عثمان عمرو بن بحر، ۲۵۵ھ

۴۹ - البیان والتبیین، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، ط ۴، بیروت، محمد فاتح الدایہ، ذت،

۵۰ - کتاب الحیوان، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، مصر، مکتبۃ المصطفی البابی الحلبی، ۱۳۶۴ھ

الجزائری، طاہر بن صالح بن احمد، ۱۳۳۸ھ

۵۱ - توجیہ النظر الی اصول الاثر، مطبعۃ الجمالیہ، ۱۳۲۸ھ

حاجی خلیفہ چلپی، مصطفی بن عبداللہ، ۱۰۶۷ھ

۵۲ - کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، استانبول، مطبعۃ الحکومۃ الترکیۃ. ۱۹۴۳ء

الحاکم النیسابوری، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن حمدویہ، ۴۰۵ھ

۵۳ - المدخل، حلب، مطبعۃ العلمیہ، ۱۳۵۱ھ

۵۴ - معرفۃ علوم الحدیث، تحقیق معظم حسین، القاہرۃ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۹۳۷ء

الحسینی، محمد بن علی،

۵۵ - ذیل تذکرۃ الحفاظ تحقیق محمد زاہد الکوثری، دمشق، مطبعۃ التوفیق، ۱۳۴۷ھ.

الخطیب البغدادی، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت، ۴۶۲ھ

۵۶ - تاریخ بغداد او مدینۃ السلام، القاہرہ، مکتبۃ الخانجی، ۱۹۳۱ء

۵۷ - الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، تحقیق محمود الطحان، الریاض، مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۳ھ

۵۸ - الرحلۃ فی طلب الحدیث، تحقیق نور الدین عتر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۵ھ

۵۹ - الکفایۃ فی علوم الروایۃ، حیدر آباد الدکن، جمعیۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۵۷ھ

الدارقطنی، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد، ۳۸۵ھ

۶۰ - ذکر اسماء التابعین ومن بعدہم ممن صحت روایۃ عن الثقات عند البخاری ومسلم، تحقیق بوران الضناوی

۶۱ - کمال یوسف الحوت، بیروت، مؤسسۃ الثقافیۃ، ۱۴۰۶ھ

الدہلوی، عبدالحق بن سیف الدین، ۱۰۵۲ھ

۶۲ - المنہج القویم فی شرح الصراط المستقیم، کلکتہ، افضل المطابع، ۱۳۵۲ھ

دہلوی، عبدالعزیز بن ولی اللہ بن عبدالرحیم، ۱۲۳۹ھ

۶۳ - عجالہ نافعہ، لاہور، مطبع نیر اعظم، ب، ت

الدولابی، ابو بشر محمد بن احمد بن حماد، ۳۱۰ھ

۶۴ - کتاب الکنی والاسماء، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۲۲ھ

الذہبی، ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، ۷۴۸ھ

۶۵ - تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر الاعلام، تحقیق بشار عواد معروف، بغداد، داراحیاء الکتب العربیہ، ۱۹۷۷ء

۶۶ - تذکرۃ الحفاظ، ط، ۳ - حیدر آباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۵ھ

۶۷ - رسالہ فی الرواۃ الثقات المتکلم فیہم بما لایوجب ردہم، مصر، مطبعۃ الظاہر، ۱۳۲۴ھ

۶۸ - سیر اعلام النبلاء، تحقیق شعیب ارنؤوط، ط، ۲، بیروت، موسستہ الرسالہ، ۱۴۰۲ھ

۶۹ - العبر فی خبر من غبر، تحقیق فواد سید، الکویت، مطبعۃ حکومت الکویت، ۱۹۶۱ء

۷۰ - ذیول العبر فی خبر من غبر للذھبی، تحقیق ابو ہاجر محمد السعید بن بسیونی زغلول، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ

۷۱ - کتاب دول الاسلام، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۳۷ھ

۷۲ - المعجم المختص (بالمحدثین) تحقیق محمد الحبیب الھیلہ، الطائف، مکتبۃ الصدیق، ۱۴۰۸ھ

۷۳ - معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، تحقیق محمد سید جاد الحق، القاہرہ، دارالکتب الحدیثیہ، ۱۹۶۹ء

۷۴ - میزان الاعتدال فی نقد الرجال، تحقیق علی محمد البجاوی، لاہور، المطبعۃ العربیہ، ۱۳۸۲ھ

الرامہرمزی، حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد، ۳۶۰ھ

۷۵ - المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، تحقیق محمد عجاج الخطیب ط، ۴، بیروت، دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۰۴ھ

الزرکلی، خیرالدین بن محمود بن محمد، ۱۹۷۶ء

۷۶ - الاعلام قاموس تراجم لاشہر الرجال والنساء، من العرب والمستعربین والمستشرقین، ط، ۵، بیروت، دارالعلم للملایین، ۱۹۸۰ء

السبکی، ابو نصر تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین، ۷۷۱ھ

۷۷ - طبقات الشافعیہ الکبریٰ، تحقیق عبدالفتاح محمد الحلو، محمود محمد الطناحی، القاہرہ، داراحیاء الکتب العربیہ ۱۹۷۶ء

السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن، ۹۰۲ھ

۷۸ - الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، دمشق، مطبعۃ الترقی، ۱۳۴۹ھ

۷۹ - الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، القاہرہ، مکتبۃ القدسی، ۱۳۵۴ھ

السمعانی، ابو سعد عبدالکریم بن محمد ابن منصور، ۵۶۲ھ

۸۰ - الانساب، تحقیق عبداللہ عمر البارودی، بیروت، دارالجنان، ۱۴۰۸ھ

۸۱ - التحبیر فی معجم الکبیر، تحقیق منیرہ ناجی سالم، بغداد، ریاستہ دیوان الاوقاف، ۱۹۷۵ء

السندی - ابوالحسن الصغیر

۸۲ - بہجۃ النظر، شرح علی شرح نخبۃ الفکر، مع تعلیقات العلامۃ الحافظ قاسم بن قطلوبغا علی شرح نخبۃ الفکر تحقیق غلام مصطفٰے قاسمی السندی، حیدرآباد السند، اکادمیہ شاہ ولی اللہ، ۱۴۱۱ھ

السیوطی - جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ۹۱۱ ھ

۸۳ - الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم القاہرۃ، مکتبۃ المشہد الحسینی۔

۸۴ - تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، تحقیق عبدالوہاب عبداللطیف، المدینۃ المنورۃ، المکتبۃ العلمیہ ۱۳۷۹ھ

۸۵ - طبقات الحفاظ، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۰۲ھ

الصفدی، ابوالصفاء صلاح الدین خلیل بن ایبک (۷۶۴ھ)

۸۶ - الوافی بالوفیات، تیسبان، دارالنشر فرانز شتایز، ۱۹۷۹ء

الطحاوی، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ، ۳۲۱ھ

۸۷ - شرح معانی الآثار، لکھنؤ، مطبع مصطفائی، ۱۳۰۰ھ

العجلی، احمد بن عبداللہ، ۲۶۱ھ

۸۸ - تاریخ الثقات، تحقیق عبدالمعطی قلعجی، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ

۸۹ - معرفۃ الثقات، بترتیب نورالدین الہیثمی وتقی الدین سبکی، تحقیق عبدالعظیم البستوی، المدینۃ المنورۃ مکتبۃ الایمان - ۱۴۰۵ھ

الفیومی، ابوالعباس احمد بن محمد، ۷۷۰ھ

۹۰ - المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی، مصر، مصطفٰے البابی الحلبی، ۱۳۶۹ھ

القاسمی، محمد جمال الدین، ۱۳۳۲ھ

۹۱ - قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، تحقیق محمد بہجۃ البیطار، القاہرۃ، عیسی البابی الحلبی، ۱۳۸۰ھ

القرشی، عبدالقادر بن محمد بن محمد (۶۹۶ - ۷۷۵ھ)

۹۲ - الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ، حیدرآباد الدکن، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۳۲ھ)

القسطلانی، ابوالعباس احمد بن محمد، ۹۲۳ھ

۹۳ - ارشاد الساری شرح صحیح البخاری وبہامشہ متن صحیح الامام مسلم وشرح الامام النووی، بیروت، دارالتراث العربی، ب، ت۔

القفطی، علی بن یوسف (۶۴۶ھ)

۹۴ - انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، القاہرۃ - دارالفکر العربی، ۱۴۰۶ھ

القنوجی، ابوالطیب صدیق حسن خان بن علی الحسینی البخاری، ۱۳۰۷ھ
۹۵ - منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول، بھوپال، مطبع شاہجہانی، ۱۲۹۲ھ
الکتانی، محمد بن جعفر (۱۳۴۵ھ)
۹۶ - الرسالۃ المستطرفہ لبیان کتب السنۃ المشرفہ، کراچی، نور محمد اصح المطابع، ۱۳۷۹ھ
الکردری، حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز، ۸۲۷ھ
۹۷ - مناقب الامام اعظم، رحمہ اللہ تعالی، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۲۱ھ
الکوثری، محمد زاہد، ۱۳۷۱ھ
۹۸ - لمحات النظر فی سیرۃ الامام زفر، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ب ت۔
المرعلی، ابو عبداللہ اسعد۔
۹۹ - ترتیب اطراف احادیث مسند الطیالسی، الکویت، مکتبۃ دار الاقصی۔ ۱۴۰۷ھ
المزی، ابوالحجاج جمال الدین یوسف بن عبدالرحمن، ۷۴۲ھ
۱۰۰ - تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دمشق، دار المامون للتراث، ۱۴۰۲ھ
المنذری، ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی، ۶۵۶ھ
۱۰۱ - التکملہ لوفیات النقلہ، تحقیق بشار عواد معروف، ط: ۲۔ بیروت۔ مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۱ھ
الندیم، ابوالفرج محمد بن اسحاق الوراق، ۳۸۵ھ
۱۰۲ - کتاب الفہرست، تحقیق رضا تجدد، ط، ۲۔ کراچی، نور محمد اصح المطابع، ۱۹۹۰ء
النصر پوری، محمد اکرم
۱۰۳ - امعان النظر شرح نخبۃ الفکر تحقیق غلام مصطفی القاسمی، حیدر آباد۔ السنہ، حیدری پریس، ب، ت
نعمانی، محمد عبدالرشید
۱۰۴ - امام ابن ماجہ اور علم حدیث، کراچی، نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب، ۱۳۷۷ھ
۱۰۵ - ما تمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ، کراچی، نور محمد، اصح المطابع، ۱۳۷۳ھ
النووی، ابوزکریا محی الدین یحیی بن شرف، ۶۷۶ھ
۱۰۶ - شرح صحیح مسلم، دہلی، مطبع انصاری، ۱۳۰۹ھ
الہیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر، ۸۰۷ھ
۱۰۷ - مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۶۷ء
یاقوت رومی
۱۰۸ - معجم البلدان، بیروت، دار صادر، ۱۳۷۶ھ

مقدمہ

بر

ہزار سال پہلے

المو سوم بہ

دیوبند اور اکابرِ دیوبند

ہزار سال پہلے

مولانا سیّد مناظِر اُحسن گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ

مع ضمیمہ

دار العلوم دیوبند کی یادیں اور مولانا گیلانی کی علمی خدمات

از: مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی زید مجدہ

ترتیبِ جدید و اضافاتِ مفیدہ

عُمر أنور بدخشانی

اُستاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
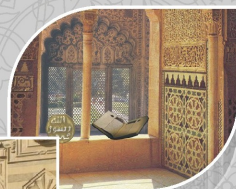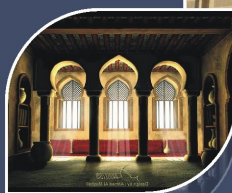
زمزم پبلشرز

ضمیمہ

دیوبند اور اکابر دیوبند

ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے کتب خانہ میں ایک کتاب دیکھنے پہنچا، اتفاقاً ہمارے یہاں کے استاد حدیث محترم مولانا محمد انور بدخشانی کے فرزند مولوی محمد عمر انور سلمہ اللہ تعالیٰ آئے اور فرمانے لگے مولانا مناظر احسن گیلانی (۱۸۹۲ء-۱۹۶۷ء) کی کتاب ''ہزار سال پہلے'' جدید ترتیب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کرنی ہے، میرے منہ سے بیساختہ نکل گیا کہ مولانا گیلانیؒ نے اپنے منصب کا کام نہیں کیا، ایسے کام اور اہل علم کرتے، پھر کیا تھا چہرے کا رنگ بدل گیا، میں طلبہ اور اہل علم سے اس قسم کی بات کر جاتا ہوں اور خود بلا میں گرفتار ہوتا ہوں، یہی یہاں ہوا، میں نے عرض کیا انہیں مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۴۸ھ-۱۲۹۷ھ) کی کتابوں پر لکھنا تھا، یہ کام یہی کر سکتے تھے جو افسوس ہے کہ نہ ہو سکا، بس حکم دیا کہ اس پر آپ کچھ لکھیں، میں نے عرض کیا یہی باتیں لکھوں گا، وہ اس پر راضی ہو گئے، مجھ پر کام کا بوجھ رہتا ہے ''ضغث علی ابالہ'' بوجھ پر اور بوجھ سہی، قہر درویش بر جان درویش، چار پانچ دن کا وعدہ کیا لیکن میرے بیٹے ڈاکٹر حافظ محمد ثانی سلمہ کی شادی کا زمانہ تھا وعدہ پورا نہ کر سکا، ارادہ تھا صفحے دو صفحے لکھ کر جان چھوٹ جائے گی، لیکن میرے لیے قضا و قدر کے فیصلے کچھ اور ہوتے ہیں۔

مادر علمی کی صدا

میں نے مولانا گیلانیؒ پر لکھنے کے لیے قلم پکڑا تو میری مادر علمی یوں گویا ہوئی، مولانا گیلانیؒ میرے سپوت تھے، انہوں نے شروع سے میرا خیال رکھا، آخر عمر میں سوانح قاسمی لکھ کر

میرا حق ادا کیا، تو ان پر لکھنے بیٹھا مجھے بھول گیا، ذرا میری طرف دیکھ! تو نے عمر کاٹی مجھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، تو جے پور (راجستان ہندوستان) سے یہاں آنے والا پہلا طالب علم تھا، جب داخلہ کے لیے یہاں پہنچا میں نے تجھے مہمان خانے میں ٹھہرایا، سترہ دن تیری مہمان نوازی کی، تجھے احاطہ مولسری کمرہ نمبر ۲۶ میں جگہ دی، پانچ برس یہاں رہا، مولسری کے کنوئیں سے تجھے ٹھنڈا پانی پلاتی رہی، تیرے عزم وحوصلہ کو بڑھاتی رہی، تو نے شرح ملا جامی سے دورہ تک یہاں پڑھا، میں نے تجھے حضرت مدنیؒ (۱۲۹۶ھ-۱۳۷۷ھ) کا پکا پھل کھلایا، تجھے اس لائق بنایا کہ تو نے پاکستانی یونیورسٹیوں میں جامعہ کراچی میں ''اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں'' لکھ کر اس جامعہ سے علم کتب خانہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا دروازہ کھولا، اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۳ء میں ختم ہوگیا، لیاقت نیشنل لائبریری، جامعہ کراچی اور بیرو یونیورسٹی کانو، پھر نائجیریا میں تو نے عمر بسر کی، آخر میں تجھے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری (۱۳۲۶ھ-۱۳۹۸ھ) ٹاؤن کراچی جو پاکستان میں چوٹی کے علماء کا مرکز ہے اس کے بانی بھی میرے سپوت تھے، ۱۴۰۸ھ میں مفتی ولی حسن ٹونکی (۱۹۲۳ء-۱۹۹۵ء) کے ساتھ کہ وہ بھی میرے ساختہ پرداختہ تھے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی میں تحقیقاتی مقالات کا مشرف بنوایا، پھر تخصص فی علوم الحدیث کے منصب پر تقرر کرایا، میں نے عرض کیا میں آپ کی نسبت وتعلق کو کہیں فراموش نہیں کرسکا، آپ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے میں ۱۹۵۷ء سے ''معارف'' اعظم گڑھ وغیرہ علمی رسالوں میں آپ کی نسبت سے لکھتا رہا ہوں، وہ کہتی رہی تو نے ابتک مجھ پر لکھنے میں دیر کیوں کی میرے یہاں تاخیر بھی جرم ہے، بات سچ تھی، تاخیر پر معافی مانگی، پھر حکم ہوا لکھ! آخر لکھنا شروع کیا:

عدو کے سامنے آزماتے ہیں وفا میری
قضا کا سامنا ہے آبرو رکھ لے خدا میری

تاریخ دار العلوم دیو بند کے بنیادی ماخذ

① دار العلوم دیو بند پر سب سے پہلے سید محبوب رضوی (التوفی ۱۹۷۹ء) نے تاریخ دیو بند لکھی، جو ۱۹۵۲ء-۷۲ ۱۳ھ میں ادارہ تاریخ دیو بند سے شائع کی گئی تھی، یہ نہایت مختصر کتاب ہے، اب سنا ہے یہ دو جلدوں میں شائع کی گئی ہے۔

② اس کے بعد ہمارے استاد قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیو بند (۱۳۱۵ھ-۱۴۰۳ھ) نے دار العلوم دیو بند لکھی جو ۱۳۸۵ھ-۱۹۶۵ء میں دفتر دار العلوم دیو بند کی طرف سے شائع کی گئی تھی۔

یہ دار العلوم دیو بند کی صد سالہ زندگی، اس کی تاسیس، وجہ تاسیس، تعلیمی، تبلیغی، انتظامی اور عام افادی کوائف واحوال کا مختصر مگر جامع مرقع ہے۔

③ مکمل تاریخ دار العلوم دیو بند کتب خانہ مرکز علم وادب آرام باغ کراچی سے شائع کی گئی ہے جس میں مذکورہ بالا دونوں کتابیں اور بعض وہ کتابیں جو صد سالہ جوبلی کے موقع پر شائع کی گئی تھیں اس میں یکجا کی گئی ہیں۔

④ محمد عبد الرشید ارشد نے ماہنامہ الرشید کا دار العلوم دیو بند نمبر (جلد ۴، شمارہ ۲، ۳) ۱۳۹۶ھ میں شائع کیا، جو گونا گوں معلومات سے آراستہ ہے۔

⑤ انوار قاسمی، یہ انوار الحسن شیر کوٹی (۱۹۰۶ء-۱۹۶۹ء) کی تالیف ہے جو ۱۳۹۲ھ میں شائع کی گئی تھی۔

⑥ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب لاہور ۹/ ۶۱۰ (دیو بند-دیو بندی)۔

⑦ جامعة ديوبند الاسلامية فی ضوء المقالات البنورية، عربی میں مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار (۱۹۹۷ء) نے جامعۃ العلوم الاسلامیۃ کراچی سے ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰ء میں شائع کیا تھا۔

لیکن دار العلوم دیو بند کی تاریخ اور اس کی خدمات اور کارناموں کے متعلق علمی وتحقیقی

کتاب مرتب نہیں ہوسکی، جس کی خدمات کا دائرہ اور اس کے عالمگیر اثرات کا علمی و تحقیقی جائزہ قاسمیوں پر قرض ہے، ممکن ہے ہندوستان میں اس پر کام ہو رہا ہو یہاں وہ کتابیں آتی نہیں ہیں اس لیے اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور اکابر دیوبند

دیوبند میں جن ارباب صدق و صفا نے پندرہ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ، ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو مدرسہ دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی ان کی فطرت میں گلے از گلزارے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی پانچ خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں، ان کی زندگی صحابہ و تابعینؒ کے نقش قدم کا نمونہ تھی، چنانچہ فقیہ و امام شام ابو عمرو اوزاعی (۸۸ھ-۱۵۷ھ) نے ان پانچ خوبیوں کو بحسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

"خمسة كان عليها الصحابة والتابعون، لزوم الجماعة، واتباع السنة، وعمارة المساجد، والتلاوة والجهاد"

[تاریخ دیوبند، محبوب رضوی صفحہ ۷۵، ادارہ تاریخ دیوبند ۱۹۵۲ء]

ترجمہ: صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم جن پانچ باتوں کی پابندی کرتے تھے وہ ہیں: ① نماز باجماعت (کا اہتمام)۔ ② اتباع سنت۔ ③ مسجد کو نماز اور تعلیم سے آباد رکھنا۔ ④ قرآن پڑھنا (پڑھانا)۔ ⑤ جہاد کرنا۔

① ان ارباب مہر و وفا کی زندگی انہی پانچ باتوں کی پابندگی میں گزری ہے، اس کے آثار یہاں کے پڑھنے پڑھانے والوں میں بھی میری طالب علمی کے زمانے تک نمایاں نظر آتے تھے، یہاں کے نامور شیوخ حدیث اور استادوں کا انہی پانچ باتوں پر عمل زندگی کا طرۂ امتیاز تھا اور ان کی دنیوی شہرت و ناموری، علمی و تحقیقی کامیابی و کامرانی اور روحانی ترقی کا یہی راز ہے۔

② اسی طرح ان کی سرشت میں صحابہ و تابعینؒ کے علوم کی ترویج و اشاعت بھی ودیعت کی گئی تھی، چنانچہ انہوں نے زندگی بھر یہی خدمت سرانجام دی، ایک ایسی جابر و ظالم حکومت کے

زیر نگیں رہ کر جس کی حدود سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، صحابہ وتابعین ؒ کے علوم کی ایسی ترویج واشاعت کی جس کی نظیر کہیں مشکل سے ہی ملے گی، صحابہ وتابعین کے علوم کی تفصیل مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین ذہبیؒ (۶۷۳ھ-۷۴۸ھ) کی زبانی سنئے، وہ فرماتے ہیں:

"فما ظنك بعلم المنطق والجدل وحكمة الأوائل التى تسلب الايمان وترث الشكوك والحيرة التى لم تكن والله من علم الصحابة، ولا التابعين، ولا من علم الأوزاعى، والثورى، ومالك، وأبى حنيفة، وابن ابى ذئب، وشعبة، بل كانت علومهم القرآن والحديث والفقه والنحو وشبه ذلك.[1]

ترجمہ: تمہارا کیا خیال ہے علم منطق، جدل اور حکمت اوائل فلسفہ وغیرہ کے متعلق جو ایمان کو برباد کرتے، شکوک وشبہات پیدا کرتے اور حیرت میں ڈالتے ہیں، واللہ یہ صحابہ وتابعین کے علوم نہ تھے اور نہ امام اوزاعی، امام ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام ابن ابی ذئب اور امام شعبہ کے علم سے ان کا کوئی لگاؤ اور تعلق ہے، بلکہ ان کے علوم ① قرآن ② حدیث ③ فقہ ④ اور نحو اور اسی جیسے ادبی علوم تھے۔[2]

شیوخ واساتذۂ دیوبند کے بنیادی علوم بھی یہی تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں منطق وفلسفہ پڑھایا جاتا تھا مگر اس کی حیثیت ثانوی تھی، انہوں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱/ص ۲۰۵

[2] حافظ شمس الدین ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ نے فقہ رائے واجتہاد کو صحابہ وتابعینؒ کے علوم میں شمار کیا ہے، راقم سطور نے (اس موضوع پر ایک نہایت مبسوط مقالہ لکھا تھا جو "السیرۃ" انٹرنیشنل کراچی (شمارہ ۶ و ۷ رمضان ۱۴۲۲ھ اور ربیع الاول ۱۴۲۳ھ) میں شائع ہوا ہے، جس کا عنوان "عہد رسالت میں صحابہؓ کی فقہی تربیت" ہے، الحمد للہ ارباب فکر ونظر نے اسے پسند کیا، ان شاء اللہ یہ مقالہ مزید معلومات کے ساتھ جلد کتابی صورت میں منظر عام پر آجائے گا، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

نے اصل میں صحابہ وتابعینؒ کے علوم کی آبیاری کی اور انہیں از سرِ نو زندہ کیا، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، اوران علوم میں وہ جوہر دکھائے جس کی نظیر ہندوستان میں کم ہی کہیں ملے گی، اور خوبی یہ ہے کہ سید انور شاہ (۱۲۹۲ھ-۱۳۵۲ھ) کے علاوہ دیگر اکابر شیوخ حدیث کو کتابیں کہاں میسر تھیں، انہیں اصلاح وارشاد، یادِ الٰہی، مہمان نوازی اور تعلیم وتدریس اور دیگر ملکی امور سے فرصت کہاں تھی پھر بھی وہ حدیث کی جو توجیہ کرتے ہیں وہ کتابوں میں کہاں نظر آتی ہیں؟ حضرت گنگوہیؒ (۱۲۴۴ھ-۱۳۲۳ھ) اور شیخ الہند (۱۲۶۸ھ-۱۳۳۹ھ) کی درسی امالی اس امر کی شاہد عدل ہیں، حضرت تھانوی (۱۲۸۰ھ-۱۳۶۲ھ) کی بیشتر نکتہ رسی بھی ایسی ہی ہے جو کتابوں کی مرہون منت نہیں۔

④ صحابہ وتابعینؒ کی ان باتوں کے خلاف جب کہیں کوئی تحریک اٹھی اس کے خلاف سب سے پہلے علماء دیوبند سربکف میدان میں اترے، قدیم وجدید تمام فتنوں کی جڑ انہی پانچ باتوں کے خلاف سرگرمیوں میں پنہاں وپوشیدہ ہیں، عقائد کا اختلاف، بدعات، اخلاقی بے راہ روی، اسلامی قوانین کی خلاف ورزیاں، ان کا مذاق اڑانا، نصابی کتابوں اور اسلامی اقدار میں رنگ آمیزی کرنا اور جہاد کے نام سے بیزاری سب کی بنیاد اور جڑ انہی پانچ باتوں کی خلاف ورزی کا پرتو ہیں، جب تک قوم ان باتوں پر عمل پیرا نہیں ہوتی وہ اقوام عالم میں اپنی شناخت برقرار نہیں رکھ سکتی، نہ سربلندی وسرفرازی حاصل کرسکتی ہے، چاہے وہ ایٹم بم بنائے، چاہے آسمان پر کمندیں ڈالے، اس لیے کہ اس کے دل میں وہ ایمان نہیں جو آخرت کی جواب دہی کے لیے بے چین رکھے، وہ ریت کی ایک دیوار ہے:

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ان ارباب صدق وصفا کی صحابہ وتابعینؒ کے نقش قدم کی پیروی وپابندی ان کے علوم سے وابستگی وشیفتگی کے باوجود انہوں نے نہایت جانفشانی اور اخلاص سے تدریسی خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی روشنی اور کشش پیدا کی کہ ہندوستان کے صدیوں سے آباد مرکزِ علم

بھی ماند پڑ گئے، ایشیاء ہی نہیں بلکہ افریقہ، یورپ اور امریکہ اور بہت سے ممالک سے طلبہ اس مدرسہ کا رخ کرنے لگے تھے، اب بھی آتے ہیں باوجودیکہ اب وہاں دیوبندیوں نے اپنے مدرسے کھول رکھے ہیں، ہندوستان میں نہیں جاتے تو پاکستان آتے ہیں۔

یہ بات نہ تھی کہ اکابر دیوبند اور دارالعلوم کے مسند نشین منطق، فلسفہ وحکمت سے بے بہرہ تھے، انہیں ان علوم میں بھی مہارت حاصل تھی اور وہ جس خوبصورتی سے منطق کے فقرے اور جملے اپنے درس میں استعمال کرتے تھے شاید ہی کوئی کرتا ہو۔

شیخ الہندؒ کے درس بخاری میں صلوۃ الکسوف کی بحث میں جو حدیثیں آتی ہیں ان میں آتا ہے کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف معمول تلاوت لمبی کی، رکوع وسجدے بھی بہت لمبے کیے، اتنے لمبے کہ صحابہؓ نے بار بار رکوع سے کھڑے ہوکر آپ کو دیکھا اور آپ کو رکوع میں پایا۔

یہ روایتیں صحیح سند سے آئی ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی رکوع کیے ہیں، سید انور شاہؒ نے دوران سبق پوچھا اس سے تو تعدد رکوع ثابت ہیں، حضرت شیخ الہندؒ نے یہ اعتراض سنتے ہی برجستہ فرمایا: ''تم اجلی البدیہیات'' کو نظری بنانا چاہتے ہو؟ ہر نماز میں ایک رکوع ہے یہاں بھی ایک ہوگا''۔ پھر انور شاہ نے سبق میں کوئی سوال نہیں کیا۔

کتب خانہ

میری طالب علمی کا زمانہ ایسا تھا جب دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے میں کتابیں مقفل (Lock and key) میں رکھی جاتی تھیں، اس سے پہلے بھی یہی دستور تھا، یعنی طلبہ کو نصابی کتاب کے علاوہ کتب خانہ کی کسی اور کتاب کے استعمال کی اجازت تھی نہ کتب خانے میں آنے کی، بلکہ کتب خانہ کے دروازے پر ایک لمبی تپائی پڑی رہتی تھی، اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ درسی کتاب آغاز سال میں ایک مرتبہ لے جائیں، اور اختتام سال امتحان کے بعد اس تپائی پر واپس کرکے گھر چلے جائیں، کتب خانہ میں داخل نہ ہوں، کتابیں صرف استادوں کے استعمال

میں رہتی تھی، کسی حاشیہ اور شرح سے استفادہ کی اجازت طالب علم کو نہ پہلے تھی، نہ میرے زمانے میں اٹھی تھی، میں جب تک وہاں رہا اس عرصہ میں کسی مہمان کو کتب خانہ دکھانے لے جاتے تو پھر کہیں کتابوں پر نظر پڑتی۔

میں اپنے وطن جے پور (راجستان) سے چھٹیاں گزار کر شوال میں جاتا، مجھے درسی کتابوں کے ایسے نسخے ملتے تھے جس میں چورخی حاشیہ ہوتے تھے، وہ کتابیں اپنی عمر کے دن گن رہی ہوتی تھیں، انہی کو پڑھتا رہتا تھا، میرے ہم سبق، مولانا فیض علی شاہؒ، زکی کیفیؒ، مولانا سید حامد میاںؒ (بانی جامعہ مدنیہ لاہور)، مولانا محمد سالم (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) وغیرہ تھے، ان کے پاس کتابوں کے اچھے نسخے ہوتے تھے، یہ شروع دنوں میں کتابیں لیتے تھے۔

کتب خانے میں مطالعہ پر پابندی

طلبہ کو کتب خانہ میں کتابوں کے استعمال پر پابندی کی بہت سی وجوہ ہوسکتی ہیں:

① جگہ کی کمی۔ ② عملہ کی کمی۔ ③ طلبہ کی کثرت۔

④ مطالعہ کی اجازت کی صورت میں اسباق سے غفلت۔

⑤ غیر موضوع کی کتابوں میں وقت کی بربادی۔

⑥ کتابوں کے استعمال میں بے احتیاطی۔

بہرحال جو بھی توجیہ کی جائے وہ دل کو نہیں لگتی، طلبہ جب کتابوں کے نام اور مصنفین کے مراتب اور ان کے طبقات سے بے بہرہ رہیں گے انہیں علم کی ہوا کہاں سے لگے گی؟ ذہین زکی طلبہ آئندہ پڑھانے کی خاطر درسی کتاب شوق سے یاد کرتے تھے، اس سے ان کی معلومات کتاب کی حد تک محدود ہو کر رہ جاتی تھی، انہیں لکھنے کا کوئی موقع نہ ملتا تھا اس لیے کہ لکھنے کے لیے کتابیں ہونی چاہئیں انہیں یہ سہولت میسر نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ دیوبند سے اہل قلم خال خال ہی نکلے ہیں مدرسین کی ہر جگہ کثرت ہے۔

علمی تربیت کی ہر شعبہ میں بہت کمی ہے، ذہین زکی طلبہ کو درسی کتابیں زبانی یاد ہوتی

تھیں، لیکن فن پر نظر نہ ہوتی تھی نہ آئندہ اس کی کوئی راہ نظر آتی تھی، اس لیے کہ اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ ذاتی کتابیں خریدیں، اکثر کے پاس صحاح ستہ تک نہیں ہوتی تھی۔

استادوں کی درسی امالی میں نقائص کی بنیادی وجہ کتب خانوں سے کتابوں کے استعمال پر پابندی ایک اہم عنصر تھا اور ہے، دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے سے استفادہ کی اجازت نہ تھی ، اس لیے طلبہ مشکوۃ المصابیح اور دورۂ حدیث کے سبق میں شیخ الحدیث اور اساتذۂ حدیث کی درسی تقریریں لکھتے رہتے تھے، یہی وہ مطالعہ میں رکھتے اور کام نکالتے تھے۔

درسی تقریریں

یہی وجہ ہے کہ حضرت گنگوہیؒ (۱۲۴۴ھ-۱۳۲۳ھ) اور شیخ الہندؒ (۱۲۶۸ھ-۱۳۳۰ھ) کی درسی امالی میں بہت سی توجیہیں نہایت مختصر اور الہامی ہوتی تھیں، ذہین فطین طلبہ سمجھ کر لکھتے تھے ان سے صحاح ستہ حل ہوجاتی ہے، چنانچہ مولانا یحی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۸ھ-۱۳۳۴ھ) نے حضرت گنگوہیؒ کی درسی تقریریں سمجھ کر لکھی تھی، ان میں کتابوں کے حوالے نہیں تھے، وہ طبع زاد تھیں باسانی قید تحریر میں آگئی تھیں وہ درست ہیں۔

درسی امالی لکھنے میں خرابی یہ ہے کہ ذرا بھی ذہن ادھر ادھر ہوا مطلب تک رسائی ممکن نہیں رہتی، شیخ الہندؒ کی درسی تقریروں کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے، دو چار زودنویس اور نہایت ذہین و مستعد طلبہ کی درسی کاپیاں سامنے رکھی جائیں تو غور کرنے سے مطلب تک رسائی ہوجاتی ہے ورنہ مطلب کی ترجمانی ایک دو کاپیوں سے پوری نہیں ہوتی، شیخ الہندؒ کی اردو درسی تقریروں کا مجموعہ شائع کیا گیا تھا، ایک مجموعہ راقم سطور کے کتب خانے میں بھی موجود ہے، اس سے زیادہ صاف اور بہتر نسخہ قاری سید شریف احمد تھانوی زید مجدہ کے پاس موجود ہے، ایڈٹ کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے۔

ان درسی تقریروں میں بنیادی خرابی یہ ہے کہ طلبہ کی یہ املائی کاپیاں استاد کی نظر سے نہیں گزرتی ہیں، اس لیے ان میں بہت سی خامیاں رہ جاتی ہیں اور عقیدت مند ایسے ہی انہیں

شائع کرتے ہیں، نووارد طلبہ انہیں خریدتے اور کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ کاپیاں قابل اعتماد نہیں ہیں۔

مولانا محمد چراغ (۱۳۱۴ھ-۱۴۰۹ھ) نے سید انور شاہؒ کی ترمذی کی تقریر لکھی اور اس کا ایک نسخہ حضرت شاہ صاحبؒ کو پیش کیا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کو دیکھنے کا وقت نہ ملا اس لیے تقریظ بھی نہیں لکھی ایسی صورت میں وہ قابل اعتماد و مستند کیونکر قرار پا سکتی ہے۔

بخاری کی درسی تقریر ''فیض الباری'' چونکہ سید انور شاہؒ کی نظر سے نہیں گزری اس میں نقائص موجود ہیں، ضرورت ہے کہ اس پر بالغ نظر ارباب فکر ونظر کی ایک جماعت غور کرے اور اس کے مراجع دیکھے، پھر اسے شائع کیا جائے، بلاشبہ اس پر علامہ شیخ محمد زاہد الکوثریؒ (۱۲۹۶ھ-۱۳۷۱ھ) نے نظر ڈالی ہے، وہ علامہ کی طائرانہ نظر ہے، موصوف نے بہت سی غلطیاں دور کی ہیں، پھر بھی اس پر کام کی ضرورت ہے، آپ نے دیکھا طلبہ پر کتب خانہ میں کتابوں کے دیکھنے پر بندی نے کیا گل کھلائے ہیں؟

مولانا گیلانیؒ نے سید محمد انور شاہؒ سے جب صحیح مسلم پڑھی درسی تقریر بھی لکھی، انہیں اس امر کا اعتراف ہے کہ یہ اچھی طرح نہیں لکھی جا سکی، اس لیے کہ ان کی درسی تقریر لکھنا مشکل ترین کام تھا، ان کی درسی تقریر کو ضبط تحریر میں لانا طالب علم کے بس کی بات نہ تھی، پھر بھی علمی جواہر پاروں سے مرصع تھی، وہ انہیں جان سے زیادہ عزیز تھی، مولانا گیلانیؒ کی یہ درسی تقریر کسی طالب علم نے اڑالی، مولانا گیلانیؒ نے بہت واویلا کیا لیکن فائدہ نہ ہوا، انہیں عمر بھر اس کا قلق رہا، یہ دکھ بھری کہانی جب یاد آتی تو فارسی کا یہ شعر بڑی حسرت سے پڑھتے تھے:

آنچہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدے
ہم سلیماں، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے

امالی صحیح مسلم کا یہ مجموعہ کسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۰۵ھ-۱۳۶۹ھ) کے ہاتھ آ گیا تھا، موصوف نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں اس سے استفادہ کیا اور امالی کا حوالہ بھی دیا ہے، ہمیں مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے توسط سے یہ مجموعہ علامہ شبیر احمد عثمانی کے چھوٹے بھائی فضل احمد

عثمانی سے دیکھنے کے لیے ملا تھا، گو یہ مجموعہ زیادہ ضخیم نہیں مگر علامہ سید انور شاہؒ کے علوم کا آئینہ دار اور بہت سے علمی فوائد سے آراستہ ہے۔

آج کل کتابوں کی بھرمار ہے، کسی درسی امالی کو کیونکر سندی حیثیت حاصل ہوسکتی؟ جب کوئی اعتراض کیا جاتا ہے شیخ الحدیث اور استاد حدیث یہ کہکر چھوٹ جاتا ہے کہ یہ طالب علم نے لکھا ہے، میں نے نہیں لکھا، جہاں استاد یہ کہیں غور فرمائیں! ان کاپیوں کی بھلا کیا حیثیت ہے؟ پھر یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ ایسے استادوں کی کاپیاں جنہوں نے عمر بھر کبھی کوئی تحقیقی کتاب نہیں لکھی کوئی تحقیقی مقالہ پیش نہیں کیا اسے کبھی سند کا درجہ حاصل ہوسکتا ہے؟ اس زمانے میں بعض درسی تقریروں میں اہل علم کی تحقیقات بغیر حوالہ درج کی جانے لگی ہیں، اس سے لائق شاگردوں کی نظر میں استاد کا وقار مجروح ہوتا ہے۔

اکابر دیوبند کی زندگی

دیوبند کے ان خاصان خدا کی زندگیاں بھی صحابہ وتابعینؒ کی سادگی، بے تکلفی، تواضع وانکساری، ایثار وقربانی، ہمدردی اور اخلاص ورضائے الٰہی میں ایک گونہ نسبت رکھتی تھیں، ان کے گھر میں نہ کوئی خادم ہوتا تھا نہ کوئی طالب علم رہتا تھا، بس ایسے اللہ والے تھے کہ گھر کا کام کاج بھی خود کرتے تھے، نیا آنے والا انجان مکان پر آتا ان کا برتاؤ اور رہن سہن دیکھتا وہ ان نفوس قدسیہ کو گھر کا خادم سمجھ بیٹھتا تھا، چنانچہ مولانا معین الدین اجمیریؒ (۱۲۹۹ھ-۱۳۵۹ھ) جو مولانا برکات احمد ٹونکی (۱۲۸۰ھ-۱۳۴۷ھ) کے نامور شاگرد اور معقولات کے زبردست عالم تھے، دلی آئے ،شیخ الہندؒ سے ملاقات کے لیے دیوبند پہنچے ان کے مکان پر آئے اور دستک دی، اس کی داستان اپنے شاگرد مولانا منتخب الحق پروفیسر وصدر شعبہ اسلامیات جامعہ کراچی کی زبانی سنئے، جو موصوف نے اپنے شاگرد مولانا ڈاکٹر محمد مظہر بقا کو سنائی تھی، فرماتے ہیں: مجھ سے میرے استاد مولانا منتخب الحق صاحب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مولانا معین الدین صاحب اجمیریؒ دلی آئے تو حضرت شیخ الہند کی زیارت کے لیے دیوبند بھی پہنچے، گھر پہنچ کر زنجیر کھٹکھٹائی تو ایک صاحب باہر آئے ان سے

مولانا معین الدین مرحوم نے کہا کہ حضرت شیخ الہند سے کہہ دو کہ اجمیر سے معین الدین آیا ہے، ان صاحب نے مولانا معین الدین کو اندر بلا کر دیوڑھی میں پڑے ہوئے پلنگ پر بٹھایا، پھر اندر سے گڑ اور پانی لائے، اور ان کے پاس بیٹھ کر ان کی تواضع کرنے لگے، تھوڑی دیر ہوئی تو مولانا معین الدین نے کہا میاں! ہم نے تم سے کہا کہ حضرت شیخ الہند کو ہماری آمد کی اطلاع کر دو اور تم اب تک ہمارے پاس بیٹھے ہو، ان صاحب نے جواب دیا اگر شیخ الہند سے آپ کی مراد محمود الحسن ہے تو یہ نام تو اس خاکسار کا ہے۔

مولانا محمود حسن کے یہاں دعوت

مولانا سید عبدالحیؒ لکھنوی اکابر دیو بند کے برتاؤ، حسن اخلاق، تواضع وانکساری کے متعلق "دہلی اور اس کے اطراف" میں لکھتے ہیں: مولانا ذوالفقار علی صاحب اور اکثر بزرگان دیو بند بیٹھے ہوئے تھے، مولانا ذوالفقار علی صاحب نے نہایت فراخدلی سے ہم لوگوں کا خیر مقدم کیا، اور مل کر صدر مقام میں باوجود ہم لوگوں کی معذرت کے بٹھایا، اس کے بعد فرمایا کہ جس وقت میں نے سنا کہ رائے بریلی سے کوئی صاحب آئے ہیں تو میں سمجھ گیا تھا کہ صاحبزادے ہونگے کیونکہ علم سے ان لوگوں کو ہمیشہ سے مناسبت ہے، پھر انہوں نے ایسی باتیں شروع کیں جس کو سن سن کر شرم وندامت سے ہمارے سر جھکے جاتے تھے، اور جتنے وہاں بیٹھے تھے انہوں نے ایسا اظہار عقیدت کیا کہ ہم کو ان بزرگوں کے حسن ظن پر حیرت ہے، ہم لوگوں کی مخدومیت اور اپنی خادمیت کا اظہار ہر ہر بات پر فرماتے تھے۔

سب سے زیادہ شکایت اس بات کی تھی کہ آپ سرائے میں کیوں ٹھہرے؟ کیا آپ ہم کو اپنا خادم نہیں سمجھتے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ سرائے میں رہیں، مولوی محمود حسن صاحب نے کہا کہ کل میں نے بہت اصرار کیا لیکن انہوں نے مانا نہیں، مولانا ذوالفقار علی صاحب نے کہا کہ آپ نے ان کے انکار کو تسلیم ہی کیوں کیا؟ آخر کو آدمی سرائے بھیجا گیا اور اسباب اٹھوا منگایا۔

حافظ احمد (۱۲۷۹ھ-۱۳۴۷ھ) کا اصرار

اس عرصہ میں کھانا آیا، نہایت اہتمام کے ساتھ کھانا پکوایا گیا تھا، کھانے کے بعد مولوی ذوالفقار علی صاحب نے اپنے ہاتھ سے اور مولوی محمود حسن صاحب نے بستر بچھا کر کہا کہ آپ قیلولہ فرمائیں، ارادہ اسی وقت روانگی کا تھا، مگر حافظ احمد صاحب خلف الرشید مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ نے نہایت اصرار کے ساتھ شب کی دعوت کی نسبت فرمایا، ان کی استدعا ایسی تواضع وانکسار کے ساتھ تھی کہ مجبوراً فسخ عزیمت کرنی پڑی۔

اکابر دیوبند کی تواضع

ان سب بزرگوں نے نہایت افسوس کے ساتھ ذکر کیا کہ آپ دو دن سے آئے ہوئے ہیں، بارش کی وجہ سے ہم لوگوں کو اطلاع نہیں ہوئی، ورنہ سرائے میں حاضر ہوتے اور آپ نے باوجود اس بات کے جاننے کے کہ دیوبند میں سب ہمارے خادم ہیں یہاں فروکش ہونے سے گریز کیا، وہ یہ باتیں کررہے تھے اور ہم شرم وغیرت کے مارے عرق عرق ہوئے جاتے تھے، اے اللہ! ان بزرگوں کا یہ حسن ظن اور ہماری یہ حالت! ان کی یہ حسن عقیدت اور ہماری یہ شامت اعمال! ان میں وہ مسکنت اور غربت ہم میں یہ خودداری اور نخوت! ان میں وہ سادگی اور بے تکلفی ہم میں یہ تکلف اور یہ مستی!

این الثری من الثریا ، نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا.

ستمبر ۱۹۴۷ء میں کراچی آیا تو ایک سال یہاں گزرا، ۱۹۴۸ء میں جب میں کراچی سے دیوبند اپنی تعلیم پوری کرنے گیا تو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے ملنے مظاہر العلوم سہارنپور گیا، ظہر کی نماز میں ملاقات ہوئی، بھائی صاحب مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کا سلام پیش کیا، فرمایا واپس کب جاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کل جاؤں گا، فوراً ایک صاحب سے کہا ان کے کھانے کا انتظام کرنا یہ کل جائیں گے، اور مجھ سے فرمایا تم مغرب کے بعد میرے پاس اوپر حجرے میں آنا

، میں ظہر کے بعد ان کے یہاں سنن ابوداود کے سبق میں جا بیٹھا، مغرب بعد حجرے میں حاضر ہوا، یہ میری ان کے حجرے میں پہلی اور آخری ملاقات تھی، شیخ الحدیث قد آور خوبصورت اور فربہ تھے، ڈاڑھی سفید ہوگئی تھی، تہ بند اور کرتا زیب تن تھا، حجرے میں داخل ہوا ایک لکڑی کا سادہ اسٹول جس پر پالش بھی نہ تھی رکھا تھا، اس پر چند کتابیں رکھی تھیں، ایک مشکوۃ کا نسخہ تھا، ایک چارپائی جس کا بان اتنا ڈھیلا اور نیچا تھا کہ اس کے اور حجرے کے فرش کے درمیان ایک بالشت سے کم فاصلہ رہ گیا تھا، چارپائی پر ایک دری پڑی تھی، شیخ اس پر بیٹھتے مطالعہ کرتے اور سوتے تھے، یہ شان تھی سہارنپور کے شیخ الحدیث کے حجرے کی، تکلف ونمائش کا یہاں نام نہ تھا، ان آنکھوں نے ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے، میری طالب علمی کے زمانے میں ایسے پاک نفوس تھے شہرت اور ہر دلعزیزی جن کے قدم چومتی تھی، ذرا صحابہ وتابعینؒ کی زندگی پڑھئے! کیا تھی اور وہ کیا کر گئے انہیں دیکھئے! کیا ذخیرہ علمی چھوڑا لوگوں کی کیسی زندگی سنواری، شیخ الحدیث کی ''آپ بیتی'' اس کی منہ بولتی تصویر ہے۔

جہاد

صحابہ وتابعین خلق خدا کو اسلام کی نعمتوں سے مالا مال کرنے اور دین الٰہی کا بول بالا کرنے کے لیے جہاد کرتے تھے، اکابر دیوبند نے مسلمانوں کی سلطنت کو بحال کرنے اور انگریزوں کو یہاں سے نکالنے کے لیے شاملی میں جہاد کیا، ان میں سے بعض مجاہدین نے میدان کارزار میں گولیاں کھائیں اور جام شہادت نوش کیا، بعض کو دنیا میں بھی جام شہادت کے منھ سے چھو جانے کی چاشنی عمر بھر چاہتے رہے تھے، ان میں ایک مولانا مظہر نانوتویؒ (۱۲۳۲ھ-۱۳۰۲ھ) بھی تھے، چنانچہ ''علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و دینی خدمات'' میں موصوف کے متعلق منقول ہے: مولانا الحاج مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی (۱۳۲۲ھ-۱۴۱۷ھ) سرپرست مدرسہ عالیہ مظاہر علوم ومفتی اعظم دارالعلوم دیوبند بیان کرتے ہیں کہ:

''مجھ سے ہردوئی میں ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب

زبان بہت کثرت کے ساتھ اپنے ہونٹوں پر پھیرتے رہتے تھے، کسی کے اصرار کے ساتھ دریافت کرنے پر فرمایا کہ ۱۸۵۷ء میں میں بھی جہاد میں شریک تھا، میرے گولی لگی، میں گر گیا، اسی حال میں دیکھا کہ حوریں شربت کے گلاس لیے ہوئے آئیں اور شہداء کو پلانا شروع کر دیا، ایک گلاس میرے سامنے بھی لایا گیا، میں نے جس وقت اس کو منھ سے لگایا اور میرا لب تر ہوا تو دوسری نے یہ کہہ کر وہ گلاس ہٹالیا کہ ابھی اس کی حیات باقی، یہ ان میں سے نہیں ہے، وہ لذت ہونٹوں پر اب تک باقی ہے جو مجھے چین نہیں لینے دیتی"۔

تجارت و حسن معاملہ

صحابہ و تابعین ؒ کی تجارت بھی عبادت تھی، ان کا لین دین نہایت صاف ہوتا تھا، دھوکا اور فریب ان کے یہاں نہ تھا وہ چیز کی اچھائی برائی پہلے بتاتے پھر بیچتے تھے، اس لیے ان کی تجارت میں برکت خوب تھی، معاشرہ بھی ترقی کی راہ پر گامزن تھا، انسان کی آزمائش کا ذریعہ اس کی تجارت اور لین دین ہے، اس میں اگر وہ سچا رہا تو قابل اعتبار اور لائق اعتماد ہے ورنہ کچھ نہیں۔

اکابر دیوبند کا طرز معاشرت ان کے بتائے ہوئے اصول پر قائم تھا، یہ حسن معاملہ کا بہت خیال رکھتے تھے، ان کی تجارت دیانتداری وانصاف پر مبنی تھی، یہ خریدار کو چیز کی اصل حقیقت سے پہلے آگاہ کرتے تھے، اس امر کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سید محمد انور شاہؒ کا رسالہ "فاتحہ خلف الامام" دیوبند سے شائع کیا گیا، اس میں دقیق علمی بحثیں آگئی تھیں، ہر پڑھا لکھا مولوی ان کے سمجھنے سے قاصر تھا، اس لیے کتاب کے آخر میں اشتہار دیا گیا جو اس رسالے سے فائدہ اٹھانے کا اہل ہو وہی اسے خریدے، وہ اشتہار مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ (۱۲۹۴ھ-۱۳۶۴ھ) نے "کلیات شیخ الہند" کے سرورق کی پشت پر دیا تھا، ہدیۂ ناظرین ہے:

"فصل الخطاب" فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں محدثانہ تحقیقات اور عالمانہ مضامین کافی الحقیقت بے مثل رسالہ جو اکابر محدثین کی تحقیقات کا سچا نمونہ ہے

، دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا انور شاہ صاحب نے عربی زبان میں بکمال انصاف تحریر فرمایا ہے، بڑے بڑے علماء بھی مشکل سے سمجھتے ہیں، کم سواد مولوی طلب نہ فرمائیں''۔

[کلیات شیخ الہند، مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۴۰ھ]

کتابی دنیا میں مذکورۂ بالا اشتہار اس قسم کا پہلا اور آخری اشتہار ہے جس کی نظیر کہیں ملنا مشکل ہے۔

انہیں مذکورۂ بالا خصوصیات کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند اور اکابر دیوبند کو قبول عام وتام حاصل ہوا ہے اور اس کی برکات سے براعظموں میں ہر ایک براعظم ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ سب ہی برابر فیض پاتے رہے ہیں۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

مولانا گیلانی کی علمی خدمات

مولانا گیلانی کی علمی تحقیقی، تصنیفی اور تبلیغی مخلصانہ خدمات نے انہیں عوام وخواص کے ہر طبقہ میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا، اردو میں انہوں نے خود بھی اپنے متعلق بہت کچھ لکھا، ''مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں''، ''احاطۂ دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن'' اور ''مکاتیب گیلانی'' میں ان کی زندگی کے بہت سے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔

ان کے ہم عصروں ادیبوں میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی (۱۸۹۱ء-۱۹۷۷ء)، مولانا علی میاںؒ (۱۹۱۴ء-۱۹۹۹ء)، سید صباح الدین عبد الرحمن مدیر ''معارف'' (متوفی ۱۹۸۷ء)، سید محمد ازہر شاہ قیصرؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ نے اور ان کے شاگردوں میں مولانا غلام محمد نے بہت کچھ لکھا ہے، اور مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا ظہیر الدین مفتاحی نے ''حیات مولانا گیلانی''، لکھی۔

مولانا گیلانی کی مطالعہ میں عادت شریفہ یہ تھی کہ وہ جب کسی کتاب کا مطالعہ کرتے قلم اور رجسٹر ساتھ رکھتے تھے، جہاں کوئی کام کی بات نظر آتی فوراً اسے لکھتے، پھر آگے مطالعہ کرتے تھے، بعد میں گوناگوں معلومات کو عنوان اور موضوع کی مناسبت سے علیحدہ کر کے رکھتے، اور جب مواد اتنا ہو جاتا کہ کتاب یا مقالہ اور مضمون لکھ سکیں انہیں معلومات کو یکجا کر کے مضمون یا مقالہ تیار کرتے تھے، چنانچہ بلا تکلف کہہ جاتے ہیں کہ یہ کتاب میں نے اتنے دن میں اور وہ کتاب اتنی مدت میں لکھی ہے، کتاب ناشر چھاپتا اور کماتا تھا خود کبھی کسی سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔

مولانا گیلانی کے ترجمہ اسفار اربعہ پر کسی نے روشنی نہیں ڈالی، یہاں اس کا ذکر کیا جاتا ہے، علامہ صدرالدین شیرازیؒ (۱۰۵۹ھ-۱۶۴۹ھ) کی "الاسفار الاربعۃ فی الحکمۃ" جلد وجلد ثانی جو متوسط تقطیع کے ۱۷۵۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اس کے سرورق پر صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ سرکار عالی لکھا ہوا ہے، اس کا ایک نسخہ میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے، یہ ترجمہ دارالعلوم جامعہ عثمانیہ سرکار روالی حیدرآباد دکن سے ۱۹۴۱ء میں شائع کیا گیا تھا، اس کا حصہ اول جلد دوم کا ترجمہ جو ۶۸۷ سے ۱۷۵۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ۱۳۵۹ھ میں ختم ہوا تھا اور ۱۹۴۲ء میں شائع کیا گیا تھا، مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مولانا گیلانی نے یہ ترجمہ اس زمانہ میں کیا جب وہ صدر شعبہ تھے، مولانا نے ابتداء میں آغاز ترجمہ کی تاریخ نہیں لکھی، اس لیے ترجمہ کتنے عرصہ میں کیا گیا اس کا پتہ نہیں لگتا، موصوف کے سوانح نگاروں نے بھی اس سے اعتناء نہیں کیا، موضوع کے متعلق صدر شیرازیؒ کے دیباچہ کے ترجمہ کو کافی سمجھا گیا، ترجمہ کی نسبت بھی کچھ نہیں کہا گیا، بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کا تعلق علوم اوائل منطق وفلسفہ سے ہے، اب کسے دلچسپی ہے، یہ صحابہ وتابعین کے علوم میں داخل نہیں، مولانا گیلانی نے بھی اس سے تعرض نہیں کیا۔

مولانا عبدالحئی فرنگی محلی (۱۲۶۴ھ-۱۳۰۴ھ) نے منطق وفلسفہ کی کتابوں پر جتنی تعلیقات وحواشی لکھے شاید ہی ہندوستان کے کسی عالم نے اتنے حواشی وتعلیقات لکھی ہوں، لیکن کسی

محقق نے انہیں موضوع بحث نہیں بنایا، حالانکہ ہمارے ذہین ترین طبقہ کا یہ بڑا علمی سرمایہ ہے، مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کا بہت قیمتی وقت ان تعلیقات میں خرچ ہوا، ان کے سوانح نگاروں نے ان سے اعتناء نہیں کیا اور نہ وہ ان کی شہرت میں چار چاند لگا سکے، انہیں جو شہرت ملی وہ فقہ وفتاوی، اصول حدیث، اصول فقہ، علم رجال، موطا امام محمد کی شرح التعلیق المجد اور الحصن الحصین کے حواشی سے ملی ہے۔

ادارۃ القرآن نے بھی مولانا عبدالحیؒ کے عربی رسائل شائع کیے ہیں جن کا تعلق فقہ وحدیث سے ہے، شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ (۱۳۳۶ھ-۱۴۱۷ھ) نے مولانا عبدالحیؒ فرنگی محل کے انہی رسالوں اور کتابوں پر تعلیقات لکھی ہیں جن کا تعلق علوم حدیث وعلم رجال سے ہے اور انہی تحقیقات وتعلیقات نے انہیں اسلامی ممالک میں متعارف کرایا ہے۔

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے ہندوستان میں مقدمہ ابن الصلاح مطبع یوسفی لکھنوے، کتاب الآثار امام ابوحنیفہؒ اور فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث محمد تیغ بہادر کے مطبع انوار محمدی لکھنوے شائع کرائی، اس مطبع کی فتح المغیث کا نسخہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن میں موجود ہے، اور کتاب الآثار بار دوم کا ایک نسخہ راقم سطور کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

موصوف نے سید شریف کے رسالہ اصول حدیث کی شرح ''ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی'' لکھی جو پہلی بار لکھنو میں خادم حسین المعروف بنادر حسین نے لکھنو سے ۱۳۰۴ھ میں شائع کی تھی، دسویں صدی ہجری میں شمس الدین محمد الحنفی التبریزی نے اس کی شرح ''الدیباج المذہب فی مصطلح الحدیث'' کے نام سے لکھی تھی وہ ۱۳۵۰ھ میں شائع کی گئی تھی، پھر المصطفی البابی نے ۱۹۵۲ء میں مصر سے دوبارہ شائع کی تھی، اب شرح تقی الدین ندوی کی تحقیقات سے دوبارہ شائع کی گئی ہے۔

۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۱ء تک میں بھی دفتر معجم المصنفین (دارالشفاء اور عثمان شاہی حیدرآباد

دکن) میں اپنے والد منشی عبدالرحیم خاطر کے ساتھ رہا ہوں، یہاں کے دو سالہ قیام نے مجھے علم کا جویا بنایا، معجم المصنفین مولانا محمود حسن خان ٹونکی (۱۲۷۸ھ-۱۳۶۲ھ) نے جو مفتی ولی حسن ٹونکی کے دادا اور مولانا حیدر حسن خان شیخ الحدیث ندوۃ العلماء کے بڑے بھائی تھے عالم اسلامی کے پچاس ہزار مصنفوں کا تنہا تذکرہ مرتب کیا تھا، صدر یار جنگ نواب حبیب الرحمن خان شیروانی کو جب کسی عالم کے تذکرہ کی جستجو ہوئی کہیں نہ ملا ان کے پاس ملا تو انہیں کتاب کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہوا، انہوں نے اس کی اشاعت کے لیے میر عثمان علی خان والی حیدرآباد دکن کو آمادہ کیا، اس پر نظر ثانی اور اضافہ کے لیے جو عملہ رکھا گیا وہ چار فضلاء پر مشتمل تھا، مولانا عبدالرحمن چشتی بہاری، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، محمد کامل فاضل مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن اور مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی نگران تھے، مسودہ صاف کرنے کے لیے دو کاتب ان میں ایک میرے والد منشی محمد عبدالرحیم خاطر اور دوسرے رضوان علی کا تقرر ہوا تھا، علی میاں کے والد حکیم سید عبدالحئی لکھنوی نے کہا تھا (جیسا کہ مولانا نعمانی نے مجھ سے بیان کیا تھا) کہ ہندوستانی مصنفین کا تذکرہ میں لکھوں گا، چنانچہ معجم المصنفین میں ان کا ذکر نہ کریں، انہوں نے ہندوستان کے مصنفین کو معجم المصنفین میں ذکر نہ کیا، سید عبدالحئی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں ان کا تذکرہ لکھا ہے، افسوس ہے معجم المصنفین کی ابتدائی چار جلدیں بیروت سے شائع ہو سکیں تھیں، تقسیم ہند سے یہ سلسلہ بند ہو گیا، معلوم نہیں وہ مسودہ بھی محفوظ ہے یا ضائع ہو گیا۔

معجم المصنفین کے دفتر میں حیدرآباد دکن کے پروفیسر، علماء، فضلاء، شاعر اور ادیب سب کی آمد و رفت رہتی تھی، یہاں مولانا گیلانی آتے اور چلے جاتے، پھر ان کا ذکر رہتا تھا، یہاں ان کی زیارت یاد نہیں، لیکن مجلس شوری دارالعلوم سے نکلتے ہوئے مولانا گیلانی کی بارہا زیارت ہوئی ہے، مولانا گیلانی نے جب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" لکھی تو آٹھویں صدی ہجری کے علماء صوفیہ اور دانشمندوں اور دانشوروں کے حالات کی جستجو ہوئی اور نزہۃ الخواطر مخطوطہ منگا کر دیکھا تو مصنف کی محنت و کاوش اور کتاب کی اہمیت وافادیت نے انہیں اپنا گرویدہ

بنایا، مولانا گیلانی نے مولانا شیروانی سے کہہ کر اس کو دائرۃ المعارف العثمانیہ سے شائع کرنے کی کوشش کی، چنانچہ سب سے پہلے یہی حصہ شائع ہوا اور یہ نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے، اس کی اشاعت کی بدولت عالم اسلامی ہندوستان کے نامور ارباب علم واہل کمال سے واقف ہوسکا ،یہ کارنامہ بھی مولانا گیلانی کے حسنات میں سے ہے، شیخ الہند کے ایک جملے نے کہ آپ ''القاسم'' میں لکھا کریں انہیں لکھنے کا ایسا گرویدہ بنایا کہ وہ اردو زبان میں نت نئے موضوعات مفید معلومات کا ایسا قیمتی علمی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں جو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، اور اس باب میں ان کی وسعت معلومات دقت نظر نے ان کی منفردانہ شان کو ہمیشہ قائم رکھا، علمی ادبی اور دینی حلقے آئندہ بھی ان کی یاد کو زندہ رکھے گی، مولانا مجمع البحرین تھے، وہ خانوادہ خیر آبادی اور دیوبندی دونوں کے جامع تھے، وہ خانقاہی سلسلے میں قادریہ اور سہروردیہ دونوں میں مجاز تھے، دیوبندی رہ کر ''معارف'' جیسے علمی رسالے میں لکھتے تھے، حالانکہ ان کا انداز نگارش دارالمصنفین کے ارباب قلم سے یکسر مختلف تھا، اس لحاظ سے وہ ہر میدان میں اپنی شناخت جداگانہ رکھتے تھے، اور دونوں پر تنقید کرنے میں چوکتے نہ تھے، مولانا گیلانی کا رواں دواں قلم حدود وموضوع کی قید سے آزاد ہوکر اور بھی بحثیں کرگذرتا ہے، وہ موضوع سے سرمو انحراف کا قائل نہیں ہے، اس باب میں وہ امام ابن تیمیہ (۶۶۱ھ-۷۲۸ھ) کا قلم ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب سینکڑوں صفحات گھیر لیتی ہے، خوبی یہ ہے کہ لکھنے اور بات کہنے کا ڈھنگ ایسا ہی نرالا اور دلچسپ ہے کہ کتاب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ مولانا گیلانیؒ کی دقت نظر، نکتہ رسی اور ان کی تصنیفات کے متعلق ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' میں رقمطراز ہیں:

> ''مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی کتابوں میں بڑی معلومات اور مواد ہے، بہت سے لوگوں کا ان کے مخصوص طرز تحریر، اور بات سے بات نکالنے کی وجہ سے جی نہیں لگتا، لیکن میرا ہمیشہ ان کی کتابوں میں جی لگا، اور اپنے علم میں اضافہ ہوا، خاص طور پر ان کی کتاب ''النبی الخاتم'' سیرت پر بڑی البیلی کتاب

ہے، اس طرح ان کی دوسری کتاب ''[ہندوستان میں مسلمانوں کا] نظام تعلیم وتربیت'' بڑی پر از معلومات اور موثر کتاب ہے، تیسری کتاب ''تدوین حدیث'' بڑی مبصرانہ اور نکتہ ورانہ تصنیف ہے، ان کا مضمون ''مجدد الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ'' بھی بڑی بصیرت و معلومات کا ذریعہ بنا، اور اس سے ان کے دوسرے مقالے جو ''الفرقان'' شاہ ولی اللہ نمبر میں شائع ہوئے تھے تاریخ ہند کے نئے نئے گوشے سامنے آئے''۔

محمد عبد الحلیم چشتی

مقدمہ

تذکرۃ الخلیل

مولانا محمد عبدالحلیم چشتی
ایم اے فاضل دارالعلوم دیوبند

مقدمہ "تذکرۃ الخلیل"

مقدمہ تذکرۃ الخلیل میں مولف تذکرۃ الخلیل مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا گیا ہے اور تذکرۃ الخلیل کی ترتیب جدید کے متعلق کچھ باتیں عرض کی گئی ہیں۔ یہ مقدمہ تذکرۃ الخلیل کے ساتھ شائع نہیں ہو سکا اور حضرت ناشر نے جو مقدمہ تذکرۃ الخلیل کے ساتھ اس سے گھر کر لگایا ہے اس میں ان باتوں کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے انشاء اللہ العزیز قارئین کرام کے لئے اس مقدمہ کا مطالعہ مزید معلومات کا باعث ہوگا

اس صدی کے مشاہیر اہل علم میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ المتوفی ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے ان کی گوناگوں دینی، علمی، تدریسی، اصلاحی اور تالیفی خدمات بڑی اہمیت کی حامل ہیں، عوام وخواص ان کی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے حالات سے بہت ہی کم لوگ واقف ہیں، مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا تھا کہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کی کتابیں اور ترجمے آئے دن چھپتے رہتے ہیں اور ناشرین ایک لفظ بھی مولف ومترجم کے متعلق شائع نہیں کرتے ہیں۔ قارئین کرام کو ان کے حالات کی جستجو ہوتی ہوگی کہ یہ کون بزرگ تھے۔ کب پیدا ہوئے کہاں پڑھا کیا کام کیا، ان کی یادگار کیا ہیں اور انہیں جب اس سلسلہ میں کچھ معلوم نہ ہوتا ہوگا تو کتنی مایوسی ہوتی ہوگی۔ نیز کچھ زمانہ گزرنے کے بعد ان کے متعلق معلومات فراہم کرنا بھی مشکل ہوگا، انہی وجوہ سے ان صفحات میں ان کا مختصر تعارف کرانے کی کوشش کی گئی ہے اور سچ پوچھئے تو انہی کے تذکرہ کو جو موصوف نے الجواہر الزواہر ترجمہ البصائر فی تذکیر العشائر کے شروع میں بطور مقدمہ ذکر کیا ہے اور وہ ان کے چوالیس سالہ زندگی کا مرقع ہے اصل قرار دے کر ستر سالہ زندگی کے حالات اور کارناموں کا مزید تعارف انہی کے الفاظ میں پیش کیا ہے اور اپنی طرف سے کم ہی کچھ لکھا ہے اسی لئے ان کا عنوان "مولانا عاشق الٰہی" کی کہانی ان کی اور کچھ میری زبانی رکھا ہے" یہ چونکہ بڑی تقطیع کے ساٹھ ستر صفحات پر مشتمل ہے اس لئے ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ اس موقعہ پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی الحال اللہ بقاء ہم کے مقدمہ ارشاد السلوک سے جو موصوف نے مجھے مولانا میرٹھی کے سوانح لکھنے پر ازراہِ کرم بھیجی ہے نقل کر دیئے جائیں جو موصوف نے اس میں مختصر طور پر لکھے ہیں اس سے قاری کو مولانا میرٹھیؒ کے متعلق اجمالی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اس کے بعد کچھ عنوانات جیسے سیرت نگاری، اسلوب نگارش، رسوخ علمی کا اضافہ مذکورہ بالا طویل مقالہ سے کیا جن کا مطالعہ

انشاء اللہ العزیز مولانا میرٹھی کے متعلق بصیرت کا موجب ہوگا۔ (ع۔ ح۔ چشتی)

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نے اپنے ابتدائی حالات الجواہر الزواہر ترجمہ البصائر میں خود ہی تحریر فرمائے ہیں اور بہت تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں۔ جن کو میں مختصراً نقل کرتا ہوں۔

(نسب) عاشق الٰہی بن یار الٰہی بن رحم الٰہی بن فضل الٰہی کی ولادت پانچ رجب سن بارہ اٹھانوے ہجری (۱۲۹۸) مطابق تین جون سن اٹھارہ سو اکیاسی عیسوی (۱۸۸۱ء) یوم جمعہ کو ہوئی۔

چار سال کی عمر میں الف با شروع ہوئی اور سن تیرہ سو چار ہجری (۱۳۰۴ھ) میں جب کہ میری عمر چھ سال کی تھی۔ قرآن پاک ناظرہ اور کچھ اردو کی کتابیں پڑھ لی تھیں اور بڑے بڑے اخبارات کو فر فر پڑھنے لگا۔

۱۳۰۵ھ میں عربی شروع کر دی۔ اس کے بعد انگریزی اسکول میں دو سال تعلیم پائی اور اسی طرح متفرق تعلیم ہوتے ہوئے جمادی الثانیہ ۱۳۱۱ھ میں جب کہ میری عمر تیرہ سال کی تھی مدرسہ قومی میرٹھ میں داخلہ ہوا اور ابتدا سے میزان وغیرہ شروع ہوئی۔

۱۳۱۲ھ میں مشکوٰۃ شریف شروع ہوگئی جب کہ عربی شروع کئے ہوئے دس مہینے ہوئے تھے۔ دو سال میں جملہ کتب صحاح ستہ و دینیات ختم ہوگئیں اور حضرت مولانا میر حسن صاحب امروہی نے دستار بندی فرمائی، اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ میں میرا نکاح اول ہوا اور اسی سال رجب ۱۳۱۵ھ میں لاہور مولوی فاضل کی تعلیم کے لئے چلا گیا اور اعلیٰ نمبر کی کامیابی حاصل کی۔

چار محرم ۱۳۱۶ھ کو کامیابی کا انعام لینے کے لئے لاہور روانہ ہوا تو راستہ میں گنگوہ حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ سے بیعت کی، ایک شب قیام کے بعد لاہور روانہ ہوگیا۔ واپسی پر ۱۳۱۷ھ میں ندوۃ العلماء کی طلب پہ ملازمت پر گیا۔ ۲۶ محرم ۱۳۱۷ھ کو ندوہ میں پچیس روپیہ ماہوار پہ میرا تقرر دار العلوم ندوہ کی دوم مدرسی پر ہوگیا۔ لیکن آب و ہوا کی عدم موافقت اور اکابر کی عدم پسندیدگی کی وجہ سے آخر رجب میں واپسی ہوگئی۔ اور کچھ روپیہ قرض لے کر صفر ۱۳۱۸ھ میں خیر المطابع کے نام سے مطبع کھولا۔ جس میں اجرت پہ کتابیں طبع کرانے لگا اور ساتھ ہی مفید کتابوں کے تراجم میں مشغول ہوگیا اور سب سے اول قرآن مجید کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا اور ۱۳۱۹ھ میں بصورت حمائل اس کو طبع کرایا۔ وہ بہت جلد فروخت ہوگئی ۱۳۲۰ھ میں اس کو دوبارہ طبع کرایا اور اس کے ساتھ ہی اپنی تالیف "الاسلام" طبع کرائی جن میں اتنا نفع ہوا کہ جس سے میرا قرض بھی ادا ہوگیا اور مجھ پر حج بھی فرض ہوگیا۔

۱۷ رجب ۱۳۲۱ھ کو مع اپنی والدہ کے حج کے سفر کے لئے روانہ ہوا۔ حج کے بعد مدینہ منورہ بدامنی کی وجہ سے جانا نہ ہو سکا۔ محرم ۱۳۲۲ھ میں سفر حج سے واپسی ہوئی اور اپنے سابقہ تجارتی مشغلہ میں مشغول ہوگیا۔

شوال ۱۳۲۳ھ میں دوسرا حج جو اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حج بدل تھا کیا اور ربیع الاول ۱۳۲۴ھ میں سفر حج سے واپسی ہوئی۔ ۱۳۲۶ھ میں "تذکرہ رشید" شائع کی اور ۱۳۲۸ھ میں جب حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ حج کے لئے تشریف

ے جارہے تھے تو میں نے بھی دفعتہً حج کا ارادہ کرلیا اسی سفر میں شام، فلسطین اور مصر کا بھی سفر کیا، اور ۱۳۳۳ھ میں یہ رسالہ ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک تصنیف اور طبع کیا۔

۲۲ محرم ۱۳۳۶ھ کو میری پہلی اہلیہ نے انتقال کیا، تین لڑکے (ڈاکٹر محمود الٰہی، مولوی حافظ مسعود الٰہی، حافظ مقبول الٰہی) اور دو لڑکیاں پسماندگان چھوڑیں۔

اسی سال ربیع الاول ۱۳۳۶ھ میں میرا دوسرا نکاح ہوا اور ۱۲ شوال ۱۳۴۱ھ میں مع دوسری اہلیہ کے چوتھے حج کے لئے روانہ ہوگیا۔ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ کو واپسی ہوئی۔

ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ میں پانچویں حج کے لئے روانہ ہوا حج سے فراغت پر مصر جاکر ٹائپ خرید اجس پر ہندوستان آکر جمع الفوائد طبع کرائی

اضافہ از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا زید مجدہٗ

۱۳۴۴ھ میں جب کہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ مستقل قیام کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کا ارادہ کررہے تھے تو سہ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ کو تین حضرات کا مدرسہ مظاہر علوم کی سرپرستی کے لئے انتخاب فرمایا حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی، الحاج شیخ رشید احمد اول میرٹھی ثم پاکستانی نور اللہ مراقدہم۔ یہ حضرات آخر حیات تک مظاہر علوم کے سرپرست رہے، حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انتہائی مشاغل کے باوجود بہت ہی زیادہ انہماک اور توجہ سے اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار سمجھ کر مظاہر العلوم کی سرپرستی فرمائی کہ بایدوشاید بار بار تشریف لاتے، مدرسین کے اسباق میں بھی تشریف رکھتے، مدرسہ کے حسابات کو بھی بہت اہتمام سے ملاحظہ فرماتے، مولانا کو دفتری اور حسابی کاموں سے بھی بہت زیادہ مناسبت تھی، مالیات کے رجسٹروں کو گہری نظر سے ملاحظہ فرماتے، خزانہ کی پڑتال کرتے، سال میں کئی کئی مرتبہ طلب پر اور بلا طلب دفعتہً بار بار تشریف لاتے۔ ۱۳۴۸ھ کے آخر میں چھٹے حج کے لئے تشریف لے گئے اور ۲۰ محرم ۱۳۴۹ھ کو حجاز سے واپسی ہوئی۔

حضرت میرٹھی نے الجواہر میں اپنے پانچ حج تحریر فرمائے ہیں، اس کے بعد اس ناکارہ کو بھی ایک حج یاد ہے جس کو بندہ نے لکھا ممکن ہے کہ مولانا نے کوئی اور بھی حج کیا ہو جو مجھے یاد نہیں۔

مولانا انتہائی ذکی، انتہائی مدبر ظریف، خوش مزاج تھے، لیکن منکرات پر بہت زیادہ غصہ آجاتا جو بسا اوقات سخت کلامی تک پہونچ جاتا۔

اول حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے بیعت کی تھی وہ اوپر ذکر ہوا، حضرت اقدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ، مہاجر مدنی سے رجوع کیا اور حضرت ہی سے خلافت اور اجازت بیعت سلوک ملی، حضرت اقدس سہارنپوری کے وصال کے بعد مرشد اول کی سوانح کی طرح مرشد ثانی کی سوانح بھی تذکرۃ الخلیل تصنیف فرمائی، جس میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کاندھلوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ، حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحبؒ رائے پوری، حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ انبیہٹوی، حضرت مولانا

محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہم کے مختصر حالات بھی ذکر فرمائے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف و تراجم مولانا کی تصانیف میں مشہور و معروف ہیں،

یکم شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۵ راگست ۱۹۴۱ء دوشنبہ کی صبح کو چھ بجے وصال ہوا۔ چار بجے شام کو مکان کے قریب ہی اپنے خاندانی قبرستان میں تدفین عمل میں آگئی۔

حادثہ کے وقت بھی ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ ایک سفر سے سہارنپور واپس تشریف لائے اور اس ناکارہ زکریا سے ارشاد فرمایا کہ حضرت میرٹھی کی شدت علالت کی خبریں سنی جارہی ہیں خیال یہ ہے کہ رائے پور جانے سے پہلے حضرت میرٹھی کی عیادت بھی کرتا جاؤں بشرطیکہ آپ بھی ساتھ ہوں، میں نے قبول کرلیا اور قرار پایا کہ اتوار کے دن جاکر دیوبند حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں قیام کیا جاوے اور پیر کی صبح کو میرٹھ روانگی ہو۔ چنانچہ اتوار کو دیوبند حاضری ہوئی اور پیر کی صبح کو حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے جب میرٹھ جانے کی اجازت چاہی تو حضرت مدنی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آج عقیقہ[1] ہے بکرے ابھی ذبح کراتا ہوں اس کا گوشت کھا کر جائیں۔ لیکن مولانا میرٹھی کی کرامت ہو یا حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کی کہ حضرت سے اجازت لے کر میرٹھ روانگی ہوگئے، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ چھ بجے مولانا میرٹھی کا انتقال ہوچکا ہے اور دو تار سہارن پور پہلا حادثہ کی اطلاع اور دوسرا جنازہ کی نماز میں انتظار کا سہارنپور جاچکے ہیں اور حادثہ کی اطلاع کا تار دیوبند حضرت مدنی کی خدمت میں بھی جاچکا ہے اور حضرت میرٹھی کی وصیت کے موافق جنازہ کی نماز میں اس ناکارہ کا انتظار تھا، اور مکان سے متصل مسجد میں رکھا ہوا تھا اور زائرین کا ہجوم ہو رہا تھا اس وقت حضرت اقدس مدنی رح کی تعمیل ارشاد نہ ہونے کی ندامت بھی جاتی رہی بعد میں حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی جانے کی تصویب فرمائی۔

حضرت میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ کی تصانیف بھی متعدد ہیں جو عام فہم ہونے کے علاوہ بہت زیادہ دینی حیثیت سے مفید ہیں مگر افسوس کہ وہ سب نایاب ہوگئیں[2]

مولانا میرٹھی بحیثیت سیرت نگار

سیرت نگاری بڑا مشکل فن ہے اس میں سیرت نگار کے لئے سب سے کٹھن منزل وہ ابواب ہوتے ہیں جہاں اس کی زبان و قلم پہ پہرے بٹھا دیئے جاتے ہیں اور اسے اظہار خیال کی اجازت نہیں ہوتی ایسے اہم اور نازک موقعوں پہ ایک سیرت نگار کا اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہونا اور حق بات کہہ جانا بڑا ہی مشکل کام ہے لیکن مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا یہ کمال فن ہے کہ انہوں نے ایسے موقعوں پہ بھی حق و صداقت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور اشارہ و کنایہ کی زبان میں حقیقت حال کو سمجھا دیا ہے اگر کوئی ان کی عبارت کے الفاظ پہ غور و فکر کرے تو حقیقت کی تہ تک پہونچنے میں اسے کوئی دقت نہ ہو۔

تذکرۃ الرشید میں ایسے ہی نازک ابواب میں حضرت گنگوہیؒ کے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا باب ہے جو مولانا

---

[1] یہ عقیقہ عزیزم الحاج مولوی حافظ ارشد سلمہ کا تھا۔ ۱۲ [2] ملاحظہ ہو ارشاد السلوک از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مع اضافہ مقدمہ شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی، ادارۃ اشاعۃ العلوم سہارنپور سنہ ندارد ص ۵-۹

عاشق الٰہی میرٹھی نے بعنوان "الزام بغاوت" اور "گرفتاری و رہائی" لکھا ہے۔ اس کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ اس قدر گول مول ہے کہ اس سے واقعات کی صحیح صورت قاری کے سامنے نہیں آتی لہ بلکہ اس سے انگریزوں کی حمایت و اعانت کا یقین ہونے لگتا ہے اور یہ باور کرنا پڑتا ہے کہ جن نفوسِ قدسیہ نے اس جنگ آزادی میں سر دھڑ کی بازی لگائی تھی ان کی سیاسی اور جہادی خدمات پر موصوف نے پردہ ڈالنا چاہا ہے یا موصوف نے لاعلمی اور واقعات سے بے خبری کی بناء پر ایسا لکھا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے اس باب میں وہی روش اختیار کی ہے جو روش مولانا کے استاذ الاساتذ مولانا محمد یعقوب نانوتوی المتوفی ۱۳۰۲ھ نے "سوانح عمری مولوی محمد قاسم نانوتوی" میں اختیار کی تھی کہ واقعات کو ذومعانی الفاظ میں لکھا اور انہیں تدبیہ کی زبان میں ادا کیا کیونکہ اس زمانے میں واقعات کا تذکرہ اسی زبان میں کیا جا سکتا تھا، اس دور میں اس قسم کی باتیں کرنا سنگین جرم تھا، یہ ان کی مومنانہ فراست تھی کہ انہوں نے ان واقعات کو بیان کرنے کے لئے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا جن کی مدد سے حقیقت تک پہونچنا چنداں دشوار نہ رہا اور موصوف نے جو کچھ اس باب میں لکھا وہ ان بزرگوں کو سنایا جنہوں نے ان واقعات کو حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی زبان سے سنا تھا اور انہیں مولانا میرٹھی کے نقل کردہ واقعات سے پورا پورا اتفاق تھا کیونکہ اس میں غور و فکر کرنے والے کے لئے بہمہ وجوہ حقیقت کی تہ تک رسائی کا پورا مواد موجود ہے اس کے بعد موصوف نے اس کو شائع کیا تھا چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ "سوانح قاسمی شائع کردہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۳ھ ج ۱ ص ۹۹ میں رقمطراز ہیں:-

"بہرحال مصنف امام (محمد یعقوب نانوتوی) کی کتاب "سوانح عمری مولوی محمد قاسم نانوتوی) اور حضرت گنگوہیؒ کی سوانح عمری تذکرۃ الرشید جسے مولانا عاشق الٰہی نے مرتب فرما کر جماعت دیوبند کے ذمہ دار بزرگوں کی خدمت پیش کی اور کافی تنقیح و تحقیق کے بعد یہ کتاب شائع ہوئی، اس وقت تک کسی قسم کی تنقید اس کتاب کی روایتوں پر جہاں تک میں جانتا ہوں نہیں کی گئی ہے"۔

اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کے واقعہ کے تحت سوانح قاسمی ج ۱ ص ۱۳۶ میں لکھتے ہیں۔

"مولانا عاشق الٰہی مرحوم نے بھی تذکرۃ الرشید میں اس واقعہ کا ذکر کرنا چاہا ہے۔ لیکن جس زمانہ میں اپنی کتاب وہ لکھ رہے تھے ظاہر ہے کہ اتنے کھلے الفاظ میں واقعہ کا تذکرہ نہ کر سکتے تھے اور نہ ایسا کرنا مناسب تھا"۔

بایں ہمہ اجمال و ابہام اگر عبارت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو واقعہ کی تہ تک پہونچنا کچھ دشوار نہیں ہے اس دور کے جن اہل قلم نے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی عبارت کے الفاظ پر غور کیا ہے انہوں نے حقیقت کو پا لیا ہے اور انہیں اس امر کا

لہ یاد رہے کہ تذکرۃ الرشید بلالی سٹیم ساڈھورہ (انبالہ) سے ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا تھا۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا عروج شباب پر تھا۔

اعتراف ہے کہ اس دور میں اس سے زیادہ اس موضوع پر لکھنے کے لئے ماحول سازگار نہ تھا چنانچہ غلام رسول مہر اپنی کتاب "اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد" میں لکھتے ہیں :۔

"بزرگان دیوبند میں جن مقدس ہستیوں کو اولین درجہ احترام و اعزاز حاصل ہے وہ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں رحمۃ اللہ علیہم ان کے اسماء گرامی اس سرزمین کے آسمان پر درخشاں ستاروں کی طرح روشن ہیں جو تاریکی کے وقت صحراؤں میں مسافروں کو اور سمندروں میں ملاحوں کو راستے بتاتے ہیں وہ اپنی زندگیوں میں علم و ہدایت کے مشعل بردار تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوتے تو اپنے پیچھے پاکیزہ عملی نمونے چھوڑ گئے جو دلوں اور روحوں میں برابر دین حقہ کے ولولے پیدا کرتے رہیں گے، خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد کی تو ایک یادگار دارالعلوم دیوبند۔ ایسی ہے جو تقریباً ایک صدی سے اس وسیع سرزمین میں دینی علوم کے قیام و بقا کا ایک بہت بڑا سرچشمہ رہی ہے اس کی آغوش میں سینکڑوں ایسی مقدس ہستیوں نے تربیت پائی جن کے کارنامے دین و سیاست دونوں کے دوائر میں قابل فخر ہیں۔

ان بزرگوں نے بھی ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں حصہ لیا تھا، افسوس کہ صحیح تفصیلات آج تک معلوم نہ ہوسکیں اور جن حضرات نے کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی وہ بعض وقتی مصالح سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ جو کچھ کہا اس سے صورت حالات کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔"

مولانا عاشق الٰہی کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب مولانا رشید احمد، مولانا محمد قاسم اور حافظ ضامنؒ کا مقابلہ بندوقچیوں سے ہوگیا!

یہ نبرد آزما جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا اس لئے پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری کے لئے تیار ہوگیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتا پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۵)

مبادا "سرکار کے مخالف باغیوں" کے الفاظ سے غلط فہمی پیدا ہو یہاں "سرکار" سے مراد خود حضرت حاجی صاحب ہیں اور مقابلہ ان لوگوں سے تھا جو انگریزوں کے طرفدار ہوکر آئے تھے۔ لیکن "سرکار" کا لفظ ایسے طریق پر استعمال کیا کہ بظاہر اس سے حکومت مراد لی جائے۔

کتاب "تذکرۃ الرشید" جس زمانے میں اور جن حالات میں مرتب ہوئی تھی انگریزوں کا اقتدار اوج کمال پر پہونچا ہوا تھا اور نازک واقعات کی ترتیب میں رموز طریق و اسلوب سے کام لئے بغیر چارہ نہ تھا یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ میری

رائے اور میرا تاثر ہے اور میں اسے قطعی طور پر صحیح سمجھتا ہوں، نہیں کہہ سکتا کہ مصنف مرحوم کے پیش نظر کیا بات تھی[1]

مولانا میرٹھی اکابر دیوبند کی نظر میں

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اپنی شگفتہ نگاری کی وجہ سے اکابر دیوبند کی نظر میں بہت مقبول رہے۔ بزرگان دیوبند میں سے جب کسی بزرگ کے سوانح وسیرت کی تدوین کی حاجت پیش آتی تو نگاہ انتخاب انہی پر پڑتی تھی۔ حضرت گنگوہیؒ کے وصال پر شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اور مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری نے تذکرۃ الرشید کی تدوین وتالیف پر انہی کو مامور کیا اور وہ انہی نے لکھا اور خوب لکھا، مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کے انتقال پر مولانا عبداللطیف'' مہتمم مظاہر العلوم اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ اور دیگر احباب کے اصرار سے تذکرۃ الخلیل بھی ان کو لکھنا پڑا۔ اس اعتبار سے اگر مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ تاریخ اکابر دیوبند کے مدون اول ہیں تو مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مدون ثانی ہیں۔

اربعین امام غزالی کا ترجمہ

بزرگان دیوبند کو اگر کسی کتاب کا ترجمہ کرانا ہوتا تو قرعہ فال انہی کے نام نکلتا چنانچہ اربعین امام غزالی کا ترجمہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایما پر کیا[2] اور حضرت تھانویؒ نے اس کو پسند کیا اور ان کی اس خدمت کو حسب ذیل الفاظ میں سراہا تھا۔

"اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے مولانا عاشق الٰہی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو کہ اس کام کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا، میں نے بھی بعض مقامات اس کے دیکھے ترجمہ بہت ہی پسند آیا مطلب خیز اور نشاط انگیز، اگر زیادہ فرصت ہوتی تو میں حرفاً حرفاً اس کے دیکھنے کا مشتاق تھا[3]

الفتح الربانی کا ترجمہ

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی کی الفتح الربانی کا ترجمہ شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے اصرار پر کیا موصوف تذکرۃ الخلیل میں رقمطراز ہیں:-

"حضرت پیران پیر کے مواعظ الفتح الربانی ایک مرتبہ مجھے ملے اور میں حضرت (شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ) کو پڑھ کر سنانے لگا تو حضرت پر وجد طاری ہونے لگا اور بے اختیار باصرار فرمایا کہ اس کا ترجمہ کر دے کہ بہت مفید ہوگا اور طباعت شروع نہ ہونے پر جتنا بھی ہوتا جائے وہ

---

[1] ملاحظہ ہو اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد'' کتاب منزل لاہور ۱۹۵۷ء، ص ۱۶۳ [2] چنانچہ موصوف الجواہر الزواہر ترجمہ البصائر فی تذکیر العشائر مولفہ محمد عبدالحی کفلیتری ہلالی پریس میرٹھ ۱۳۴۳ھ جلد اول ص ۲ میں رقمطراز ہیں:-

"۱۳۳۲ھ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے ارشاد پر میں نے امام غزالی کی اربعین کا ترجمہ کیا اور بنام تبلیغ دین اس کو طبع کرایا۔"

[3] ملاحظہ ہو تبلیغ دین ثلاثین من الاربعین، مطبع علیمی ص ۲

مجھے فوراً بھیج دیا کرکہ بھیجنے میں کتاب پوری ہونے کا انتظار نہ دیکھو چنانچہ میں نے اس کا
ترجمہ کیا اور حضرت اس سے بہت محظوظ ہوتے"[1]

انہی وجوہ سے ان کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی اور خلق خدا کو ان سے بڑا فائدہ ہوا۔

قرآن مجید کا ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے قرآن مجید کا ترجمہ خلق خدا کو مبتدعین اور نیچریوں کے فریب سے بچانے کے لئے کیا تھا، موصوف کا بیان ہے۔

"مجھے اپنی اس خدمت پر ناز ہے نہ وثوق و دعویٰ ہاں زمانہ کا رنگ دنیا چرہ دمبتدعین
کی روانی قلم دیکھ کر اس اہتم بالشان کام کی جو میری بضاعت علمی سے بمراحل ارفع و
اعلیٰ تھا اس کی جرأت ہوئی اور جو ہو سکا اپنے لئے صدقہ جاریہ بنانے کی نیت سے اہل اسلام
کی خدمت میں پیش کر دیا ہے"[2]

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے ترجمہ و تالیف کا آغاز اسی ترجمہ قرآن مجید سے ہوا تھا، موصوف کا بیان ہے۔

"سب سے اول میں نے قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ کیا متعدد تفاسیر و کتب معتبرہ سے مفید حواشی
اس پر چڑھائے اور ۱۳۱۹ھ میں بصورت حمائل اس کو طبع کرایا۔ الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے اس کو
مقبولیت عامہ بخشی اور وہ ہاتھوں ہاتھ ہدیہ ہو گیا"[3]

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے ترجمہ قرآن کی یہ عظیم الشان خدمت عمر کی جس منزل میں کی ہے وہ قرآن مجید کے اردو زبان میں ترجمہ کرنے والوں میں اپنی نظیر آپ ہی ہے مولانا میرٹھی کا بیان ہے۔

"ابتداءً جب ۱۳۱۶ھ میں بندہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا تو اسی وقت تعلیم سے فارغ ہوا
اور ۱۹ برس کی عمر رکھتا تھا"[4]

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے اس پر جو تقریظ لکھی ہے اس سے مولانا کے فضل و کمال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، وھو ہذا :-

"بندہ نے اس حمائل شریف کے ترجمہ اور شان نزول کو اکثر مواقع سے بنظر سرسری عبدالقادر
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم وغیرہ (اور) بعض تفاسیر سے مقابلہ کر کے دیکھا بندہ کے نزدیک
مولوی عاشق الٰہی صاحب کی سعی اور جانفشانی جو انہوں نے اس حمائل شریف کے ترجمہ اور شان نزول

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرۃ الخلیل، الخلیل مشین پریس میرٹھ ۱۳۴۴ھ ص ۱۷۳

[2] ملاحظہ ہو حمائل مترجم (مولانا عاشق الٰہی) بار چہارم مطبع خیر المطابع کانپور ۱۳۲۳ھ (مقدمہ) ص ۶

[3] ملاحظہ ہو" الجواہر الزواہر"

[4] ملاحظہ ہو حمائل مترجمہ (عاشق الٰہی) (مقدمہ قرآن) ص ۶

وغیرہ میں صرف کی ہے نہایت قابل قدر اور تحسین ہے اس ترجمہ میں جو تصرفات ترمیمات سابقہ اکابر میں کئے ہیں وہ میرے نزدیک صحیح اور مفید ہیں۔ حق تعالیٰ اہل ایمان کو اس سے فائدہ بخشے اور اس کو مقبول اہل نظر فرمائے اور ممدوح کی سعی مشکور ہو آمین

العبد بندہ محمود عفی عنہ [1]

رسوخ علمی و ژرف نگاہی مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کی تصحیح اغلاط ان کے رسوخ علمی، دقت نظر، ذکاوت و ذہانت کی شاہد عدل ہے وہ غلط سے غلط کتاب کی تنقیح اور تصحیفات کی تصحیح جن الفاظ میں کرتے ہیں تلاش و جستجو کے بعد وہی الفاظ متن کے نکلتے تھے، موصوف الفتح الربانی کے متعلق لکھتے ہیں۔

- اصل کتاب جو مجھے ہاتھ آئی اگرچہ مصری مطبوعہ تھی مگر اس قدر غلط چھپی تھی کہ بلا مبالغہ پانسو سے زیادہ اس میں غلطیاں تھیں اور کوئی دوسرا قلمی یا مطبوعہ صحیح نسخہ نصیب نہ ہو سکا جس سے اس کا مقابلہ ہو سکتا اس لئے اس کی تصحیح میں دماغ بہت خرچ ہوا بڑی دقت یہ تھی کہ کتاب مصر میں چھپی تھی جہاں کی زبان عربی ہے اس لئے اہل مطابع نے جہاں کوئی لفظ سمجھ میں نہیں آیا تو عربی ہی کا دوسرا لفظ اس کی جگہ رکھ دیا پس لفظاً تو غلطی محسوس نہ ہوتی تھی۔ مگر معنی کی غلطی تھی۔ اس لئے بعض جگہ تو ذرا غور سے صحیح لفظ کا پتہ چل گیا مگر بعض بعض جگہ ہفتوں دماغ مبہوت اور پریشان رہا، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ جہاں تک میری استعداد نے یاری دی اس کی بہت کچھ تصحیح ہو گئی۔

غلط مقام پر میری بڑی کوشش یہ ہوتی تھی کہ تصحیف سے تجاوز نہ ہونے پائے اور لفظوں کے الٹ پھیر یا مشابہ حروف کے ادل بدل سے غلط تلفظ صحیح بن جائے نہ یہ کہ اپنی تصنیف یا ایجاد ہو، سو الحمد للہ کہ تصحیح اسی وضع پر ہوئی ہے البتہ دو یا تین موقعوں پر بعض لفظ یا عبارت کا اضافہ کرنا پڑا ہے۔ جس کے متعلق حضرت شیخ کی عبارت کا سیاق و سباق اگرچہ بتا رہا ہے کہ یہی عبارت ہے جو چھاپنے والے کی غفلت سے چھوٹ گئی ہے مگر بندہ عالم الغیب نہیں ہے اس لئے ممکن ہے کہ یہ الفاظ نہ ہوں لہذا میں نے ضروری سمجھا کہ لفظوں وغیرہ کی معمولی غلطیاں چھوڑ کر فحش غلطیوں کا غلط نامہ یہاں ضرور شائع کر دوں کہ اس کے دو نفع ہونگے۔

ایک یہ کہ ہر اس شخص کو جس کے پاس اسی مطبع کی الفتح الربانی موجود ہوگی وہ اس سے اس کی تصحیح کر سکے گا اور دوسرا یہ کہ اگر کسی کے پاس کوئی نسخہ صحیح ہوگا تو وہ اس سے مقابلہ کر کے میری

---

[1] ملاحظہ ہو حمائل شریف مترجمہ عاشق الٰہی میرٹھی ۹۷۹ مطبوعہ

تیجح کو قائم یا غلط پانے کی صورت میں اصلاح کر سکے گا جو مجھ پر اور تمام مسلمانوں پر گویا دوسرا احسان ہوگا۔

اس غلطنامہ میں اصل کتاب کے صفحہ وسطر کے ساتھ اس مترجم کتاب کے صفحہ وسطر کا حوالہ دے دیا گیا ہے تاکہ موقعہ و محل کا پتہ چل جانے کے سبب اگر دوسرے مطبع کی مطبوعہ بھی کوئی کتاب ہوگی تو مقابلہ وصحت میں سہولت ہو سکے گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ دیباچہ وغلطنامہ کتاب کے مکمل طبع ہو جانے کے بعد چھپا ہے حسن اتفاق سے الفتح الربانی کا ایک جزء قلمی مکرمی جناب سید محمد جعفر صاحب ساڈھوروی کے پاس نظر پڑ گیا جو حضرت محبوب سبحانی کے صاحبزادہ شاہ قمیص الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں، اس مضمون سے بے حد مسرت ہوئی کہ میری نکالی ہوئی اغلاط کا اکثر حصہ میری تیجح کے موافق اس میں نکل آیا مگر افسوس کہ تقریباً کتاب کا صرف چوتھائی حصہ ملا اور وہ بھی کرم خوردہ اگر کل کتاب دستیاب ہوتی تو پوری تطبیق ہو جاتی[1]

ترجمہ نگاری

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کو مضامین کے لکھنے اور عبارت کا صحیح اور خوب صورت ترجمہ کرنے میں بڑی دستگاہ حاصل تھی وہ مشکل سے مشکل عبارت کا ترجمہ منٹوں میں کرتے اور ترجمہ کو نظر ثانی کر کے سنوارتے نہ تھے جو بھی قلم سے نکلا کاتب کو دیا اور اس نے لکھا اور چھپ گیا۔ طرز ادا اور انداز نگارش میں کہیں فرق نہ آیا۔

موصوف اپنی گوناگوں مصروفیات اور اتفاقی حادثہ کی وجہ سے اتنی احتیاط کرتے تھے کہ کاتب کی کتابت کیلئے مواد ایک دو دن کا پیشگی تیار رکھتے تھے تاکہ وہ فارغ نہ بیٹھے اور کام نہ رک سکے، موصوف تبریز ترجمہ ابریز میں لکھتے ہیں۔

"میری بچپن سے یہ عادت رہی ہے کہ جب تک کاتب نے کتابت شروع نہیں کی نہ دماغ میں مضمون کی آمد ہوتی ہے اور نہ کوئی تالیف یا کسی کتاب کا ترجمہ چل سکا ہے۔ طبیعت پر یہ بوجھ کہ کاتب کا حرج نہ ہو اتنے مضمون کو تیار کر دینے کا جابر بنتا رہا جو اس کے لئے ایک دو دن کے لئے کافی ہو جائے چنانچہ اس ترجمہ میں بھی یہی صورت رہی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے چھ ماہ کے اندر ترجمہ کے ساتھ ساتھ کتابت وطباعت سے فارغ فرما دیا فالحمد للہ الحمد اللہ[2]"

اب خود مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا بڑا کام اتنی قلیل مدت میں کیسے پورا ہو گیا خصوصاً جبکہ اس درمیان میں متعدد اذکار اور مختلف پریشانیاں بھی مجھے پیش آئیں"

اور آگے لکھتے ہیں۔

"اللہ پاک کی مشیت تھی کہ زمانہ ترجمہ کی پوری شش ماہی اس طرح گذری کہ یا خود بیمار رہا یا متعلقین بیمار رہے محض اس کا فضل تھا کہ اسی بیماری وتیمار داری میں یہ خدمت بھی انجام پاتی رہی[3]"

---

[1] ملاحظہ ہو تبریز ترجمہ ابریز، طبع جید برقی پریس دہلی جلد دوم (سرورق کا دوسرا صفحہ)
[2] ایضاً ج ۲ ص ۲۶۴
[3] ملاحظہ ہو، فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی، ۱۳۳۳ھ ص ۱۲

اندازِ نگارش مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نہایت سادہ سلیس، رواں عام فہم اور بامحاورہ زبان لکھتے تھے ان کا طرزِ ادا موثر، دلکش اور خاصہ مربوط و مسلسل ہوتا ہے۔ ان کی تحریر کو کم سواد بھی بہ آسانی سمجھ لیتے ہیں، ان کے ترجمہ کی زبان بڑی پاکیزہ اور رواں ہوتی ہے کہیں ابہام اور گنجلک محسوس نہیں ہوتی، ترجمہ پڑھو تو اصل کا دھوکا ہوتا ہے، کتاب پڑھنا شروع کیجئے تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ خوبی یہ ہے کہ جو کچھ لکھا ہے قلم برداشتہ لکھا ہے۔ متن کی شرح ایسی جامع مختصر اور مربوط کرتے ہیں کہ مسلسل کا دھوکا ہوتا ہے۔

عربی کتابوں کے ترجمہ کے سلسلہ میں اردو زبان جن اہلِ قلم کی منت پذیر رہی ہے۔ اس میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا نام نامی سرِ فہرست آنے کے لائق ہے۔ اردو زبان کے تاریخ نگار ان مذہبی کتابوں کو پڑھتے نہیں اس لئے تاریخ ادبِ اردو کی کتابوں میں ان کا اور انہی جیسے دوسرے اہلِ قلم کا نام نظر نہیں آتا۔

تذکرۃ الخلیل، یہ پہلی مرتبہ متوسط تقطیع کے تین سو چھ صفحات پر الخلیل مشین پریس میرٹھ سے ۱۳۴۸ھ میں شائع ہوا تھا، دوسری مرتبہ مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ، پاکستان سے ۱۳۸۹ھ میں متوسط تقطیع کے چار سو بہتر صفحات پر شائع ہوا ہے، تیسری مرتبہ اب پھر مغربی پاکستان کراچی سے شائع ہو رہا ہے۔

تذکرۃ الخلیل کا تعارف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے حسب ذیل الفاظ میں کرایا ہے:-

"تذکرۃ الخلیل؛ مولانا الحاج خلیل احمد صاحب . . . . کی سوانح ہے جس کے اندر مولانا کے علمی و عملی کمالات کے ضمن میں قرآن و حدیث و فقہ کے نایاب مضامین بکثرت آگئے ہیں اور اسی ضمن میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، مولانا الحاج صدیق احمد صاحب انبیٹھوی، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حالات بھی درج ہوئے ہیں۔"[1]

تذکرۃ الخلیل کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں موصوف پر احباب کا اتنا اصرار تھا کہ ان کو اس کی تیاری کی وجہ سے زیارت حرمین کو بھی موخر کرنا پڑا تھا، چنانچہ مولانا میرٹھی ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ کے ایک مکتوب میں اپنے مخلص مرید و مجاز محمد نجم الاسلام صاحب پانی پتی کو لکھتے ہیں:-

"میرا خیال آخر شوال میں سفر حجاز کا بھی ہو رہا ہے کہ آستانہ محمدیہ کی زیارت کے طفیل حضرت مرشدنا کے مزار کی بھی حاضری ہو جائے پارسال بھی قصد کیا تھا مگر احباب کے اصرار پر — تذکرۃ الخلیل کی ترتیب کو حاضری پر مقدم سمجھا، اب اس لئے فارغ ہو لیا تو شوق بڑھتا جاتا ہے"[2]

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی الحال اللہ بقاء ہم کی دلی خواہش تھی کہ تذکرۃ الخلیل شائع ہو جائے حاجی عبدالمنان صاحب میرٹھی بانی مکتبہ القادر لاہور نے اس کی اشاعت کا ارادہ کیا اور اس امر کا ذکر اس مکتبہ کے ناظم

---

[1] ملاحظہ ہو طب النبی از غلام غوث و عاشق الٰہی، محبوب المطابع دہلی، ۱۳۵۱ھ ص ۱۲۸۔ [2] حاشیہ اگلے صفحہ پر

چودھری بشیر احمد خاں صاحب نے جنہیں اکابر دیوبند کی تصانیف اور ان کی اشاعت سے گہری دلچسپی ہے وقت کے نامور فاضل میرے بڑے بھائی مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی سے کہا انہوں نے اس عاجز کی نسبت فرمایا کہ یہ کام وہ بہتر طور پر کرسکتا ہے بھائی جان نے مجھ سے اس امر کا ذکر کیا اور بات آئی گئی ہوئی، ۱۹۶۶ء میں میرا لاہور جانا ہوا تو چودھری صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا یہ کام آپ ہی کو کرنا ہے۔ میں نے ان سے وعدہ کرلیا۔ اسی اثنا میں مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کو جو حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اس کی ایڈیٹنگ اور ترتیب کا کام سونپا گیا، انہوں نے کام بھی شروع کردیا، چودھری صاحب نے مجھے لکھا کہ آپ بھی کام شروع کردیں۔ میں نے لکھا کہ یہ صورت مناسب نہیں جب تک ایک کا کام دوسرے کے سامنے نہ ہو محنت برباد ہوگی۔ میں اس پر کام اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک مفتی صاحب کا کام میرے سامنے نہ ہو، برس دو برس تذکرۃ الخلیل، مفتی صاحب کے پاس رہا اس عرصہ میں مفتی صاحب نے آیات قرآنی کا اردو ترجمہ کیا، مشکل الفاظ کے معانی لکھے فارسی اشعار کا اردو میں ترجمہ کیا اور پھر عدیم الفرصت ہونے کا عذر کرکے نسخہ واپس دے دیا وہ نسخہ چودھری صاحب نے مجھے واپس بھیجا میں بھی مصروف رہا لیکن اس خیال سے غافل نہیں رہا جونہی فرصت ملی میں ہمہ تن اس میں مشغول ہوگیا۔

تذکرۃ الخلیل کی ترتیب کے سلسلہ میں میرا دائرہ کار حسب ذیل امور پر مشتمل رہا ہے۔

۱۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے جس طرح عبارت مسلسل لکھی اسی طرح اس کی کتابت ہوئی اور وہ چھپی، موصوف نے نئی سطر اور ذیلی سرخیوں کا اہتمام نہیں کیا تھا ہم نے جہاں مناسب سمجھا نئی سطر سے عبارت شروع کرائی اور نئی سرخی قائم کی۔

۲۔ مولانا میرٹھیؒ نے مستقل کلمات کو ایک دوسرے سے ملا کر لکھا اور بعض اوقات تین تین کلمات کو ایک ساتھ لکھا تھا ہم نے ان کلمات کو جداگانہ لکھوایا ہے تاکہ قاری کو پڑھنے میں سہولت ہو اور کلمات کا حق پامال نہ ہو۔

ص کا حاشیہ - مکاتیب مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، قلمی مکتوب ص۱۸۲ ص۱۷۷

یہ موصوف کے کم و بیش ڈھائی سو خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے مخلص مرید و مجاز محمد نجم الاسلام صاحب پانی پتی کے نام وقتاً فوقتاً لکھے تھے، اکثر خطوط مسائل تصوف، مسائل فقہ، اصلاح نفس اور اس دور کی سیاست سے متعلق ہیں۔ اور بعض نجی خط بھی ہیں کئی خط تو خط کیا ہیں مختصر سے رسالے ہیں ان کی علمی اہمیت و افادیت کو اہل نظر ہی خوب سمجھتے ہیں، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی ان خطوط کا انتخاب کرنا چاہتے تھے، مولانا میرٹھی اس امر کا ذکر کرتے ہوئے ۱۷ رجون ۱۹۴۰ء کے ایک مکتوب میں محمد نجم الاسلام کو لکھتے ہیں

مولوی ابراہیم خان کا خط آیا تھا میرے خطوط قدیم و جدید جو ان کے پاس گئے تھے معلوم ہوا تم کو دے دیئے ہیں۔ شیخ الحدیث مولوی زکریا صاحب ان کو انتخاب کے بعد نقل کرنا چاہتے ہیں اس لئے ان کو اپنے ساتھ ضرور لیتے آنا۔ ابھی سے اس بکس میں رکھ لینا جو تمہارے ساتھ آوے" ــــــ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الحدیث مدظلہ العالی کو گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے شاید نقل و انتخاب کا موقعہ نہ مل سکا۔

۳- ذیلی سرخیاں جا بجا قائم کیں تاکہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے سوانح اور سیرت کے چھوٹے سے چھوٹے پہلو بھی اجاگر ہو جائیں اور جملہ افادی پہلو ناظرین پر روشن ہو جائیں۔

۴- جن مواقع پر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اطال اللہ بقاءہم نے اپنے قلم سے سنہ کی تصحیح کی ہے وہ کم و بیش ستائیس جگہ ہیں۔ وہ تصحیحات مفتی صاحب سے جہاں بھی رہ گئی تھیں ان کا اضافہ کیا ہے۔

۵- میں نے حواشی لکھنے سے گریز کیا ہے جہاں ناگزیر سمجھا وہاں چند سطریں لکھی ہیں۔ ایسا بھی شاذ و نادر ہی کہیں ہوا ہے۔

۶- مولانا میرٹھی سے تذکرۃ الخلیل میں جہاں بھی واؤ عاطفہ کا استعمال غلط ہو گیا ہے اور ہندی اور عربی اور فارسی الفاظ میں واؤ عاطفہ استعمال ہوا ہے اسے ہم نے اردو کا حرف عطف بنا دیا ہے۔

۷- تذکرۃ الخلیل کے شروع میں ابواب کی اجمالی فہرست اور عنوانات کی تفصیلی فہرست کا اضافہ کیا ہے جس سے کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔

۸- آخر میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا مختصر اور مفید معلومات کا حامل رسالہ "خوانِ خلیل" بھی بڑھا دیا تھا یہ حضرت تھانوی کے وہ اثرات ہیں جو موصوف نے ان کی وفات پر قلمبند کئے تھے، خوانِ خلیل ۱۳۴۶ھ میں "یادِ یاراں" کے ساتھ تھانہ بھون سے شائع ہوا تھا اور عرصہ سے نایاب ہے لیکن جس طرح ناشر نے یہ مقدمہ شائع نہیں کیا اسی طرح افسوس ہے کہ خوانِ خلیل کو بھی نظر انداز کر دیا۔ جس کی اشاعت پر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زید مجدہم نے بھی مسرت کا اظہار کیا تھا جیسا کہ راقم سطور کے نام مکتوب سے ثابت ہے۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے تذکرۃ الرشید جس اہتمام، محنت، شوق و محبت سے لکھا تھا وہ اہتمام اور محنت غالباً گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے تذکرۃ الخلیل میں نہیں ہو سکی اور اسی وجہ سے معلومات کا استقصا زیادہ نہیں ہو سکا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کے اور ان کے خاندان کے افراد کے متعلق معلومات بہم پہونچائی جائیں، اس سلسلہ میں مولانا اخلاق احمد انصاری سے جو مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کے قریبی عزیز اور ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور انہیں موصوف کے متعلق خاص معلومات ہیں اپنی یادداشتیں قلمبند کرنے کی درخواست کی، مولانا کی عنایت ہے کہ انہوں نے خاکسار کی درخواست کو قابل اعتنا سمجھا اور حواشی پر جا بجا کچھ یادداشتیں لکھنا بھی شروع کیں۔ لیکن افسوس! بار بار کی یاددہانی کے باوجود یہ کام خاطر خواہ نہ ہو سکا۔ تاہم کچھ معلومات کا ضرور اضافہ ہو گیا جس پر ہم مولانا کے شکر گزار ہیں۔

میں نے اپنی مصروفیت کے پیش نظر اتنے ہی کام کو غنیمت سمجھا اور حاجی عبدالمتین صاحب کو تذکرۃ الخلیل دے دیا اور اب وہ کتابت و طباعت کے مراحل سے گزر کر شائقین کے ہاتھوں میں پہونچ رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مقدمہ

علومِ قرآن اور "الاتقان"

علومِ قرآن اور "الاتقان"

از مولانا محمد عبد الحلیم چشتی، فاضل دار العلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد و آلہ و صحبہ و اتباعہ اجمعین!

شیخ جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطیؒ[1] اپنے عہد (۸۴۹-۹۱۱ھ) کے نہایت باکمال ائمہ فن میں سے تھے۔ فطرت کی طرف سے اُن کی ذات میں بہت سی خصوصیات اور خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء اور قضاء، رشد و ہدایت میں انھیں کمال حاصل تھا۔ وہ نامور اور بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، شاعر، مؤرخ اور لغوی ہی نہ تھے بلکہ اس عصر کے مجدد بھی تھے۔ اُن کے تجدیدی کارناموں کا تعارف ملا علی قاریؒ المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ نے حسب ذیل الفاظ میں کرایا ہے۔ فرماتے ہیں:

---

[1] موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

الضوء اللامع لاہل القرن التاسع تالیف شمس الدین محمد السخاوی المتوفی سنہ ۹۰۲ھ ج ۴، ص ۶۵ تا ۔ مکتبۃ القدسی قاہرہ

حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاہرہ: جلال الدین سیوطی، ج ۱ ص ۱۸۸ تا ۱۹۰، طبع ادارۃ الوطن مصر، سنہ ۱۲۹۹ھ۔

الکواکب السائرہ باعیان المئۃ العاشرہ: شیخ نجم الدین الغزی المتوفی سنہ ۱۰۶۱ھ ج ۱ ص ۲۲۶ تا ۲۳۱ طبع بیروت سنہ ۱۹۴۵ء۔

النور السافر عن اخبار القرن العاشر: عبد القادر عیدروسی۔ ص ۵۴ تا ۵۸ طبع بغداد سنہ ۱۳۵۳ھ۔

شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: عبد الحی بن العماد الحنبلی المتوفی سنہ ۱۰۸۹ھ ج ۸ ص ۵۱ تا ۵۵، مکتبۃ القدسی قاہرہ سنہ ۱۳۵۶ھ۔

البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع: محمد بن علی شوکانی المتوفی سنہ ۱۲۵۰ھ ج ۱ ص ۳۲۸ تا ۳۳۵ طبع اول مطبعۃ السعادۃ ۱۳۴۸ھ

مقدمہ ذیل طبقات الحفاظ سیوطی: محمد زاہد کوثری ص ۶ تا ۱۰، مکتبۃ القدسی دمشق سنہ ۱۳۴۷ھ۔

مقدمہ نظم العقیان فی اعیان الاعیان: فلپ ہٹی۔

ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین و آثار المصنفین: اسمٰعیل پاشا بغدادی المتوفی سنہ ۱۳۳۹ھ ج ۱ ص ۵۳۴ تا ۵۴۴ طبع استنبول سنہ ۱۹۵۱ء۔

شیخ مشائخنا السیوطی ہو الذی احیا علم التفسیر الماثور فی الدر المنثور وجمع جمیع الاحادیث المتفرقۃ فی جامعہ المشہور وما ترک فنا الا ولہ فیہ متن او شرح مسطور بل ولہ زیادات ومخترعات یستحق ان یکون ہو المجدد فی القرن المذکور کما ادعاہ وہو فی دعواہ مقبول ومشکور۔[1]

ہمارے استاذ الاساتذہ سیوطیؒ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے تفسیر ماثور کو کتاب درِ منثور میں زندہ کیا اور تمام منتشر حدیثوں کو اپنی مشہور کتاب جمع الجوامع میں جمع کر دیا اور کوئی فن نہیں چھوڑا ہے جس میں کوئی کتاب لکھی ہو یا کسی کتاب کی شرح نہ کی ہو (یہی نہیں) بلکہ اس پر اضافے کئے ہیں، اور نئی نئی تحقیقات کی ہیں جس کی وجہ سے وہ اس امر کے مستحق ہیں کہ مذکورہ بالا صدی کے مجدّد قرار پائیں، جیسا کہ انھوں نے اس کا دعویٰ بھی کیا ہے اور وہ اپنے دعوے میں مقبول اور کامیاب ہیں۔

علامہ سیوطیؒ کے علمی کارنامے نہایت وسیع اور گوناگوں ہیں جو ہر فن میں اُن کی مجتہدانہ بصیرت، وسعتِ نظر اور کثرتِ معلومات کے شاہد عدل ہیں۔ علومِ قرآن پر اُن کی تالیفات میں سے "الاتقان فی علوم القرآن" نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے جو سیوطیؒ نے سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد کم و بیش چار سال کی طویل مدّت میں پایۂ تکمیل کو پہنچائی ہے۔ ہم نے اسی کتاب کا تعارف کرایا ہے۔ کتاب ناظرین کے سامنے ہے تفصیلی تبصرہ کی چنداں حاجت نہیں۔

تعارفِ کتاب سے قبل ہمیں اس امر پر روشنی ڈالنی ہے کہ علومِ قرآن پر کام کا آغاز کب سے ہوا، تفسیر کا فن کیونکر مدوّن ہوا اور اس کو کتابی شکل میں سب سے پہلے کس نے مرتب کیا، انواعِ علومِ قرآن پر مستقل تصانیف کا سلسلہ کب سے شروع ہوا، اور کن کن نامور ائمۂ فن نے اُن پر جداگانہ اور مستقل کتابیں لکھیں، انواعِ علوم پر بحیثیتِ مجموعی بحث کا آغاز کس عہد میں ہوا، اور پھر عہد بعہد اس پر جن علماء نے قلم اٹھایا ان کو نام بنام گنایا، اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ فن متاخرین کے زمانہ میں کس طرح عروج کو پہنچا، ہندوستان میں کن کن علماء نے اس فن پر طبع آزمائی کی اور اُن کے کام کی نوعیت کیا ہے۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی غیر مناسب نہیں کہ جن کتابوں کے مصنفین کا عہد معلوم

[1] مرقاۃ المفاتیح لمشکوٰۃ المصابیح، مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۰۹ھ ج ۱ ص ۲۴۸۔

نہ ہوسکا اُن کتابوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم نے صرف انہی کتابوں کو نام بنام گنایا ہے جو اس فن پر مستقل تصانیف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علوم قرآن کے ساتھ اور علوم پر بھی جن کتابوں میں بحث ہوئی ہے جیسے محدث ابن جوزی کی کتاب المدہش یا کتاب المجتنیٰ ہیں یا حسین بن علی کاشفی المتوفی سنہ ۹۰۶ھ کی جواہر التفسیر لتحفۃ الامیر جو زہراوین کی تفسیر ہے، جس کے شروع میں موصوف نے تفسیر سے متعلق ۲۲ فنون پر چار فصلوں میں بحث کی ہے ان کو نظر انداز کردیا ہے۔

عرب جن کو اپنی زبان آوری، فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان پر ناز تھا قرآن مجید انہی کی زبان میں اُترا اور انہی کے اسلوب اور طرزِ ادا کو اس نے اختیار کیا۔ انھوں نے اسکو سمجھا، اور اس کی سحر طرازیوں نے اپنا اثر دکھایا۔ اہل زبان میں سے جس نے اس کو سُنا وہ اس کی عظمت و برتری کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ان میں سے جن پاکیزہ نفوس نے اس کی دعوت پر لبیک کہا انھی کو اس سے پورا پورا فائدہ پہنچا۔

قرآن مجید اصول وکلیات کا جامع ہے

قرآن مجید جو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اُتارا گیا ہے وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات اور نہایت جامع قانونِ ہدایت ہے۔ وہ اصول وکلیات کا جامع ہے، اور اس کے جزئیات کی تفصیل و تعیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے عبارت ہے۔ علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی المتوفی سنہ ۷۹۰ھ کتاب الموافقات میں رقمطراز ہیں:

القرآن علیٰ اختصارہا جامع ولا یکون جامعًا الا والمجموع فیہ امور کلیات لان الشریعۃ تمت بتمام نزولہ لقولہ تعالیٰ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الآیۃ وانت تعلم ان الصلوٰۃ والزکوٰۃ والجہاد واشباہ ذلک لم تبین جمیع احکامہا فی القرآن انما بینتہا السنۃ وکذالک العادیات من الانکحۃ والعقود والقصاص والحدود وغیرہا۔	قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے، اور جامع کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کلیات مذکور ہیں کیونکہ شریعت اُس کے پورے نازل ہو جانے پر مکمل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کردیا اور تم جانتے ہو کہ نماز، زکوٰۃ جہاد و اسی طرح کی اور عبادات ہیں جن کے تمام احکام قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئے ان کو صرف سنت نے بیان کیا ہے اسی طرح سے عادی امور نکاح، معاملات، قصاص اور حدود وغیرہ ہیں،

[1] کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: حاجی خلیفہ طبع استانبول سنہ ۱۳۶۰ھ ج ۱ ص ۶۱۳۔

[2] یہ حاشیہ صفحہ ۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شاطبیؒ کے مذکورہ بالا بیان سے یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے دین کی تکمیل فرما کر اس کی حفاظت کا بھی عجیب وغریب انتظام فرمایا۔ قرآن مجید کو تحریف لفظی سے محفوظ رکھنے کے لئے مؤمنین کے سینوں کو اس کا محافظ بنا دیا، اور شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قول و فعل کو حجت بنا کر معانی قرآن میں تحریف کا ہمیشہ کے لئے سدِّ باب کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ امت میں قرآن پاک کے نت نئے معانی کرنے والوں کو کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

اس قانونِ ہدایت کے مقنن اعظم نے محض الفاظ تعلیم فرما کر معانی کو آزاد نہیں چھوڑا تھا بلکہ اس نے اس کی تعبیر و تفسیر کا حق اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا تھا، اور آپؐ کے ہر قول و فعل کو حجت بنا دیا تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تبیین (سمجھانے) کا حق ادا کر دیا۔ آپؐ نے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی وضاحت کی، اطلاق کی تقیید اور اشتراک کی تعیین فرمائی، منشاءِ خداوندی کو بتایا، غرض و غایت کو سمجھایا، کلام الٰہی کے مرادی معنی کو بیان فرمایا اس پر عمل کر کے دکھایا، اور ۲۳ سال کی مختصر سی مدت میں سارے جزیرۃ العرب کو بقعۂ نور بنا دیا۔

جب ان بادیہ نشینوں کی فتوحات نے اقوام عالم کو اسلام کا گرویدہ بنایا، اور غیر قوموں میں کثرت سے اسلام پھیلنا شروع ہوا، تو ان کے دلوں میں قرآن کی عظمت جاگزیں کرنے کے لئے فضائلِ قرآن کی تدوین عمل میں آئی۔ قرآن پڑھانے کے لئے مصحف پر نقطے لگانے کا آغاز ہوا، اور قرأت میں لحن اور غلطی سے بچانے کے لئے قرآن مجید پر اعراب لگانے کا رواج ہوا۔ اقوامِ عجم کو اصولِ مذہب سے آگاہ کرنے اور قرآن مجید کے علوم و معارف سے روشناس کرانے کے لئے علم تفسیر کی تدوین عمل میں آئی۔ جیسے جیسے حالات اور اسباب ہوتے رہے علومِ قرآن پر کتابیں تصنیف ہوتی رہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص۳۱) ؎ کتاب الموافقات فی اصول الشریعۃ: الشاطبی، طبع قاہرہ، ج ۳ ص ۳۶۷۔

نیز کتاب اصول الدین: علامہ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی المتوفی ۴۲۹ھ۔

کتاب الاموال: ابو عبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ طبع قاہرہ ۱۳۵۳ھ ص ۵۴۴۔

اتحاف السادۃ المتقین بشرح اسرار احیاء علوم الدین: حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی، طبع قاہرہ ۱۳۱۱ھ، ج ۴ ص ۵۲۸۔

؎ کتاب المحکم فی نقط المصاحف: حافظ ابو عمرو عثمان بن سعید دانی المتوفی ۴۴۴ھ ص ۱۸ مطبعۃ الہاشمیہ دمشق ۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء۔ موجز البیان فی مباحث تختص بالقرآن۔ ص ۹۲ طبع بغداد ۱۹۴۰ء۔

عہدِ صحابہ میں قرآن کی سب سے پہلی تفسیر

پہلی صدی ہجری میں قرآن کی تفسیر سب سے پہلے سید المسلمین حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ موصوف کا انتقال عہدِ فاروقی میں ہوا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عہدِ فاروقی یا عہدِ صدیقی کی تالیفات میں سے ہے۔ مشہور مفسّر محمد بن جریر طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ اور ابن ابی حاتم المتوفی سنہ ۳۲۷ھ نے اپنی تفسیروں میں اس سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ اسی طرح ابو عبداللہ الحاکم المتوفی سنہ ۴۰۵ھ اپنی مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ اپنی مسند میں اس سے روایت کرتے ہیں۔ علّامہ احمد طاش کبری زادہ المتوفی سنہ ۹۶۸ھ مفتاح السعادہ میں رقمطراز ہیں:

اما ابی بن کعبؓ فعنہ نسخۃ کبیرۃ یرویہا ابوجعفر الرازی عن الربیع بن انس عن ابی العالیۃ عنہ وھٰذا اسناد صحیح وقد اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وکذا الحاکم فی مستدرکہ واحمد فی مسندہ۔[۱]	لیکن حضرت ابی بن کعبؓ تو اُن کی تفسیر کا نسخہ بڑا ہے جس کو ابو جعفر رازی بواسطہ ربیع بن انس از ابو العالیہ از ابی بن کعبؓ روایت کرتے ہیں۔ اور یہ سند صحیح ہے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور اسی طرح حاکم اپنی مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اس سے روایت کرتے ہیں۔

موصوف کے بعد حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر لکھی، جس کا نسخہ امام احمد بن حنبلؒ کے زمانہ میں مصر میں موجود تھا۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بواسطۂ مجاہد اور سعید بن جبیرؒ اسی سے روایتیں کی ہیں۔ چنانچہ ابو الخیر طاش کبری زادہ کا بیان ہے:

قال احمد بن حنبلؒ بمصر صحیفۃ فی التفسیر رواہا علی بن ابی طلحۃ لو رحل رجل فیہا الیٰ مصر قاصداً ماکان کثیراً" واعتمد علیٰ ھٰذہ النسخۃ البخاری فی صحیحہ فیما نقلہ عن ابن عباس وبینہ وبین	امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تفسیر میں ایک صحیفہ مصر کے اندر موجود ہے جس کو علی بن ابی طلحہ روایت کرتے ہیں اگر کوئی اس کی طلب میں مصر کا سفر کرے تو یہ کوئی بڑا کام نہیں ہے اور یہ وہ نسخہ ہے جس پر امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان روایتوں

[۱] مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ۔ ج ۱ ص ۴۰۴۔ طبع اوّل مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۲۸ھ

واضح رہے کہ ہم نے اپنی بیان کردہ کتابوں کے متعلق جو لفظِ اول اور پہلا لفظ استعمال کیا ہے وہ اس موضوع پر اپنے تتبع اور تلاش کے بعد کیا ہے۔ ممکن ہے مزید جستجو کے بعد کچھ اور کتابوں کا بھی سُراغ لگ سکے۔

ابن عباس واسطۃ وہی مجاہد او سعید بن جبیر قال ابن حجر بعد ان عرفت الواسطۃ وہی ثقۃ فلا ضیر فی ذلک[1]۔	پر جو انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے نقل کی ہیں اس پر اعتماد کیا ہے۔ اور علی بن ابی طلحہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے۔ اور وہ مجاہد یا سعید بن جبیر کا ہے۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ واسطہ معروف اور ثقہ ہے تو پھر روایت کرنے میں کوئی نقصان نہیں۔

عہدِ تابعین میں پہلی تفسیر

پھر پہلی صدی ہجری کے وسط میں کبار تابعین میں سے غالباً سب سے پہلے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نامور شاگرد حضرت سعید بن جبیر[2] المتوفی ۹۳ھ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جو تفسیر سعید بن جبیر کے نام سے موسوم ہے۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کو اسی نام سے ذکر کیا ہے[3]۔ موصوف نے یہ تفسیر خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان کی درخواست پر لکھی جو شاہی کتب خانہ کی زینت بنی۔ مؤرخِ اسلام حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال میں رقمطراز ہیں:

کان عبدالملک بن مروان کتب یسأل سعید بن جبیر ان یکتب الیہ تفسیر القرآن فکتب الیہ[4]۔	عبدالملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیر کو لکھا اور درخواست کی کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر بھیج دیں۔ اس کی فرمائش پر موصوف نے یہ تفسیر

حضرت سعید بن جبیرؒ کے بعد کبار تابعین میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلمیذ خاص

---

[1] مفتاح السعادۃ ج ا ص ۴۰۱۔ واضح رہے کہ ابوالخیر طاش کبری زادہ کی یہ معلومات حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی کتاب اسباب النزول سے ماخوذ ہیں جن کو سیوطیؒ نے تفسیر در المنثور کی چھٹی جلد کے آخر میں نقل کیا ہے۔

[2] حضرت سعید بن جبیرؒ کا سالِ وفات سنۃ الفقہاء کے نام سے مشہور رہے۔ کیونکہ فقہاء مدینہ کا انتقال اسی سال ہوا تھا۔ ابتداء سال میں حضرت علی بن الحسین بن زین العابدینؒ کا وصال ہوا۔ پھر حضرت عروۃ ابن الزبیرؓ نے وفات پائی، پھر حضرت سعید بن المسیبؒ۔ حضرت ابو عبدالرحمٰن بن الحارثؓ اور اہلِ مکہ میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ کا انتقال ہوا۔ البدایہ والنہایہ از حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ ج ۹ ص ۹۷ مطبعۃ السعادۃ مصر

[3] کتاب الفہرست ص ۵۱۔

[4] میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ ج ۲ ص ۱۹۷۔ طبع قاہرہ ۱۳۲۵ھ۔

ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی بصری المتوفی ۹۳ھ نے قرآن کی تفسیر لکھی۔ ان کا رتبہ تفسیر میں حضرت سعید بن جبیرؓ سے بھی بلند تر ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

قال ابوبکر بن ابی داؤد لیس احد اعلم بالقرآن بعد الصحابۃ من ابی العالیۃ ثم سعید بن جبیرؒ[1]	ابو بکر بن ابی داؤد کا قول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ابو العالیہ اور پھر سعید بن جبیرؒ سے بڑھ کر قرآن کا کوئی عالم نہیں۔

موصوف سے اس تفسیر کے راوی ربیعؒ ابن انس المتوفی ۱۳۶ھ ہیں۔ ابو اسحاق احمد بن محمد نیشا بوری ثعالبی المتوفی ۴۲۷ھ نے کتاب الکشف والبیان عن تفسیر القرآن[3] میں لکھا ہے کہ محمد بن کعب قرظی المتوفی ۱۰۸ھ اور عطاء بن ابی رباح المتوفی ۱۱۴ھ نے بھی قرآن مجید کی تفسیریں لکھی ہیں۔ یہ بھی بلند رتبہ تابعین میں سے ہیں۔

پھر قرآن مجید کی تفسیروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور اس فن نے ایسی ترقی کی کہ بڑے بڑے نامور مفسر پیدا ہوئے اور انھوں نے نہایت عمدہ کتابیں لکھیں اور دو چار صدی میں ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا۔

فضائلِ قرآن

اسلام میں جس طرح قرآن مجید سب سے پہلے کتابی صورت میں مرتب ہوا اسی طرح اس کے علوم پر بھی کام کا آغاز سب سے پہلے ہوا۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری کے اوائل میں علوم قرآن میں سے فضائلِ قرآن پر کام ہوا۔ یہ موضوع جتنا اہم ہے قدرت نے اس کے لئے اتنی ہی اہم شخصیت کا انتخاب بھی کیا۔ اور یہ کام سید القراء صحابی رسول حضرت ابو المنذر اُبی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۹ھ) کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ موصوف نے سب سے پہلے اس موضوع پر کتاب فضائل القرآن لکھی۔ ...... اُن کی یہ تصنیف علوم قرآن پر عہد اسلامی کی غالباً سب سے پہلی تصنیف ہے[4]۔ موصوف کے بعد اس موضوع پر بہت سے

[1] تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱ ص ۶۳۔ طبع سوم حیدر آباد دکن ۱۳۷۵ھ۔

[2] کشف الظنون۔ ج ۱۔ کالم نمبر ۴۴۱۔

[3] الکشف والبیان عن تفسیر القرآن بحوالہ کشف الظنون ۔ ج ۱ کالم نمبر ۴۵۳ و نمبر ۴۷۵۔

[4] الفہرست ابو الفرج محمد بن اسحاق (ابن الندیم) ص ۵۵ مطبعہ رحمانیہ مصر ۱۳۴۸ھ۔ حاجی خلیفہ نے اس عنوان کے ماتحت امام شافعیؒ کو "اول من صنف فیہ" کے الفاظ سے یاد کیا ہے جو صحیح نہیں۔

علماء نے کتابیں لکھیں جن کا تذکرہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں کیا ہے۔

نقطِ مصاحف پر پہلی تصنیف

پہلی صدی ہجری میں نقطِ مصاحف پر سب سے پہلے کبار تابعین میں سے قاضی بصرہ ابو الاسود دؤلی المتوفی ۶۹ھ نے جن سے ارباب سنن نے روایت کی ہے ایک مختصر رسالہ لکھا جس کا تذکرہ مشہور قاری علامہ ابو عمرو دانی المتوفی ۴۴۴ھ نے کتاب المحکم میں کیا ہے[1]۔

دوسری صدی ہجری میں اس موضوع پر امام لغت خلیل بن احمد بصری المتوفی ۱۷۰ھ نے قلم اٹھایا، اور سب سے پہلے اس کے اسباب و عِلَل سے بحث کی۔ اور انھیں کتابی صورت میں مرتب کر کے پیش کیا، اسی وجہ سے غالباً کتاب الفہرست میں ابن ندیم نے نقطِ مصاحف پر کتابیں گناتے ہوئے موصوف کا نام سرِ فہرست ذکر کیا ہے[2]۔ اور ابو عمرو دانی نے جن کا شمار حفاظِ حدیث کے زمرہ میں ہے موصوف کو کتاب المحکم میں ابو الاسود دؤلی کے بعد "اوّل من صنّف" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، فرماتے ہیں:

اوّل من صنّف النقط و رسمه فی کتاب و ذکر علله الخلیل بن احمد ثم صنّف ذٰلک بعد جماعة من النحویین و المقرئین و سلکوا فیه طریقه و اتّبعوا سنّته و اقتدوا بمذاهبه[3]۔	سب سے پہلے جس نے نقط پر کتاب تصنیف کی اور اس کو کتاب میں قلمبند کیا اور اس کے عِلَل و اسباب کو بیان کیا وہ خلیل بن احمد ہے۔ پھر اس کے بعد قراء اور نحویوں کی ایک جماعت نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں اور انھوں نے اسی کے طریقہ کو اپنایا اور اسی کی روش کو اختیار کیا، اور اسی کے مسلک کی انھوں نے پیروی کی۔

اس کے بعد علامہ دانی نے ان تمام مصنفین کو جنھوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں نام بنام گنایا ہے۔

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں قرآن مجید کے خاص خاص موضوع اور مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا، اور ہر موضوع پر بلند پایہ ائمۂ فن نے قلم اٹھایا اور بڑی خوبی کی بات یہ رہی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا رہا۔

---

[1] المحکم فی نقط المصاحف۔ ص ۴

[2] کتاب الفہرست ص ۵۳، إنباه الرواة علی أنباه النحاة: جمال الدین ابو الحسن علی قفطی المتوفی ۶۴۶ھ ج ۱ ص ۳۴۶۔ طبع اوّل دار الکتب المصریة قاہرہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰م۔

[3] کتاب المحکم ص ۹۔

اسبابِ نزول پر پہلی تصنیف

پہلی صدی ہجری کے اختتام پر یا دوسری صدی ہجری کے اوائل میں قرآن مجید کے اسبابِ نزول پر سب سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نامور شاگرد حضرت عکرمہ مدنی مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما المتوفی ۱۰۵ھ نے جن سے بخاری اور دیگر اربابِ صحاح نے روایت کی ہے، کتاب لکھی جس میں وہ تمام معلومات جمع کیں جو موصوف نے اپنے استاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنی تھیں[۱]۔ سیوطیؒ نے امام بخاری کے استاد حافظ ابوالحسن علی بن عبداللہ المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کو "الاتقان" میں اقدمہم اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں "اوّل من صنّف" کے الفاظ سے جو یاد کیا ہے وہ بظاہر جامعیت کے اعتبار سے ہے[۲]۔

مقطوع و موصولِ قرآن پر پہلی کتاب

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں کبار تابعین اور قراءِ سبعہ میں سے قاضیِ دمشق عبداللہ ابن عامر یحصبی[۳] المتوفی ۱۱۸ھ نے سب سے پہلے قرآن مجید کے مقطوع اور موصول پر کتاب تصنیف کی

---

[۱] کتاب الفہرست، ص ۵۷۔ [۲] کشف الظنون ج ۱، کالم نمبر ۷۶۔

[۳] عبداللہ بن عامر دمشقی قراءِ سبعہ میں تیسرے امام اور ابو عمرو بن العلاء چوتھے امام ہیں (جن کا ذکر آگے آئے گا) قراءِ سبعہ میں ان دونوں کے سوا کوئی عرب نہیں سب عجمی ہیں۔ پھر ابو عمرو بن العلاء، بصری نحو و لغت کے بھی متفق علیہ امام ہیں۔ محمود بن عمر زمخشری المتوفی ۵۲۸ھ جو بلند پایہ ادیب اور ماہر فن لغوی ہیں وہ اپنے اعتزال کی وجہ سے ایسی قرآت پر جو اصولِ نحو کے خلاف نظر آتی ہیں اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے، اور ائمۂ فن پر بھی حرف گیری کے بغیر نہیں رہتے ہیں۔ موصوف نے ان دونوں ائمۂ فن کی قرآت پر سخت اعتراض کئے ہیں۔ چنانچہ آیت شریفہ:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝	اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں اُن کی اولاد کے قتل کو اُن کے شریکوں نے تاکہ اُن کو ہلاک کریں اور رلا ملا دیں اُن پر اُن کے دین کو اور اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔

میں ابن عامر کی قرآت قَتْلُ اولادَہُمْ شُرکائِہِمْ ہے جس میں لفظ قتل مرفوع اور لفظ اولادہم منصوب (باقی بر صفحہ ۶۳)

جو مقطوع القرآن و موصولہ کے نام سے موسوم ہے[1] اسی طرح مصاحف کی تاریخِ تدوین اور

(بقیہ حاشیہ صلا) اور شرکائہم کو اضافت کی وجہ سے مجرور پڑھا گیا ہے جس کی وجہ سے مضاف مضاف الیہ میں فصل واقع ہو جاتا ہے جو اصولِ نحو کے خلاف ہے۔ اس پر زمخشری لکھتے ہیں:

والفصل بینہما بغیر الظرف فشیٔ لو کان فی مکان الضرورات وہو الشعر لکان سمجًا مردودًا کما سمج ورد ؎

زج القلوص ابی مزادہ

فکیف بہ فی الکلام المنثور فکیف بہ فی القرآن المعجز بحسن نظمہ وجزالتہ والذی حملہ علیٰ ذٰلک ان رأی فی بعض المصاحف شرکائہم مکتوبًا بالیاء۔

مضاف اور مضاف الیہ میں بغیر ظرف کے فصل واقع ہونا عجیب ہے۔ اگر ضرورت کے مواقع پر ہوتا اور وہ شعر ہے تو بھی یہ ناقابلِ قبول اور قبیح تھا جس طرح کہ یہ مصرعہ قبیح اور مردود ہے ؎

زج القلوص ابی مزادہ

پھر یہ نثر میں کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے، اور وہ بھی قرآن میں جو اپنی جزالت اور حسنِ نظم کے لحاظ سے کلام معجز نظام ہے جس بات نے ابن عامر کو اس قرأت پر آمادہ کیا وہ ان کا کسی مصحف میں شرکائہم حرف یاء سے لکھا ہوا دیکھنا ہے۔"

(الکشاف مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ ۱۳۶۵ھ ج ۲، ص ۷۰)

اور آیت پاک:

فیغفر لمن یّشاء ویعذّب من یّشاء واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔

پھر بخشیگا جس کو چاہے اور عذاب کریگا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

میں ابو عمرو بن العلاء کی قرأت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومدغم الرّاء فی اللام لاحن مخطیٔ خطأً فاحشًا وراویہ عن ابن عمرو مخطیٔ مرتین لانہ یلحن وینسب الی اعلم الناس بالعربیۃ ما یؤذن بجہل عظیم والسبب فی ہٰذہ الروایات قلۃ ضبط الرواۃ والسبب فی قلۃ الضبط قلۃ الدرایۃ۔

(الکشاف ج ۱ ص ۳۳۰)

راء کا لام میں ادغام کرنے والا نہایت فاحش غلطی کا مرتکب ہے اور اس کا ابو عمرو سے راوی دو غلطیوں کا مرتکب ہے۔ کیونکہ وہ غلطی کرتا ہے اور عربیت کے سب سے بڑے عالم کی طرف نسبت کرتا ہے ایسی بات جو اس کے جہل عظیم کا اعلان کرتی ہو اور اس قسم کی روایات میں غلطی کا سبب راویوں کے ضبط کی کمی ہے اور ضبط کی کمی کا سبب

[1] کتاب الفہرست، ص ۵۵۔

(باقی بر صفحہ ۶۴)

اختلافِ مصاحف کے موضوع پر سب سے پہلے، موصوف ہی نے قلم اٹھایا اور اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق کے نام سے کتاب مرتب کی۔ ان کے بعد امام ابو الحسن علی بن حمزہ کسائی المتوفی ١٨٩ھ نے کتاب اختلاف مصاحف اہل المدینۃ واھل الکوفۃ والبصرۃ لکھی۔ اور پھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٣) بیضاوی وغیرہ جن کی تفسیریں کشاف سے ماخوذ ہیں اس قرأت کو لحن قرار دیا ہے، اور تعجب احمد بن المنیر الاسکندری المتوفی ٦٨٣ھ پر ہے جس نے الانتصاف میں اس مقام پر ایک حرف نہیں لکھا گو اور مواقع پر خوب کلام کیا ہے۔ لیکن ابو حیان الاندلسی المتوفی ٧٤٥ھ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں ہر مقام پر خوب لکھا ہے اور زمخشری کے اغلاط پر تنبیہ کی ہے۔

ابن عامر اور ابو عمرو دونوں امامِ فن ہیں پھر قرآتِ سبعہ تواتر سے ثابت ہیں۔ قرآن مجید نحویانِ بصرہ کے اصول و قواعد کا پابند نہیں، جیسا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ویسا ہی قراء نے ضبط کیا، پڑھا اور پڑھایا، اور کبھی ایسی قرآت نہیں کی اور نہ جائز قرار دی جو اصولِ نحو کے اعتبار سے صحیح ہو لیکن وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو۔ یہ تو شدتِ ضبط کی نہایت قوی دلیل ہے۔ چنانچہ امام لغت حسین بن احمد المعروف بابن خالویہ المتوفی ٣٧٠ھ جو قرآت میں ابن مجاہد کے شاگرد ہیں اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن العظیم میں قمطراز ہیں:

یجوز فی النحو مالکُ یوم الدین بالرفع علی معنی ہو مالک ولا یقرأ بہ لان القراۃ سنۃ ولا تحمل علی قیاس العربیۃ۔ (اعراب ثلاثین سورۃ طبع قاہرہ ١٣٦٠ھ ص ٢٤)	نحو کے اعتبار سے مالکِ یوم الدین میں مالک کو مرفوع پڑھنا بھی درست ہے، معنی ہوں گے "ہو مالک" وہ مالک ہے لیکن اس طرح سے پڑھا نہیں جا سکتا کیونکہ قرآت سنت ہے اس کو عربیت کے اعتبار سے روا نہیں رکھا جا سکتا۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

والقراۃ سنۃ یاخذہا آخرٌ من اوّل ولا تحمل علی قیاس العربیۃ۔ ص ٤٢	اور قرآت سنت ہے اس کو خلف نے سلف سے سیکھا ہے اس کو عربیت کے اعتبار سے پڑھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

مشہور مستشرق گولڈ زیہر نے "مذاہب التفسیر الاسلامی" ص ٥٦ (طبع قاہرہ ١٣٧٤ھ) میں انہی باتوں کو نقل کر کے اختلافِ مذاہب کی نشان دہی کی ہے۔

زمخشری کا اس کو قلتِ ضبط اور قلتِ درایۃ قرار دینا صحیح نہیں۔ ابو عمرو بن العلاء جیسا امام فن جس کا مرتبہ لغت و نحو میں سیبویہ اور خلیل سے بھی بلند تر ہے اور جو نحاۃِ بصرہ کا متفق علیہ امام ہے (باقی بر ص ٦٥)

امام لغت فرّاء المتوفی ۲۰۷ھ نے اختلاف اھل الکوفہ والبصرۃ والشام فی المصاحف ترتیب دی[1] اور اس کے بعد بہت سے اہل قلم نے اس موضوع پر تصانیف کیں۔ محدث ابو بکر عبداللہ بن ابی داؤد السجستانی المتوفی ۳۱۶ھ کی کتاب المصاحف، مستشرق آرثر جفری کے مقدمہ کے ساتھ ۱۳۵۵ھ میں قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔

غریب القرآن پر سب سے پہلی تصنیف

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ابان بن تغلب بجری الکوفی المتوفی ۱۴۱ھ نے جن سے امام مسلم اور ارباب سنن نے روایت کی ہے سب سے پہلے قرآن مجید کے غریب الفاظ کو جمع کیا، اور غریب القرآن کے نام سے کتاب تصنیف کی[2]۔ موصوف کے بعد غریب القرآن کے موضوع پر بہت سے ائمہ لغت نے کتابیں تصنیف کیں لیکن اس موضوع پر فرّاء کے شاگرد ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یحییٰ الیزیدی المتوفی ۲۳۶ھ جن کو حسب تصریح حافظ عبدالکریم سمعانی، قرآن اور مسائل قرآن میں امتیاز خاص حاصل تھا نہایت جامع کتاب تصنیف کی[3] جس میں قرآن مجید کے تمام غریب الفاظ کو مع شواہد بیان کیا ہے یہ کتاب چھ جلدوں میں ہے۔ اس کا نسخہ وزیر جمال الدین القفطی المتوفی ۶۴۶ھ کی نظر سے گذر چکا ہے۔ موصوف اس کے متعلق انباہ الرّواۃ میں رقمطراز ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) جن کا مسلک رآ، متحرک اور لام متحرک میں اظہار کرنا ہے وہ بھی خلاف مسلک روایت کرے۔ یہ ضبط صحیح کی دلیل ہو اور اس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ وہ اس معاملہ میں تنگ نظر نہ تھے۔ وہ نحویان کوفہ کے مسلک کو بھی حق سمجھتے تھے جو ادغام کو جائز قرار دیتے ہیں۔ نیز قرآۃ میں سماع کو حجت اور قرآت کو اصول نحو کا پابند نہیں سمجھتے تھے اس اختلاف سے اس حقیقت کا بھی سراغ لگتا ہے کہ ائمہ فن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآت کے وجوہ اور طرز ادا کی حفاظت میں کس احتیاط اور ضبط اور فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا ہے جس کی نظیر سے تاریخ عالم قاصر ہے۔

[1] کتاب الفہرست ص ۵۴۔

[2] کتاب الفہرست ص ۳۰۸ و معجم الادباء یاقوت رومی المتوفی ۶۲۶ھ ج ۱ ص ۳۵، طبع دوم مطبعہ ہندیہ قاہرہ ۱۹۲۳ء

[3] کتاب الانساب: حافظ ابو سعد عبدالکریم سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ۔ نسبت یزیدی۔

عبداللہ بن یحییٰ بن المبارک ابو عبدالرحمٰن صنّف کتاباً فی غریب القرآن حسناً فی بابہ ورأیتہ فی ستۃ مجلّدات یستشہد علیٰ کل کلمۃ من القرآن بابیات من الشعر[۱]	ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یحییٰ بن المبارک نے غریب القرآن کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی جو اپنے موضوع پر عمدہ کتاب ہے اور میں نے اس کو دیکھا ہے وہ چھ جلدوں میں ہے قرآن کے ہر کلمہ پر اشعار کو بطور سند پیش کیا ہے۔

اسی موضوع پر ابن قتیبہ دینوری المتوفی ۲۶۷ھ کی غریب القرآن سید احمد صقر کی تصحیح اور تعلیقات کے ساتھ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے اس سے پیشتر موصوف کی کتاب غریب القرآن اور مشکل القرآن دونوں ۱۳۵۵ھ میں قاہرہ سے کتاب القرطین کے نام سے چھپ چکی ہیں۔

غریب القرآن پر سب سے مختصر کتاب

غریب القرآن کے موضوع پر علامہ محمد بن عزیز السجستانی المتوفی ۳۳۰ھ کی کتاب غریب القرآن سب سے مختصر تالیف ہے۔ یہ کتاب کئی مرتبہ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔ کہنے کو یہ ایک مختصر رسالہ ہے لیکن پندرہ سال کی طویل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا اس سے ناظرین کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ایک زمانہ تھا کہ ائمۂ فن قرآن کی لغت کی ترتیب و تدوین میں کیسی محنت کرتے تھے، اور انھیں ایک رسالہ کی تیاری میں کتنا زمانہ لگتا تھا[۲]۔

ہندوستان میں اِس موضوع پر سب سے پہلی کتاب

ہندوستان میں لغات القرآن پر سب سے پہلے بارھویں صدی ہجری میں کام ہوا۔ اور شیخ محمد مراد بخاری کشمیری نے اس موضوع پر ایک جامع کتاب لکھی جس کا نام جامع المفردات ہے۔ موصوف کو عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ انھوں نے جامع المفردات میں ہر لفظ کے معنی عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں لکھے ہیں۔ پہلی ترتیب سورتوں پر ہے اور دوسری ترتیب حروف تہجی پر ہے۔ یعنی پہلے سورۂ بقرہ کے الفاظ کو بیان کیا اور اس میں بھی حروف تہجی کا لحاظ رکھا ہے۔ موصوف نے اس کی تالیف سے ۱۱۳۱ھ میں فراغت پائی تھی ـــــ

---

[۱] کتاب انباہ الرواۃ۔ ج ۲، ص ۱۵۱،

[۲] نزہۃ الالباء فی طبقات الادباء تالیف ابو البرکات عبدالرحمٰن بن محمد الانباری المتوفی ۵۷۷ھ ص ۳۸۶ طبع مصر ۱۲۹۴ھ

------ ہندوستان میں مفردات القرآن کے موضوع پر یہ اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری کتاب ہے جس میں الفاظ قرآن کے معانی تینوں زبانوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب گیارہ سو تیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا ایک مخطوطہ جو فارسی رسم الخط میں ہے، اور ۱۱۶۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔ جامع ازہر کے کتب خانے میں محفوظ ہے[1]۔

پھر اس موضوع پر مولانا حمید الدین فراہی نے عربی زبان میں مفردات القرآن لکھی جو شائع ہو چکی ہے۔

------ اردو زبان میں وقت کے نامور فاضل مولانا محمد عبد الرشید نعمانی نے اس موضوع پر کم و بیش دس بارہ برس کی محنت کے بعد لغات القرآن حرف عین تک چار جلدوں میں مکمل کی تھیں جو ندوۃ المصنفین دھلی سے شائع ہو چکی ہیں۔ پاکستان میں عصر حاضر کے نامور متجدد غلام احمد پرویز نے بادنیٰ تصرف اس سرمایہ کو اپنی کتاب لغات القرآن میں منتقل کر لیا ہے اور مولانا کے گرانقدر ماخذوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے یہاں لین (Lane) کی ڈکشنری (مدّ القاموس An Arabic English Lexicon) کا اضافہ کر دیا جس کی علمی دیانت اور وسعتِ نظر کا یہ عالم ہے کہ مقدمہ کتاب میں اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ اس بات کو نہ کسی محقق نے تسلیم کیا ہے اور نہ خود میں اس پر یقین رکھتا ہوں یہ بے سروپا الزام نقل کر ہی دیا ہے کہ تاج العروس سید مرتضیٰ زبیدی کی تالیف نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مغربی عالم کی تصنیف ہے جس کا نام معلوم نہیں وہ حج کے لئے جاتے ہوئے قاہرہ میں اُترا اور صحرائے عرب میں کتاب کے ضائع ہونے کے خیال سے تاج العروس سید مرتضیٰ زبیدی کے حوالہ کر گیا حجاز میں اس کا انتقال ہو گیا اور سید مرتضیٰ زبیدی نے اس کو اپنے نام سے شائع کر دیا۔

لین (Lane) نے سید مرتضیٰ زبیدی کی تاج العروس سے جس طرح استفادہ کیا ہے اسی طرح مقدمہ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ سید مرتضیٰ زبیدی نے آغاز کتاب ہی میں اس مغربی عالم کا نام بھی ذکر کیا ہے جو اُن کے شیوخ میں سے تھے اور ان کے اس علمی کارنامہ کو سراہا بھی ہے نیز اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے کہ اُن کی شرح میرے پاس موجود ہے۔ اور اکثر جگہ میں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ موصوف کے الفاظ ہیں :

---

[1] فہرس المکتبۃ الازہریۃ ج۔۱۔ ص ۱۷۲ طبع دوم مطبعۃ الازہر ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ء۔

ومن اجمع ما کتب علیه ما سمعت و رأیت شرح شیخنا الامام اللغوی ابی عبداللہ محمد بن الطیب بن محمد الفاسی المتولد ۱۱۱۰ھ والمتوفی بالمدینۃ المنورۃ ۱۱۷۰ھ وہو عمدتی فی ہذا الفن والمقلد جیدی العاطل بحلی تقریرہ المستحسن وشرحہ ہذا عندی فی مجلدین ضخمین (تاج العروس، ص ۳)	اور قاموس کی جو سب سے زیادہ جامع شرح لکھی گئی ہے جس کا سماع مجھے بھی حاصل ہے اور میں نے اس کو دیکھا بھی ہے وہ ہمارے شیخ امام لغوی ابو عبداللہ محمد بن طیب بن محمد کی ہے جن کی ولادت فاس میں ۱۱۱۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۱۷۰ھ کے اندر مدینہ میں ہوئی وہی شرح اس فن میں میری اساس ہے اور وہی میری برہنہ گردن کو اپنی پسندیدہ تقریروں کے زیور

سے آراستہ کرنے والی ہے اُن کی یہ شرح دو ضخیم جلدوں میں میرے پاس موجود ہے۔

اس تصریح کے بعد یہ الزام نقل کرنا اور یہ کہہ کر کہ اس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہوا درپردہ اس الزام کی تائید کرتا ہے۔ اور یہ مستشرقین کا عام شیوہ ہے ... اسی طرح سے پطرس بستانی کی محیط المحیط کے حوالے سے بھی کتاب مذکور کو زینت بخشی ہے۔ بستانی وہی لغوی ہے جس نے لفظ مسیح کے معنی یہ بھی کئے ہیں:

والمسیح ایضاً لقب الرب یسوع	اور مسیح یسوع (علیہ السلام) رب کا لقب بھی ہے۔

لفظ مسیح کے یہ معنی کسی عرب لغت نویس سے منقول نہیں۔

عبرت کا مقام ہے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو اہلِ زبان اور قرآن کے مخاطب اوّل ہی نہ تھے بلکہ انہی کو یہ فخر حاصل تھا کہ قرآن نے اُن کے لئے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کے الفاظ استعمال کئے۔ انھوں نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے الفاظ قرآن کے جو معانی اور مطالب سمجھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معانی بتائے انھیں نقل کرنا جناب پرویز کی نظر میں موجبِ ندامت اور باعثِ ننگ ہے۔ لین (Lane) اور پطرس بستانی جو اہلِ زبان بھی نہیں مسلمان بھی نہیں اور اہلِ لغت کی نظر میں قابلِ استناد بھی نہیں ان سے الفاظ قرآن کے معانی نقل کرنا اُن کے لئے قابلِ فخر و ناز ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ کبھی مسلمانوں کا وہ زمانہ بھی تھا جب یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کے معانی مسلمان علماء سے پوچھنا فخر سمجھتے تھے، اور آج پاکستان کے متجدّدِ عصر جناب پرویز قرآن کے معانی کی وضاحت کے لئے مستشرقین (جن کی علمی عظمت کا بیان اوپر گذر چکا)

کی دریوزہ گری کو کارنامۂ فخر سمجھتے ہیں۔ اقبال نے سچ فرمایا ہے ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ یقین ہے کہ معانیِ قرآن پر جب تک لین (Lane) اور بُستانی جیسے مستشرقین کی مہرِ استناد ثبت نہ ہو جائے الفاظ قرآن کی صحیح ترجمانی نہیں ہو سکتی۔

جناب پرویز کا اشہب قلم جہاں مولانا نعمانی کی تحقیقات سے آگے بڑھا ہے وہی موصوف کی تحقیقات کا وہ میدان ہے جہاں اسلام کے بلند سے بلند مفسّر اور عرب کے بڑے سے بڑے لغوی کا طائرِ خیال بھی پرواز سے عاجز ہے۔

ناسخ و منسوخ پر پہلی تصانیف

دوسری صدی ہجری میں مشہور مفسّر اور فقیہ خراسان مقاتل بن سلیمان المتوفی ۱۵۰ھ اور علامہ حسین بن واقد المروزی المتوفی ۱۵۷ھ نے قرآن مجید کے ناسخ و منسوخ پر قلم اٹھایا اور کتاب الناسخ والمنسوخ لکھیں[۱]۔ اس موضوع پر قدما کی کتابوں میں سے امام نسائی کے

---

[۱] کتاب الفہرست ص ۵۱ و ۵۴ ۲۔ واضح رہے تذکرہ نگاروں کا یہ بیان ہے کہ علم ناسخ و منسوخ کے موجد اوّل امام شافعیؒ ہیں۔ حافظ عبدالقادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ کا بھی یہی خیال ہے کہ علم ناسخ و منسوخ کی طرف سب سے پہلے امام شافعیؒ نے رہبری کی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

یقول الناس ان الشافعی لہ فضل علیٰ کل احدٍ والبیہقی نفضلہ علی الشافعی فواللہ ما قال ھٰذا من شمّ توجہ الشافعی وعظمتہ ولسانہ فی العلوم لقد اخرج الشافعی باباً من العلم ما اہتدیٰ الیہ الناس من قبلہ وہو علم الناسخ والمنسوخ (الجواہر المضیئۃ ج ۲ ص ۴۳۲ طبع اوّل حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ)	لوگ کہتے ہیں امام شافعی کا احسان ہر ایک پر ہے۔ بخدا یہ اس کا قول نہیں جس نے امام شافعی کی توجہ کی بُو بھی سونگھ لی اور امام شافعی کی عظمت اور علوم میں اُن کی مہارت کو سمجھا۔ خدا کی قسم امام شافعی نے علم کا ایک ایسا باب نکالا ہے جس کی طرف اُن سے پہلے کسی کو راہ یابی نہیں ہوئی۔ اور وہ ناسخ و منسوخ کا علم ہے۔

ہمارے مذکورۂ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مناقب نگاروں کا یہ خیال قرینِ صحت نہیں اس موضوع پر امام شافعی کی پیدائش سے پہلے ہی

شاگرد ابو جعفر نحاس احمد بن محمد مصری نحوی المتوفی ۳۳۸ھ کی کتاب الناسخ والمنسوخ مطبعۃ السعادۃ مصر سے ۱۳۳۸ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

وجوہ و نظائرِ قرآن پر پہلی تصانیف

اسی زمانہ میں قرآن مجید کے وجوہ و نظائر پر کام ہوا اور مقاتل بن سلیمان اور قاضی مرحبین بن واقد مروزی المتوفی ۱۵۷ھ نے جن سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے اسی موضوع پر کتاب وجوہ القرآن تصنیف کی[۱]

متشابہ القرآن پر پہلی کتاب

متشابہ القرآن پر بھی غالباً سب سے پہلے مقاتل بن سلیمان نے کتاب لکھی[۲]

حروف قرآن پر پہلی کتاب

اسی زمانہ میں قرآن مجید کے حروف پر سب سے پہلے امام ابو عمرو بن العلاء البصری المتوفی ۱۵۱ھ نے جن کا شمار قراء سبعہ میں ہے۔ اور بخاری و مسلم نے اُن سے روایت کی ہے حروف القرآن کے نام سے کتاب تصنیف کی[۳] جس کو ایک زمانہ تک بسند روایت کیا جاتا تھا۔ چنانچہ وزیر جمال الدین القفطی، عبید اللہ بن محمد یزیدی المتوفی ۲۸۴ھ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

عبید اللہ بن محمد الیزیدی سمع عبدالرحمٰن بن اخی الاصمعی وروی عن عمہ ابراہیم بن یحییٰ واخیہ احمد بن محمد عن جدہ ابی محمد الیزیدی عن ابی عمرو بن العلاء حروفہ فی القرآن[۴]	عبید اللہ بن محمد یزیدی نے اصمعی کے بھتیجے عبدالرحمٰن سے سماع کیا اور اپنے چچا ابراہیم بن یحییٰ اور اپنے بھائی احمد بن محمد عن جدہ ابی محمد یزیدی کے واسطہ سے ابو عمرو بن العلاء سے اُن کی تالیف حروف القرآن کے راوی ہیں۔

قراآت پر پہلی تصانیف

اسی طرح قراآت کے موضوع پر بھی غالباً سب سے پہلے ابو عمرو بن العلاء نے کتاب القراآت تصنیف کی۔ اُن کے ہمعصر ابان بن تغلب[۵] اور مقاتل بن سلیمان[۶] نے بھی کتاب القراآت لکھی تھیں۔

---

[۱] کتاب الفہرست ص ۲۵۴ و ص ۳۱۹۔
[۲] کتاب الفہرست ص ۲۵۴ و ۵۵۔
[۳] کتاب الانساب ورق ۶۰۰۔
[۴] انباہ الرواۃ۔ ج ۲ ص ۱۵۳۔
[۵] کتاب الفہرست ص ۳۰۸۔
[۶] کتاب الفہرست ص ۲۵۴۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بغیۃ الوعاۃ میں ہارون بن موسیٰ الاعور کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ موصوف نے سب سے پہلے قراآت پر کتاب تصانیف کی۔ لکھتے ہیں:

وہو اوّل من تتبع وجوہ القراآت والّفہا وتتبع الشاذ منہا وبحث علی اسنادہ[۱]	اور آپ نے سب سے پہلے وجوہ قراآت کو تلاش کیا اور شواذ کی جستجو کی اور اس کی سندوں سے بحث کی ہے۔

ہارون بن موسیٰ چونکہ نسلاً یہودی تھے اس لئے مشہور مستشرق گولڈزیہر نے اپنی کتاب "مذاہب التفسیر الاسلامی" میں اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے کہ اس فن پر سب سے پہلے ایک یہودی النسل مسلمان نے قلم اٹھایا اور کتاب لکھی، بڑا فخر محسوس کیا ہے[۲]۔ جلال الدین سیوطیؒ کو ہارون بن موسیٰ سے پہلے کے مصنفین معلوم نہ ہوسکے، اور انھوں نے ان کو پہلا مصنف قرار دیدیا، مستشرق موصوف نے اسی کو منتہائے تحقیق سمجھ لیا، موصوف اگر کتابوں کی طرف مراجعت کرلیتے تو اُن پر یہ حقیقت واضح ہوجاتی کہ ہارون بن موسیٰ کو اس باب میں اوّلیت کا شرف حاصل نہیں۔ اُن کے استاذ ابوعمرو بن العلاء جن سے ہارون بن موسیٰ نے فنِ قراآت کی تحصیل کی تھی[۳] اور ان کے شیخ ابان بن تغلب[۴] (جیسا کہ ذکر گزر چکا) اس فن پر ان سے پہلے کتابیں لکھ چکے تھے، مقاتل بن سلیمان کی کتاب بھی ان سے پیشتر مرتب ہوگئی تھی، سیوطیؒ کو ان کی کتابوں کا علم نہیں تھا، اسی وجہ سے انھوں نے موصوفؒ وجوہِ قراآت پر پہلا مصنف قرار دیا۔ ہر مؤرخ اور تذکرہ نگار اپنے علم کے مطابق لکھتا ہے، چنانچہ علامہ ابوالخیر محمد بن محمد الجزری المتوفی ۸۳۳ھ نے کتاب النشر فی القراآت العشر میں اس موضوع پر پہلا اور قابلِ اعتبار مصنف ابوعبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ کو قرار دیا ہے[۵]، حالانکہ ان سے پیشتر امام کسائی نے اس موضوع پر کتاب لکھی تھی[۶] جن کے ثقہ اور قابلِ وثوق ہونے میں کسے کلام ہوسکتا ہے، قراء سبعہ میں ساتویں امام ہیں۔ اور اسی طرح سے غایۃ النہایۃ

---

[۱] بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ ص ۴۰۶ طبع اول مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۲۶ھ۔

[۲] تہذیب التہذیب: حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ۔ ج ۱۱ ص ۱۴ طبع اوّل حیدرآباد دکن ۱۳۲۷ھ۔

[۳] مذاہب التفسیر الاسلامی: ترجمہ عبدالحلیم نجار، ص ۵۶، طبع قاہرہ ۱۳۷۳ھ۔

[۴] تاریخ بغداد از ابوبکر خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ۔ ج ۱۴ ص ۲۔ طبع قاہرہ۔

[۵] کتاب النشر۔ [۶] کتاب الفہرست ص ۹۸۔

میں امام ابو عمر حفص بن عمر دوری المتوفی ۲۴۸ھ کے متعلق لکھتے ہیں:

اوّل من جمع القراآت[۱] (موصوف نے سب سے پہلے قرائت کو جمع کیا)

یہ محقق کا کام ہے کہ تحقیق کرکے صحیح نتیجہ کو پہنچے۔

احکام القرآن پر پہلی تصنیف

اسی زمانہ میں احکام القرآن کے موضوع پر سب سے پہلے محمد بن السائب کلبی المتوفی ۱۴۶ھ نے غالباً سب سے پہلے کتاب احکام القرآن لکھی[۲]۔ یہ اپنے کذب کی وجہ سے روایتِ حدیث میں محدثین کے یہاں ناقابلِ اعتبار ہے اس لئے اس کو حسنِ قبول حاصل نہ ہوا۔ اس موضوع پر پہلا معتبر مصنف امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ کو قرار دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ غالباً اس موضوع پر اُن کی کتاب کی شہرت ہے۔ یہ شہرۂ آفاق کتاب سید عزت العطار کی مساعی اور محدث ناقد شیخ محمد زاہد کوثری کی تصحیح و تعلیقات کے ساتھ قاہرہ سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہو چکی ہے۔ واضح رہے یہ کتاب امام شافعیؒ کی تصنیفات سے نہیں ہے۔ یہ حافظ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ المتوفی ۴۵۸ھ کی تالیف ہے۔ موصوف نے احکام سے متعلقہ آیات کی تشریح و توضیح کو امام شافعیؒ کی تصانیف سے یکجا کرکے احکام القرآن کا نام دیدیا جو آج بھی اسی مناسبت کی وجہ سے احکام القرآن للامام الشافعی کے نام سے یاد کی جاتی ہے اس کے برعکس اُن کے ہمعصر حافظ یحییٰ بن آدم قرشی المتوفی ۲۰۳ھ نے اس موضوع پر دو کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ایک کا نام احکام القرآن ہے اور دوسری کتاب ایجاب التمسک باحکام القرآن کے نام سے موسوم ہے۔ لہٰذا اس باب میں بھی اوّلیت کا سہرہ حافظ یحییٰ بن آدم قرشی کے سر ہے[۳]۔ اُن کے بعد اس موضوع پر نامور ائمۂ فن نے نہایت عمدہ تصانیف یادگار چھوڑیں۔

ہندوستان میں احکام القرآن پر پہلی تصنیف

ہندوستان میں اس موضوع پر سب سے پہلے ملّا جیون احمد بن ابی سعید صالحی امیٹھوی المتوفی ۱۱۳۰ھ نے التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیۃ مع تعریفات المسائل الفقہیۃ تالیف کی جس میں قرآن مجید کی کم و بیش پانچ سو آیتوں کی تشریح و توضیح حنفی نقطۂ نگاہ سے

۱؎ غایۃ النہایہ از شمس الدین محمد جزری المتوفی ۸۳۳ھ۔ ج ۱ ص ۲۵۵۔ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء۔

۲؎ کتاب الفہرست ص ۵۷۔

۳؎ ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۵۷۔

کی ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ موصوف کی دورِ طالبعلمی کی تصنیف ہے۔ سب سے پہلے یہ کتاب حکیم عبدالمجید دھلوی کے فرزند حکیم عبدالماجد کی مساعی اور اہتمام سے کلکتہ میں اس طرح سے چھپی تھی کہ اس کا ایک ثلث مطبع طبی اور بقیہ دو ثلث مطبع اخوان الصفا محلہ مصری گنج کلکتہ میں ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء میں چھپ کر مکمل ہوا۔ یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۶۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ خاتمۂ کتاب میں ملّاجیون کا وہ بیان بھی طبع ہوا ہے جس میں موصوف نے آغاز سال تصنیف و تکمیل کو بیان کیا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے، لکھتے ہیں:

یقول الفقیر الی اللہ الغنی احمد المدعو جین (جیون) ابن ابی سعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن خاصۂ خدا الحنفی المکی قد شرعت فی تسوید تفسیر الآیات الشرعیۃ فی البلدۃ الطیبۃ امیٹھی حین قرأت الحسامی بسنۃ الف اربعۃ وستین فی سنی یومئذ ستۃ عشر سنۃ فرغت منہ سنۃ الف وتسعۃ وستین فی البلد المبارکۃ المذکورۃ حین قرأت شرح مطالع الانوار سنی یومئذ احد وعشرون سنۃ ثم بعد از منۃ قد صححتہ بالنظر الثانی حین الدرس فی بلدۃ امیٹھی سنۃ الف وخمس و سبعین وسنی یومئذ سبعۃ وعشرون سنۃ الحمد للہ علیٰ نوالہٖ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

فقیر الی اللہ الغنی احمد (جو جیون کے نام سے پکارا جاتا ہے) بن ابی سعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن خاصۂ خدا حنفی مکی عرض پرداز ہے کہ میں نے آیاتِ شریفہ کی تفسیر امیٹھ شہر میں لکھنا شروع کی تھی۔ یہ ۱۰۶۴ھ کا واقعہ ہے۔ جب میں حسامی پڑھتا تھا اور سولہ (۱۶) برس کا تھا۔ اور ۱۰۶۹ھ میں بلد مذکور میں اس سے فراغت پائی جس وقت میں شرح مطالع الانوار پڑھتا تھا کاروانِ عمر اس وقت اکیسویں (۲۱) منزل طے کر رہا تھا۔ پھر کچھ زمانہ کے بعد ۱۰۷۵ھ میں امیٹھ کے اندر درس کے زمانے میں نظر ثانی کر کے اس کی صحت کی اور اس وقت میں ستائیس سال کا تھا۔

والحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام
علیٰ رسولہ محمد وآلہٖ
واصحابہٖ اجمعین۔

اس کتاب کا اردو میں ترجمہ بھی مالک مطبع غوثیہ کلکتہ کے چھوٹے بھائی حاجی عبدالکریم خان خاکی الاپچی پوری نے کیا تھا جو کلکتہ سے دو (۲) مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ اس ترجمہ کا نام

مواہب الرام فی تفسیر الاحکام ۱۲۰۰ھ المعروف تفسیر فتح الکریم ہے۔ دوسری مرتبہ یہ ترجمہ ۱۳۱۹ھ میں مطبع غوثیہ کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ یہ بڑی تقطیع کے ۶۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

اجزائے قرآن پر تصانیف

اسی زمانے (دوسری صدی ہجری) میں اجزائے قرآن پر کام کا آغاز ہوا۔ اور اس فن پر پہلے قرا‌ء سبعہ میں سے امام ابو عمارہ حمزۃ بن حبیب کوفی المتوفی ۱۵۶ھ نے کتاب اسباع القرآن[۱] اور امام نافع بن عبدالرحمٰن مدنی المتوفی ۱۶۹ھ نے کتاب العواشر تصنیف کیں[۲]، اور محمد بن السائب کلبی نے کتاب تقسیم القران لکھی[۳]

وقف و ابتداء پر پہلی تصانیف

اسی طرح وقف و ابتداء کے موضوع پر کام کا آغاز بھی انہی ایام میں ہوا۔ چنانچہ حمزۃ بن حبیب نے کتاب الوقف والابتداء لکھی[۴]۔ اور وقف تام کے موضوع پر امام نافع بن عبدالرحمٰن نے کتاب وقف التمام تصنیف کی[۵]، پھر وقف و ابتداء کے موضوع پر امام کسائی کے استاد شیخ محمد بن علی الرواسی نے جن کو نحویانِ کوفہ کے مسلک پر کتاب لکھنے میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ اس فن پر دو چھوٹی بڑی کتابیں کتاب الوقف والابتداء الکبیر اور کتاب الوقف والابتداء الصغیر لکھیں[۶]۔ شیخ رواسی کی کتاب معانی القرآن کا چرچا تو ابن الندیم کے زمانے تک تھا[۷]۔ اور اُن کے بعد بہت سے علماء نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔

متشابہ آیات پر پہلی تصنیف

دوسری صدی ہجری میں امام ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی المتوفی ۱۸۹ھ نے جو قرا‌ء سبعہ میں ساتویں امام ہیں، سب سے پہلے متشابہ آیتوں پر کام کرنے کی طرح ڈالی۔ اور اس موضوع پر کتاب علم آیات المتشابہات یادگار چھوڑی۔ اس کا ذکر سیوطیؒ نے کتاب الاتقان میں بھی کیا ہے۔

فرقِ باطلہ کی تردید میں پہلی تصانیف

دوسری صدی ہجری میں محدث حرم حافظ ابو محمد سفیان بن عیینہ کوفی المتوفی ۱۹۸ھ

---

۱ کتاب الفہرست ص ۵۵۔
۲ ؍؍ ؍؍ ص ۵۶۔
۳ ؍؍ ؍؍ ص ۱۴۰۔
۴ ؍؍ ؍؍ ص ۵۴۔
۵ کتاب الفہرست ص ۵۴۔
۶ کتاب معجم الادباء۔ ج ۷ ص ۴۲۔
۷ کتاب الفہرست ص ۹۶۔

نے جن سے ارباب صحاح نے روایت کی ہے غالباً سب سے پہلے فرق باطلہ کی تردید میں قلم اٹھایا، اور کتاب جوابات القرآن تصنیف[1] کی پھر اس موضوع پر علامہ قطرب ابو علی محمد بن المستنیر المتوفی ۲۰۶ھ نے کتاب لکھی جس کا نام فیما سئل عنہ الملحدون من آی القرآن[2] ہے۔

اُن کے بعد اس موضوع پر عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری المتوفی ۲۶۷ھ نے تاویل مشکل القرآن لکھی۔ جس میں آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں فرق باطلہ کی خوب تردید کی ہے۔ یہ کتاب سید احمد صقر کی تصحیح اور تعلیقات کے ساتھ ۱۳۷۳ھ میں قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔

اعراب و معانیِ قرآن پر پہلی تصنیف

دوسری صدی ہجری میں قرآن مجید کے اعراب و معانی پر سب سے پہلے ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ المتوفی ۲۱۰ھ نے کتاب لکھی۔ اس موضوع پر سب سے جامع کتاب ابو عبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابو بکر احمد بن علی بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد میں رقمطراز ہیں:

ان اول من صنف فی ذلک من اہل اللغۃ ابو عبیدۃ معمر بن المثنی ثم قطرب بن المستنیر ثم الاخفش وصنف من الکوفیین الکسائی ثم الفراء فجمع ابو عبید کتبہم وجاد فیہ الآثار و اسانیدہا وتفاسیر الصحابۃ والتابعین والفقہاء[3]	سب سے پہلے معانی قرآن پر اہل لغت میں ابو عبیدہ نے کتاب تصنیف کی پھر قطرب بن مستنیر اور پھر اخفش نے کتابیں لکھیں، اور کوفیوں میں سے کسائی نے لکھی اور پھر فرا نے کتاب تالیف کی اور ابو عبید نے اُن کی کتابوں کو جمع کر دیا اور اس میں آثار اور اُن کی سندیں صحابہ، تابعین اور فقہاء کی تفسیروں کو اچھی طرح سے بیان کیا ہے۔

اسی موضوع پر ابو عبد الرحمٰن یونس ضبی[4] المتوفی ۱۸۲ھ اور شیخ علی رواسی[5] نے بھی کتابیں لکھی تھیں۔

---

[1] کتاب الفہرست ص ۵۲۔
[2] " " ص ۵۷ و ۹ے۔
[3] تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۰۵۔
[4] کتاب الفہرست ص ۶۳۔
[5] " " ص ۵۱۔

معانیِ قرآن کا لفظ قدماء کی اصطلاح میں اعراب مجاز اصطلاحی تاویل لفظ غریب کی تشریح اور تفسیر سب کو شامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابو عبیدہ معمر بن المثنی المتوفی ۲۰۹ھ کی کتاب مجاز القرآن کے متعلق سیوطیؒ نے بغیۃ الوعاۃ[1] میں تصریح کی ہے کہ وہ غریب القرآن میں ہے۔ اور زجاج نحوی علامہ ابو اسحاق ابراہیم سری المتوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر قرآن معانی القرآن سے بھی موسوم ہے[2]۔ ابو عبیدہ کی کتاب مجاز القرآن کی جلد اوّل ۱۳۷۴ھ میں قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے امام لغت فراء کی کتاب معانی القرآن کی پہلی جلد دار الکتب المصریہ قاہرہ سے ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء میں شائع ہوگئی ہے۔

اسی موضوع پر علامہ حسین بن احمد المعروف بابن خالویہ المتوفی ۳۷۰ھ کی کتاب اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن العظیم بھی دار الکتب المصریۃ قاہرہ سے ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء میں شائع ہو چکی ہے۔

مصادر القرآن پر پہلی تصنیف

دوسری صدی ہجری کے اختتام پر یا تیسری صدی ہجری کے اوائل میں قرآن مجید کے مصادر اور جمع و تثنیہ پر کام کا آغاز ہوا۔ اور سب سے پہلے اس موضوع پر امیر المؤمنین فی النحو یحیٰی بن زیاد فراء المتوفی ۲۰۷ھ نے کتاب الجمع والتثنیۃ فی القرآن اور کتاب المصادر فی القرآن[3] کے نام سے دو جداگانہ کتابیں تصنیف کیں۔

لغات القرآن پر پہلی تصانیف

اسی زمانہ میں علامہ ہیثم بن عدی طائی کوفی المتوفی ۲۰۷ھ اور استاد سیبویہ ابو زید سعید بن زید انصاری[4] المتوفی ۲۱۵ھ نے لغات القرآن لکھیں۔ لغات لغت کی جمع ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں ڈکشنری کے معنی میں نہیں آتا بلکہ بولی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قدماء کے یہاں جو کتابیں اس نام سے موسوم ہیں اُن کا موضوع قبائلِ عرب کے ان الفاظ سے بحث کرنا ہے جنھیں قرآن مجید نے استعمال کیا ہے۔ معنی الفاظ کے لئے عربی میں مفردات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اسمائے منافقین پر پہلی تصنیف

تیسری صدی ہجری میں ابو الحسن علی بن محمد المدائنی المتوفی ۲۲۴ھ نے ایک نئے موضوع پر کام کیا اور منافقین

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۹۵

[2] کشف الظنون۔ ج ۱، کالم نمبر ۴۴۸۔

[3] کتاب الفہرست ص ۱۰۰۔

[4] " " ص ۵۳۔

اور آیاتِ قرآنی کا مذاق اڑانے والوں کے ناموں پر کتابیں لکھیں جو کتاب تسمیۃ المنافقین و من نزل القرآن فیہ منہم و من غیرہم اور کتاب تسمیۃ الذین یؤذون النبی صلی اللہ علیہ وسلم و تسمیۃ المستہزئین الذین جعلوا القرآن عضین[1] ہے۔

اقسام القرآن پر پہلی تصنیف

اسی تیسری صدی ہجری میں امام کسائی کے نامور شاگرد عبد اللہ بن احمد المعروف بابن ذکوان المتوفی ۲۴۲ھ نے سب سے پہلے قرآن مجید کی قسموں اور ان کے جوابات پر کتاب تصنیف کی، جس کا نام اقسام القرآن وجوابہا ہے[2]۔

ہندوستان میں اس موضوع پر پہلی تصنیف

ہندوستان میں اس موضوع پر مولانا حمید الدین فراہی نے الامعان فی اقسام القرآن لکھی تھی، جو عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے۔

دیگر علوم قرآنی پر پہلی تصانیف

امام قراءت ابو عمر حفص بن عمر دوری المتوفی ۲۴۶ھ نے سب سے پہلے "ما اتفقت الفاظہ و معانیہ من القرآن" لکھی[3]۔

ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ المتوفی ۲۵۵ھ نے قرآن مجید کے نظم و ترتیب اور اعجاز پر کتاب نظم القرآن تصنیف کی اور دوسری کتاب مسائل القرآن لکھی[4]۔

امام ابن ماجہ کے شیخ اور عالم بصرہ حافظ ابو زید عمر بن شبہ نمری المتوفی ۲۶۲ھ نے کتاب ما یستعجم الناس فیہ من القرآن تصنیف کی[5]۔

علامہ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری المتوفی ۲۶۷ھ نے آداب القراۃ تصنیف کی[6]۔

امام لغت ابو العباس محمد بن یزید المبرد المتوفی ۲۸۵ھ نے "ما اتفقت الفاظہ و اختلفت معانیہ من القرآن" لکھی[7]۔

سجود القرآن پر پہلی تصنیف

مشہور حافظ الحدیث ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الحربی المتوفی ۲۸۵ھ نے غالباً سب سے پہلے قرآن مجید کے

---

[1] کتاب الفہرست ص ۱۴۷۔
[2] غایۃ النہایہ ج ۱، ص ۴۰۵۔
[3] کتاب الفہرست ص ۵۵۔
[4] 〃 〃 ص ۵۷۔
[5] کتاب الفہرست ص ۱۶۳۔
[6] کشف الظنون۔ ج ۱۔ کالم نمبر ۴۳۔
[7] کتاب الفہرست۔ ص ۵۵۔

سجدوں پر کتاب تصنیف کی جس کا نام سجود القرآن ہے[۱]

ضمائر القرآن پر پہلی تصنیف امامِ لغت ابو علی احمد بن جعفر دینوری المتوفی ۲۸۹ھ نے سب سے پہلے ضمائر القرآن پر کتاب لکھی۔ یہ کتاب فراء کی معانی القرآن سے ماخوذ ہے۔ شیخ ابو بکر محمد بن الحسن الزبیدی المتوفی ۳۷۹ھ کتاب طبقات النحویین واللغویین میں رقمطراز ہیں:

لہ کتاب مختصر فی ضمائر القرآن استخرجہ من کتاب المعانی للفراء۔[۲]	موصوف کا ضمائر القرآن میں ایک مختصر رسالہ ہے جو فراء کی کتاب المعانی سے ماخوذ ہے۔

اعجاز القرآن پر پہلی تصنیف تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر مشہور نحوی محمد بن یزید الواسطی المتوفی ۳۰۶ھ نے سب سے پہلے قرآن مجید کے اعجاز پر کتاب تصنیف کی جو اعجاز القرآن فی نظمہ کے نام سے مشہور ہے[۳]

علومِ قرآن

غرض تیسری صدی ہجری میں قرآن مجید کے مختلف علوم و فنون پر بکثرت کتابیں لکھی گئیں، اور پھر عہد بعہد اس میں ترقی ہوتی گئی۔ اگرچہ قدماء کی اکثر تصانیف آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اُن کے بعد قریب تر زمانہ میں لکھی گئیں۔ ان تصانیف کا بہت کچھ سرمایہ ان میں موجود ہے۔

تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل کی بعض کتابوں کے ناموں اور تذکرہ نگاروں کی اس تصریح سے کہ یہ علومِ قرآن میں ہیں اس حقیقت کا سراغ ملتا ہے کہ علومِ قرآن غالباً یکجا بحث کا آغاز اسی زمانہ میں ہوا تھا۔ گو وہ اتنے وسیع پیمانے پر نہ ہوا ہو جیسا کہ زرکشی کی کتاب البرہان اور سیوطی کی کتاب الاتقان میں ہمیں نظر آتا ہے۔ لیکن علومِ قرآن کے موضوع اور مباحث پر یکجا بحث کے آغاز کی داغ بیل اسی زمانے میں پڑ چکی تھی غالباً سب سے پہلے علامہ ابو بکر محمد بن خلف المحولی[۴] المتوفی ۳۰۹ھ نے علومِ قرآن پر ۲۷ جزوں میں

---

[۱] کشف الظنون، ج ۲ کالم نمبر ۱۴۲۴۔ [۳] کتاب الفہرست ص ۵۷

[۲] کتاب طبقات النحویین واللغویین ص ۲۳۴ طبع قاہرہ ۱۹۵۴ء۔ [۴] معجم الادباء ج ۷، ص ۱۰۵

کتاب لکھی جو الحاوی فی علوم القرآن کے نام سے موسوم ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں نامور حافظ الحدیث محمد بن اسحاق صاغانی کے شاگرد اور محمد بن فارس لغوی کے استاد حافظ احمد بن جعفر المعروف بابن المنادی المتوفی ۳۳۶ھ نے علوم قرآن پر قلم اٹھایا اور قرآن مجید کے گوناگوں علوم پر کم و بیش چار سو مستقل کتابیں لکھیں اور ان میں ایسی نادر اور مفید معلومات جمع کیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔ مشہور مؤرخ عبدالرحمٰن بن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ کتاب المنتظم فی تاریخ الامم میں رقمطراز ہیں:

نقلت من خط ابی یوسف القزوینی قال ابوالحسین بن المنادی من القراء المجودین واصحاب الحدیث الکبار ولہٗ فی علوم القرآن اربعمائۃ کتاب ونیف واربعون کتابا اعرف منہا احد و عشرون کتاباً او دونہا وسمعت بالباقی ..... قال مؤلف الکتاب وقد وقع الیّ من مصنفاتہ قطعۃ بخطہ وفیہا من الفوائد مالایکاد یوجد فی کتاب[۱]۔	میں نے ابو یوسف قزوینی کے نوشتہ سے نقل کیا ہو کہ اُن کا بیان ہے کہ ابوالحسین بن المنادی جو بہنایت جید قاریوں اور بلند پایہ محدثین میں سے تھے، انھوں نے علوم قرآن پر چار سو چالیس سے اوپر کتابیں لکھی تھیں کم و بیش اکیس[۲۱] کتابوں سے تو میں واقف ہوں، باقی کے متعلق میں نے سُنا ہے..... مؤلف کتاب (ابن الجوزی) کہتا ہو اُن کی تصانیف میں سے اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے چند ٹکڑے میری نظر سے گذرے اُن میں ایسے فوائد مجھے ملے جو قریب قریب دوسری کتابوں میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

کاش ابن الجوزیؒ کو موصوف کی کتابیں مل جائیں تو علوم قرآن پر کام کی نوعیت ہی کچھ اور ہوتی۔ اور علامہ زرکشیؒ کے قلم سے یہ الفاظ نہ نکلتے:

لما کانت علوم القرآن لاتنحصر و معانیہ لاتستقصی وجبت العنایۃ بالقدر الممکن ومما فات المتقدمین وضع کتاب یشتمل علی انواع علومہ کما وضع الناس	چونکہ علوم قرآن خارج از شمار ہیں اور اس کے معانی بھی شمار سے باہر ہیں اس لئے ان میں سے جتنا ہو سکے اس پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ متقدمین ہیں سے جو امور انجام دینے سے رہ گئے

[۱] کتاب المنتظم، ج ۶، ص ۳۵۸، حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ۔

ذٰلک بالنسبۃ الی علم الحدیث۔	منجملہ اُن کے ایک یہ امر بھی ہے کہ انھوں نے

انواعِ علومِ قرآن پر کوئی کتاب تالیف نہیں کی جس طرح علماء نے فن حدیث کے مصطلحات پر کیں۔

اور سیوطیؒ بھی یہ نہ لکھتے :

ولقد کنت فی زمان الطلب اتعجب من المتقدمین اذلم یدوّنوا کتاباً فی انواع علوم القرآن کما وضعوا ذٰلک بالنسبۃ الی علم الحدیث۔	میں زمانۂ طالب علمی سے متقدمین کی اس بات پر بڑا تعجب کرتا تھا کہ انھوں نے علوم قرآن پر کوئی کتاب مرتب نہیں کی جس طرح سے کہ انھوں نے علم حدیث کے متعلق کتابیں لکھیں۔

ابن المنادی نے قرآن کے علوم پر جتنی کتابیں لکھی ہیں اگر علومِ قرآن کی ہر نوع پر چار چار کتابیں بھی فرض کرلی جائیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ چوتھی صدی ہجری میں علومِ قرآن کی کم ازکم سو اصناف پر تنہا ابن المنادی نے وہ کام کردیا جو پھر نہ ہوسکا۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اصولِ حدیث کا فن زیادہ وسیع نہیں، یہ ایک مختصر فن ہے۔ قرآن مجید مخزنِ علوم ومعارف ہے۔ اس کے علوم بھی بے پایاں ہیں، اسکے اہم علوم کی تعداد بھی کچھ کم نہیں، پھر اُن کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہے۔ ان علوم میں ایسا اختصار جیسا علومِ حدیث میں ممکن ہے اگرنا ممکن نہیں تو دشوار تر ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متاخرین میں سے زرکشی اور سیوطی نے علومِ قرآن کو سمیٹنے کی بڑی سعی کی ہے تاہم وہ بھی ان علوم کو دو جلدوں سے کم میں نہیں سمیٹ سکے۔

پانچویں صدی ہجری میں ابو نصر محمد بن احمد بن علی المروزی الحنفی المتوفی ۴۸۴ھ نے اس موضوع پر دو کتابیں التذکرہ لاہل التبصرہ اور المعوّل لکھیں۔ ان دونوں کتابوں کے متعلق حافظ عبدالکریم سمعانی نے کتاب المذیل میں تصریح کی ہے کہ یہ علوم قرآن میں ہیں[۲]۔ آج یہ نہیں ملتیں اس لئے نہیں بتایا جاسکتا کہ ان کتابوں میں کون کون سے اہم مباحث اور علوم سے بحث کی گئی ہے۔

انہی ایام میں امامِ لغت راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ نے اپنی تفسیر کا ایک مقدمہ لکھا اس میں بھی علومِ قرآن سے بحث کی ہے جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت مفید معلومات پر

---

[۱] البرہان، ج ۱ ص ۹۔ [۲] کتاب المذیل بحوالۂ معجم الادباء ج ۶ ص ۳۳۹۔

مشتمل ہے، اور مقدمۃ التفسیر کے نام سے تنزیہ القرآن عن المطاعن کے ساتھ قاہرہ سے شائع ہوچکا ہے اور اب کراچی سے مفردات القرآن للراغب کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

چھٹی صدی ہجری میں نامور مفسر علامہ ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے جن کا شمار حفاظ حدیث میں ہے علوم قرآن پر فنون الافنان فی علوم القرآن تصنیف کی اس کتاب کا فوٹو سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی میں موجود ہے اور ہماری نظر سے گذر چکا ہے بظاہر یہ فوٹو کامل نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن جتنا یہاں موجود ہے وہ بھی دو سو صفحات سے کم نہیں ہے۔

اس کتاب میں بلاشبہ وہ تنوع اور جامعیت نہیں ہے جو علامہ زرکشی کی کتاب البرہان اور محدث سیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن میں ہے، لیکن اس کی خوبی کیا کم ہے کہ اس میں اختصار کے باوجود بعض اہم مباحث کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب الافنان کی تالیف کے زمانہ میں علامہ ابن جوزی کے پیش نظر مذکورہ بالا کتابوں میں سے کوئی کتاب نہ تھی۔

جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ انھوں نے قدما، کی اس موضوع پر مذکورہ بالا کتابوں میں سے کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا، اور نہ محدث موصوف نے اس امر کا کہیں دعویٰ کیا ہے کہ علوم قرآن پر یہ پہلی کتاب ہے، جس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو قدما کے اس موضوع پر کارناموں کا علم تھا، مگر اُن کی کتابیں نظر سے نہیں گذری تھیں لہٰذا ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

علوم قرآن پر قدما کے کارناموں سے اگر صرف نظر کر لی جائے تو بلاشبہ ابن الجوزی رح کو اس فن کا جامع اوّل کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ فنون الافنان میں کسی اور فن سے بحث نہیں ہے۔ اس کا موضوع علوم قرآن ہیں، اور یہ کتاب اسلامی کتب خانوں میں محفوظ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ پانچویں صدی ہجری تک اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہوئی۔ اس کے وجوہ و اسباب میں سے دو نہایت اہم سبب حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قدما کے دور میں علوم قرآن کی ہر نوع پر جداگانہ کتابیں لکھی گئی تھیں۔ اس لئے بلاشبہ قرآن کے ہر موضوع پہ بڑا کام ہوا اور فن کمال کو پہنچا۔ لیکن یکجا بحث کے اعتبار سے جیسی ترقی درکار تھی وہ نہیں ہوئی۔ کیوں کہ قدما نے جب یکجا بحث کا آغاز کیا تو محض اشاروں کنایوں پر اکتفا کیا اور تفصیل سے گریز کیا۔

(۲) متقدمین میں سے جن علماء نے علوم قرآن پر بحث کی اور مباحث کو یکجا کیا ان میں سے ایک کو دوسرے کی کتاب نہیں ملی یہی امر بظاہر متاخرین علماء کی غلط فہمی کا باعث بنا اور انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ علوم قرآن پر من حیث المجموع کام نہیں ہوا۔

متاخرین علماء نے متقدمین کی انواع علوم پر مستقل تصانیف سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ مجمل مقامات پر تفصیل اور تفصیل کی جگہ اختصار سے کام لیا۔ اور ہر موضوع پر منتشر اور مفید معلومات کا جو اضافہ کیا اس سے ہر نوع میں توسّع اور تنوع پیدا ہوگیا۔ اور متاخرین کے دور میں یہ فن بحیثیت کے اعتبار سے بھی درجۂ کمال کو پہنچ گیا۔

سیوطیؒ کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب کہ علوم قرآن پر بڑا کام ہو چکا تھا۔ مفصل اور مختصر متعدد کتابیں مرتب ہو چکی تھیں، لہٰذا اس فن پر معلومات کا سرمایہ ان کو مِل گیا، اور وہ فرطِ جوش میں اتقان اور افنان کو دریا اور قطرہ سے تشبیہ دے گئے جو مبالغہ سے خالی نہیں۔

ساتویں صدی ہجری میں حافظ العصر شہاب الدین ابو شامہ عبد الرحمٰن مقدسی المتوفی ۶۶۵ھ نے علوم قرآن پر کتاب تالیف کی جس کا نام المرشد الوجیز فی علوم القرآن العزیز ہے۔ اس کا مخطوطہ مکتبہ البدیریہ (بیت المقدس) میں محفوظ ہے۔ نیز اسکوریال کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے[1]

کتاب البرہان کی تالیف کے زمانہ میں محدّث زرکشی کے پیش نظر ابن الجوزیؒ کی کتاب الافنان اور حافظ ابو شامہ کی کتاب الوجیز دونوں رہی ہیں۔ لیکن موصوف نے ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ غالباً اسی وجہ سے سیوطیؒ نے بھی اُن کو اہمیت نہیں دی۔

آٹھویں صدی ہجری میں علّامہ بدر الدین زرکشی المتوفی ۷۹۴ھ نے البرہان فی علوم القرآن نامی کتاب لکھی، اور ۴۷ انواعِ علوم قرآن سے اس میں بحث کی۔ یہ کتاب اس موضوع پر نہایت کامیاب تالیف ہے۔ اور سیوطیؒ کی کتاب الاتقان فی علوم القرآن کی اساس اور بنیاد یہی کتاب ہے جو چار ضخیم جلدوں میں قاہرہ سے شائع ہوگئی ہے۔

نویں صدی ہجری میں جلال الدین عبد الرحمٰن بلقینی شافعی المتوفی ۸۲۴ھ نے قرآن مجید کے علوم پر مواقع العلوم من مواقع النجوم لکھی۔

---

[1] فہرست مخطوطات مکتبہ اسکوریال طبع پیرس ۱۹۲۵ء۔

پھر اس موضوع پر محی الدین محمد بن سلیمان کافیجی حنفی المتوفی ۸۵۶ھ نے التیسیر فی علم التفسیر لکھی۔ ۸۷۲ھ میں سیوطیؒ نے اپنی مبسوط تفسیر مجمع البحرین ومطلع البدرین کا مقدمہ لکھا جس میں علوم قرآن سے بحث کی اور اسی کا نام التحبیر فی علوم التفسیر رکھا۔ اس میں موصوف نے قرآن مجید کے ایک سو دو علوم پر تبصرہ کیا ہے۔ اس کتاب کی اصل اور بنیاد علامہ بلقینی کی کتاب مواقع العلوم ہے۔ اس کے دو مخطوطے جامع ازھر (قاہرہ) کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں[1]۔

اس کتاب کی تالیف کے بعد سیوطیؒ کو جب علامہ زرکشی کی کتاب البرہان کا علم ہوا اور وہ کتاب ان کو مل گئی تو موصوف نے اس کو سامنے رکھ کر از سر نو مجمع البحرین کا مقدمہ لکھنا شروع کیا جو ۸۷۸ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا یہی مقدمہ الاتقان فی علوم القرآن کے نام سے عالم میں مشہور ہے۔

علوم قرآن پر علامہ بدر الدین زرکشیؒ کی کتاب البرہان ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی جامعیت، افادیت، اہمیت اور عظمت کو سیوطیؒ نے تسلیم کیا ہے۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں:

الاتقان فی علوم القرآن . . . . . . للشیخ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ وھو اشبہ آثارہ وافیدھا ذکر فیہ تصنیف شیخہ الکافیجی واستصغرہ ومواقع العلوم للبلقینی واستقلہ ثم انہ وجد البرہان للزرکشی کتابا جامعا بعد تصنیفہ التحبیر فاستانف زاد علیہ الی ثمانین نوعاً وجعلہ مقدمۃ لتفسیرہ الکبیر الذی شرع فیہ وسماہ مجمع البحرین[2]۔	اتقان فی علوم القرآن . . . . شیخ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی تالیف ہے۔ اور ان کے کارناموں میں زیادہ نمایاں اور سب سے زیادہ مفید کتاب ہے۔ اس میں اپنے شیخ کافیجی کی کتاب کا ذکر کیا ہے اور اس کو بہت کمتر سمجھا ہے۔ شیخ بلقینی کی کتاب مواقع العلوم کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کو بھی کمتر گردانا ہے[3]۔ موصوف کو التحبیر کی تالیف کے بعد زرکشی کی جامع کتاب ملی تو از سر نو کتاب لکھنا شروع کی اور اس پر اتنا اضافہ کیا کہ انواع علوم

کی تعداد اسّی تک پہنچ گئی اور اس کو اپنی عظیم الشان تفسیر جس کو شروع کر رکھا تھا اور جو مجمع البحرین کے نام سے موسوم ہے، کا مقدمہ بنا دیا۔

---

[1] فہرس المکتبۃ الازہریۃ ج ۱ ص ۱۶۸۔ طبع ۱۳۷۱ھ۔

[2] حاجی خلیفہ کا یہ کہنا کہ موصوف نے مواقع العلوم کو بھی کمتر تالیف گردانا ہے سیوطیؒ کی تصریح کے خلاف ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

رأیتہ تالیفاً لطیفاً ومجموعاً طریفاً ذا ترتیب وتقریر	اس کو میں نے دیکھا یہ اس موضوع پر قابل قدر

(باقی بر صفحہ ۸۴)

[3] یہ حاشیہ صفحہ ۸۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سیوطیؒ نے زرکشی کی کتاب البرہان کو نہایت خوش اسلوبی سے الاتقان میں سمیٹ لیا ہے۔

حاجی خلیفہ کا بیان ہے:۔

والسیوطی ادرجہ فی اتقانہ۔ | اور سیوطیؒ نے اس کو اتقان میں درج کر دیا ہے

سیوطیؒ کا علمی دنیا پر یہ احسان ہمیشہ یادگار رہے گا کہ اس نے زرکشیؒ کی گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی کتاب کو الاتقان میں ذکر کر کے علمی دنیا کو اس سے روشناس کرایا اور اس کو ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بنا دیا۔ اس حقیقت کا اعتراف کتاب البرہان کے مرتّب محمد ابو الفضل ابراہیم نے حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

ہذا الکتاب لم یکن معروفاً عند الباحثین ولا متداولاً بین الطلّاب والدارسین، عدا قلۃ من المشغوفین بمعرفۃ النوادر وروّاد المکتبات .... حتیٰ جاء جلال الدین السیوطی ووضع کتابہ الاتقان فدلّ الناس فی مقدمتہ علیہ واشادبہ وعدّہ اصلاً من الاصول التی بنیٰ علیہا کتابہ وتأسّی طریقتہ وتقیّل مذہبہ وسار فی الدرب الذی رسمہ ونقل کثیراً من فصولہ مرۃ معزوۃ الیہ ومرّۃ بدون عزْو وان کان فیما نقل عنہ اقتضب الکلام اقتضاباً واختصرہ اختصاراً وبہذا ظفر کتاب الاتقان بمنزلۃ مرموقۃ عند العلماء د	یہ کتاب بحث کرنے والوں میں معروف نہ تھی اور اساتذہ اور طلبہ میں متداول نہ تھی بجز چند شائقین نوادر اور متلاشیانِ کتب کے کوئی اس سے واقف نہ تھا .... تا آنکہ جلال الدین سیوطی آئے اور انھوں نے الاتقان لکھی۔ اس کے مقدمہ میں لوگوں کو اس کی طرف رہنمائی کی۔ اور اس کی تعریف کر کے مشہور کر دیا۔ اور ان بنیادی کتابوں میں سے ہے جن پر اپنی کتاب کی بنیاد رکھی اور اس کو اصل الاصول بنایا۔ اسی کے طریقہ کی اقتداء کی، اسی کے طرز روش کو اختیار کیا اور اسی موضوع پر کام کیا جس کو اس نے قلمبند کیا تھا۔ اور اس کی بہت سی فصلیں کبھی بحوالہ اور کبھی بلا حوالہ درج کتاب کیں

(بقیہ حاشیہ ص ۸۳)

وتنویع وتحبیر (الاتقان۔ ج ۱ ص ۳، طبع مصر سنہ ۱۳۱۷ھ) | اور عمدہ تالیف تھی۔ اسلوب بیان، تقسیمِ ابواب، اور ترتیب مضامین سب خوب تھا۔

۳؎ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون۔ ج ۱ کالم نمبر ۸۔

فدا مرجعا للباحثین حقبۃ من الزمان	گو اس سے جو کلام نقل کیا وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے
وظل کتاب البرہان متواریاً عن العیان	نقل کیا ہے اور مختصر کر کے لکھا ہے۔ اس وجہ سے
مطموراً فی زوایا النسیان[۱]	کتاب الاتقان کو یہ کامیابی نصیب ہوئی کہ وہ

علماء کی منظور نظر بن گئی۔ اور ایک زمانہ تک اہل تحقیق کا مرجع بنی رہی۔ اور کتاب البرہان نظروں سے اوجھل رہی اور گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی۔

سیوطیؒ نے کتاب الاتقان میں زرکشی کی کتاب پر ۳۳ انواع علوم کا اضافہ کیا۔ اور اس طرح قرآن مجید کے اسّی علوم سے بحث کی، اور اس امر کی صراحت بھی کر دی کہ انواعِ علوم کو بعض اصناف کے ضمن میں ذکر کر کے اختصار سے کام لیا۔ اگر ہر نوع پر جداگانہ بحث کی جاتی تو انواعِ علوم کی تعداد تین سو سے متجاوز ہو جاتی، فرماتے ہیں:

فہذہ ثمانون نوعاً علی سبیل الادماج	کئی کئی نوعوں کو یکجا بیان کیا ہے تو یہ اسّی
ولو نوعتہ باعتبار ما ادمجتہ فی ضمنہا	انواع ہوئیں۔ اور اگر ہر نوع کو جدا جدا بیان کیا جاتا
لزادت علی الثلاثمائۃ[۲]	تو تین سو سے زیادہ نوعیں بن جاتیں۔

سیوطیؒ نے جن اسّی انواعِ علوم کا الاتقان میں تذکرہ کیا ہے اُن کے متعلق بھی اہل نظر کی رائے یہ ہے کہ بعض ایسی انواعِ علوم کو جن کا تعلق براہِ راست علوم قرآن سے نہیں ہے سیوطیؒ نے ان کو بھی انواعِ علوم قرآن سے شمار کیا ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

علم الایجاز والاطناب ذکرہ من فروع	علم ایجاز و اطناب کو موصوف نے علم تفسیر کے
علم التفسیر ولا یخفی انہ من مباحث علم	فروع میں ذکر کیا ہے اور یہ امر مخفی نہیں کہ یہ
البلاغۃ فلا وجہ بجعلہ فرعاً من فروع	مباحث علم بلاغت میں سے ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ
علم التفسیر الا انہ التزم تسمیۃ ما اوردہ	نہیں ہے کہ اس کو علم تفسیر کے فروع میں سے
السیوطی فی اتقانہ من الانواع علماً۔	قرار دیا جائے مگر سیوطیؒ نے اس امر کا التزام

کر لیا ہے کہ اتقان میں جتنی انواع کو بیان کیا ان میں سے ہر ایک کو ایک علم کے نام سے موسوم کیا گیا۔

ان تمام باتوں کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سیوطیؒ کی الاتقان ہر اعتبار سے زرکشی کی البرہان فی علوم القرآن سے جامع تر، مفید تر اور مقبول تر کتاب ہی

---

[۱] مقدمۂ کتاب البرہان فی علوم القرآن ص ۱۳، طبع قاہرہ ۱۳۷۶ھ [۲] الاتقان ج ۱، ص ۷۔

نہیں ہے بلکہ علوم قرآن کا دائرۃ المعارف ہے۔ مؤلف کتاب سے بہتر کس کی رائے ہو سکتی ہے؟

تصنیف را مصنف نیکو کند بیان،

سیوطیؒ فرماتے ہیں:

لما وقفت علی ھذا الکتاب ازددت به سرورا و حمدت اللہ کثیرا و قوی العزم علی ابراز ما اضمرته و شددت الحزم فی انشاء التصنیف الذی قصدته فوضعت ہذا الکتاب العلی الشان الجلی البرہان الکثیر الفوائد والاتقان و رتبت انواعه ترتیبا انسب من ترتیب البرہان وادمجت بعض الانواع فی بعض و فصلت ما حقه ان یبان وزدته علی ما فیه من الفوائد والفرائد والقواعد والشوارد ما تنشف الاذان وسمیته بالاتقان فی علوم القرآن۔

جب میں نے اس کتاب کو دیکھ لیا تو مجھے کمال مسرت ہوئی اور میں نے خدا کا بڑا شکر ادا کیا۔ میرا عزم ان خیالات کے اظہار پر اور پختہ ہو گیا جو میرے دل و دماغ میں موجود تھے۔ اور جس کتاب کی تیاری کا خیال میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا اس کو نہایت احتیاط کے ساتھ مرتب کرنے میں مصروف ہو گیا۔ آخر کار میں نے یہ بلند مرتبت اور عظیم الشان کتاب تیار کی جو بڑے فوائد کی حامل اور ٹھوس کتاب ہے۔ میں نے اس کے انواع کی ترتیب کتاب البرہان سے زیادہ عمدہ طریقہ پر کی ہے اور بعض انواع کو بعض کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ اور جو وضاحت طلب تھیں ان کو جداگانہ اور مستقل نوع بنا دیا اور اس میں اصول، فوائد اور بیش بہا منتشر معلومات کو جمع کر کے چار چاند لگائے اور اس کا نام الاتقان فی علوم القرآن رکھا۔

سیوطیؒ نے الاتقان میں سینکڑوں منتشر اہم، مفید اور نادر معلومات جمع کی ہیں جن سے کتاب البرہان یکسر خالی ہے۔ البرہان فی علوم القرآن قاہرہ سے چار ضخیم جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہے، ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دونوں کتابیں اتحاد موضوع کے باوجود باہم کس قدر مختلف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اتقان جس کی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اپنی افادیت اور جامعیت کی وجہ سے ہر دور میں مقبول رہی ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جو مصنف کثرت سے کتابیں لکھتے ہیں ان سے غلطیاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ کیونکہ لکھنے کے بعد اس کے دیکھنے کی انھیں فرصت نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ سیوطیؒ کے یہاں بھی بعض نہایت فاحش غلطیاں نظر آتی ہیں۔ الاتقان

بھی اس قسم کی غلطیوں سے خالی نہیں۔ شیخ محمد زاہد کوثری مقدمہ ذیل طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں:

الاتقان فی علوم القرآن۔ وجلہ من البرہان للبدر الزرکشی وھذا کتاب جلیل جداً الا ان السیوطی اغفل مواطن الفائدۃ منہ وتابعہ فی اوہامہ الظاہرۃ کقولہ فی اسباب النزول ان عثمان بن مظعون شرب الخمر فی عہد عمر الخ مع انہ ممن حرم الخمر علی نفسہ فی الجاہلیۃ والاسلام ومات قبل التحریم فی اول الہجرۃ بالمدینۃ وہو اول من دفن فیہا من المسلمین وکل ذلک فی غایۃ الشہرۃ[1] بل الذی شرب ہو قدامۃ بن مظعون الی غیر ذلک سوی مالہ من الاوہام فیہ وغیر ما حشدہ فیہ من الاخبار من غیر تمحیص مما یتمسک بہ خصوم الکتاب الکریم[2]

الاتقان فی علوم القرآن۔ وہ تمام تر بدرالدین زرکشی کی کتاب البرہان سے ماخوذ ہے۔ اور یہ اس موضوع پر جلیل القدر کتاب ہے۔ مگر سیوطیؒ نے اس کے مفید تر مقامات کو نظر انداز کر دیا ہے اور کھلی کھلی غلطیوں میں بھی اُن کی اتباع کر گئے ہیں جیسے اسباب النزول کی بحث میں یہ بات نقل کرنا کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی میں شراب پی۔ باوجودیکہ حضرت عثمان بن مظعون ان لوگوں میں سے تھے جو زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں اپنے اوپر شراب حرام کئے ہوئے تھے۔ نیز ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو شراب کی حرمت سے پہلے وفات پا چکے تھے اور وہ پہلے مسلمان تھے جو مدینہ میں دفن ہوئے تھے۔ یہ تمام باتیں نہایت مشہور ہیں۔ جس نے شراب پی تھی وہ حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی غلطیاں ہیں۔ بہت سی ایسی روایات بغیر تحقیق اس میں بھر دی ہیں جن سے دشمنانِ قرآن استدلال کرتے ہیں

---

[1] تعجب ہے محمد ابوالفضل ابراہیم جس نے کتاب البرہان کو ایڈٹ کیا ہے اس نے بھی بدرالدین زرکشی کی اس فاحش غلطی پر حواشی میں تنبیہ نہیں کی۔ ملاحظہ ہو البرہان فی علوم القرآن، طبع اول قاھرہ سنہ ۱۳۷۶ھ۔ ج ۱ ص ۲۸۔

[2] مقدمہ ذیل طبقات الحفاظ۔ ص ۹

ہم نے سیوطیؒ کے تاریخی اور علمی اغلاط سے بحث نہیں کی، گو کرنے کا اصل کام یہی تھا مگر یہ فرصت کا کام تھا، اور اس کا لطف بھی اسی وقت تھا جب کتاب عربی میں چھپتی اس لئے ہم نے ان چیزوں سے تعرض نہیں کیا۔

یہ شہرۂ آفاق کتاب سب سے پہلے ہندوستان میں مولوی بشیر الدین اور نور الحق کی تصحیح کے ساتھ کلکتہ سے ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ پھر ۱۲۷۹ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔ اور شوال ۱۲۸۰ھ میں محمد حسین خاں مہتمم مطبع مصطفائی دہلی نے مولوی محمد اسد علی اسلام آبادی کی تصحیح کے ساتھ مطبع احمدی امو جان دہلی سے چھپوا کر شائع کی۔ خاتمۃ الطبع میں کلکتہ سے شائع شدہ نسخہ کے متعلق اعلان کیا ہے کہ اس میں بہت سے اغلاط ہیں۔ یہ نسخہ متوسط تقطیع کے پانچ سو اسی صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر یہ کتاب مصر سے بکثرت چھپی۔

یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس طرح الاتقان سب سے پہلے ہندوستان کے اندر چھپی، اسی طرح اس کتاب کا غالباً سب سے پہلے ترجمہ بھی اردو زبان میں ہوا۔ اور مولوی محمد حلیم انصاری رُدولوی مرحوم نے اس کا ترجمہ نہایت محنت اور جانفشانی سے کیا۔ جو ۱۹۰۸ء میں فیض بخش اسٹیم پریس فیروز پور شہر سے ۲ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور اب نہیں ملتا۔

الاتقان کی افادیت کے پیش نظر اس کا ترجمہ اردو میں شائع کرنے کی تجویز زیر غور آئی، اردو میں اس کا ترجمہ پہلے سے موجود تھا۔ اسی ترجمہ کو جا بجا اصل سے ملا کر دیکھا تو متن و ترجمہ اور حاصل متن ترجمہ میں زیادہ بُعد نہیں پایا۔ اس لئے اس کتاب کے از سر نو ترجمہ کی احتیاج نہیں سمجھی۔ لیکن اُن کے ترجمہ میں جو بعض خامیاں رہ گئی تھیں ان سے صرف نظر کرنا بھی کتاب کی افادیت کو ختم کرنے کے مترادف تھا۔ لہٰذا ہم نے محمد حلیم انصاریؒ کے ترجمہ کو برقرار رکھا، اور ترجمہ میں جہاں ضرورت سمجھی وہاں تغیر و تبدّل سے گریز نہیں کیا، اس تغیر و تبدل اور اصلاح کی نوعیت حسب ذیل ہے:

۱۔ جہاں ترجمہ غلط تھا اس کو صحیح کر دیا۔

۲۔ ترجمہ جہاں بھی خلاف محاورہ نظر آیا اسے با محاورہ کر دیا۔

۳۔ مترجم نے جہاں کتاب کے نام کو مصنف کا نام اور مصنف کے نام کو کتاب کا نام سمجھا اس کو درست کر دیا۔

۴۔ فنِ قرأت کی مصطلحات میں فن سے ناواقفیت کی وجہ سے ترجمانی ٹھیک نہیں ہوسکی تھی اس کی اصلاح کر دی۔

۵۔ بعض پیراگراف کے سمجھنے میں مترجم سے غلطی ہوئی تھی ایسے مقامات پر ان کا ازسرنو ترجمہ کر دیا۔

قارئین کی سہولت کے لئے کتاب میں جن باتوں کا خیال رکھا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ مترجم کے مختصر وضاحتی فقروں کو قوسین ( ) میں لکھ دیا ہے۔

۲۔ مسلسل عبارت میں پیراگراف بنائے ہیں۔

۳۔ جن مقامات پر مصطلحاتِ فن کی تشریح اور وضاحت ناگزیر تھی وہاں اُن کی وضاحت کر دی ہے۔

۴۔ کتابوں اور مصنفوں کے ناموں کی صحت کا ہر جگہ خیال رکھا ہے۔

۵۔ عنوانات میں اختصار سے کام لیا ہے۔

واضح رہے کہ سیوطیؒ کی الاتقان کے بعد بھی علوم قرآن پر کام کا سلسلہ قائم رہا ہے۔ دسویں صدی ہجری میں شیخ عبدالوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے علومِ قرآن پر ۹۳۲ھ میں الجوھر المصون والسر المرقوم فیما تنتجہ الخلوۃ من الاسرار والعلوم لکھی۔ جس میں قرآن مجید کے تین ہزار علوم کو بیان کیا اور اُن پر تبصرہ کیا ہے[1]۔

بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں محدث ابن عقیلہ جمال الدین محمد بن احمد مکی المتوفی ۱۱۵۰ھ نے علومِ قرآن پر کام کیا، اور الاحسان فی علوم القرآن لکھی، جس سے سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس میں استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ اپنے ماخذوں میں اس کا بھی نام لیا ہے۔ موصوف کے الفاظ ہیں:

الاحسان فی علوم القرآن لشیخ مشائخنا محمد بن احمد بن عقیلہ[2]	الاحسان فی علوم القرآن ہمارے استاذ الاساتذہ محمد بن احمد بن عقیلہ کی تالیف ہے۔

سید عزت العطار نے احکام القرآن للامام الشافعیؒ کے مقدمہ میں اس کا نام

---

[1] المیزان الکبریٰ: عبدالوہاب شعرانی، طبع مصر، ص ۱۱ کشف الظنون، ج ۱، کالم نمبر ۶۱۹۔

[2] مقدمہ تاج العروس، ص ۴: طبع مصر ۱۳۰۶ھ۔

زیادۃ الاحسان فی علوم القرآن نقل کیا ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ الاتقان کی تلخیص ہے۔ اور اس پر بقدر نصف علوم یعنی چالیس علوم کا اضافہ بھی ہے۔ اس کا مخطوطہ استنبول میں علی پاشا الحکیم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے[۱]

اسی زمانہ میں شیخ محمد آفندی ازمیری المتوفی سنہ ۱۱۶۰ھ نے اس موضوع پر بدائع البرہان فی علوم القرآن لکھی[۲]

ہندوستان میں اس موضوع پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ نے فارسی میں الفوز الکبیر فی علوم التفسیر لکھی جس کا عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ترجمہ شائع ہوچکا ہے۔ یہ قرآن فہمی کے اصول پر نہایت مختصر، مفید اور اہم کتاب ہے۔

چودھویں صدی ہجری میں مولانا معین الدین کاظمی کرڑوی المتوفی سنہ ۱۳۰۴ھ نے سنہ ۱۲۸۴ھ میں جلاء الاذہان فی علوم القرآن فارسی زبان میں لکھی جو تمامتر فوز الکبیر اور الاتقان سے ماخوذ ہے۔ اس میں ایک جدت اور خوبی یہ ہے کہ موصوف نے آخر میں ہر سورۃ کا نام، مکی، مدنی کی تفصیل، کلمات کا شمار، حروف کی تعداد، رکوع کا شمار، نقشہ اور جدول میں سمجھایا ہے۔ یہ کتاب متوسط تقطیع کے ایک سو پچاس ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور مطبع نولکشور لکھنؤ سے سنہ ۱۲۹۲ھ میں شائع ہوچکی ہے۔

اسی زمانہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں نواب صدیق حسن خاں نے اپنی عربی تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن کا مقدمہ فارسی میں لکھا، یہ مقدمہ بھی فوز الکبیر اور کشف الظنون سے ماخوذ ہے، اور بڑی تقطیع کے ۱۲۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ سنہ ۱۲۹۱ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوچکا ہے۔

---

[۱] مقدمہ احکام القرآن، ص ۱۲۔

[۲] ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: اسماعیل پاشا۔ ج ۱، کالم نمبر ۱۷۱ طبع استنبول سنہ ۱۳۶۴ھ۔

مقدمہ

تدوین القرآن

مقدمہ

از مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ (۱) (۱۸۹۲=۱۹۵۶) نے ''تدوین قرآن'' کے موضوع کے روایتی ذخیرے پر جو شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں ان کو دور کرنے کے لئے اردو زبان میں ایک مبسوط وضخیم کتاب لکھی تھی جو ان کے کم وبیش تیس چالیس برس کے مطالعہ وغور وفکر کا حاصل تھا، چنانچہ موصوف کا بیان ہے:

''تقریباً تیس چالیس سال کے مسلسل فکر وتامل، تلاش وجستجو کے آخری تحقیقی نتائج اس کتاب میں درج ہیں۔ جن لوگوں نے قرآن کے جمع وترتیب کی متعلقہ روایتوں کا مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کتنے فاحش اغلاط اور پیچ در پیچ ہمالیائی مغالطوں کے پہاڑوں کو کتنی آسانی کے ساتھ اُڑا دیا گیا ہے۔ شکوک وشبہات کے سارے بادل پھاڑ دیئے گئے ہیں اور ناجائز نفع اٹھانے والوں کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی گئی ہے۔'' (۲)

---

* استاذ مشرف قسم التخصص فی علوم الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

(۱) مولانا کے حالات اور ان کے کمالات اور تالیفات کے متعلق ''ہزار سال پہلے'' کے مقدمے میں ہم لکھ چکے ہیں۔

(۲) تدوین قرآن، ص: ۳۴

کتاب چونکہ مبسوط وضخیم تھی ان کے شاگردِ رشید ورفیق مولوی غلام ربانی (ایم۔اے عثمانیہ) نے اسے پڑھا اور اس کا خلاصہ تیار کیا مولانا کو دکھایا، انہیں پسند آیا، چنانچہ مولانا گیلانیؒ نے جو اس پر پیش لفظ لکھا ہے اسمیں موصوف کی اس کامیاب کوشش کو سراہا ہے، اور ان کے استنباطِ نتائج، اسلوبِ اداء اور دل نشین تعبیر کی تعریف کی ہے اور اپنی ضخیم تالیف کا اسے ''جوھری خلاصہ'' قرار دیا اور پھر اپنی اصل تالیف کی اشاعت سے ہاتھ اٹھالیا، چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''حق تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خاکسار کے رفیق محترم مولوی غلام ربانی ایم اے (عثمانیہ) نے اس فقیر سراپا تقصیر کی جگر کاویوں اور دماغ سوزیوں کے ان نتائج کو بڑے پاکیزہ اسلوب اور دل نشین تعبیر میں اس کتاب کے اندر جمع کردیا ہے۔ اگرچہ فقیر نے خود بھی اس عنوان پر مستقل کتاب لکھی ہے، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے میری کتاب کے اس ''جوہری خلاصہ'' کے شائع ہوجانے کے بعد اب اصل کتاب کی اشاعت کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی ہے، کیونکہ اس ضخیم ومبسوط کتاب کے اکثر جوہری حقائق، اصولی مشتملات اس مختصر کتاب میں محفوظ ہوگئے ہیں، حق تعالی مولوی غلام ربانی کی اس محنت کا صلہ دین اور دنیا میں عطا کرے۔''(۱)

موصوف کے مذکورہ بیان سے ہمارے اس خیال کی مزید تائید ہوتی ہے کہ مولانا مناظر اَحسن گیلانیؒ اپنی تصانیف میں اِدھر سے اُدھر نکل جاتے ہیں اور عنوان وموضوع کے پابند نہیں رہتے ہیں، ان کے علم کی وسعت وپہنائی اور قلم کی جولانی موضوع وعنوان کی پابندی کو گوارا نہیں کرتی۔

(۱) تدوین قرآن، ص:۳۴

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ''تدوین قرآن، ص:۳۹'' پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (المتوفی ۴۳ھ) کے متعلق حاشیہ میں مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین ذھبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) کی کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے:

''اسی سے اندازہ کیجئے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، جو علماء بنی اسرائیل میں سے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت ان کو حاصل ہوئی تو انہوں نے عرض کیا کہ ''قرآن'' کے ساتھ ''تورات'' کی تلاوت بھی جاری رکھوں! آپ نے فرمایا ''اقرأ ہذا لیلۃ وہذا لیلۃ'' (یعنی ایک رات قرآن پڑھا کرو اور ایک رات تورات۔) (تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۶)

طبقات ابن سعد میں بھی ابوالجلد الجونی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ سات دن میں قرآن اور چھ دن میں تورات ختم کرنے کا عام دستور اپنے لئے انہوں نے مقرر کیا تھا اور ختم کے دن لوگوں کو جمع کرتے تھے کہ اس دن رحمت نازل ہوتی ہے۔

(ابن سعد، ج:۱/۷، ص:۱۶۱)

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ قرآن کی صحیح راہ نمائی میں اس قسم کی کتابوں کے پڑھنے سے جہاں تک میرا ذاتی تجربہ ہے خود قرآن کے سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔(۱)

تدوین حدیث میں بھی مولانا گیلانیؒ نے ان دو واقعات کو نقل کرکے اس خیال کا اظہار فرمایا ہے اور اپنی اس تحقیق پر اصرار فرمایا ہے۔(۲)

اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے شاگرد غلام ربانی نے ذیلی سرخی ''قرآن گزشتہ آسمانی کتابوں کا آخری ایڈیشن ہے'' کے تحت جو عبارت لکھی ہے:

---

(۱) تدوین قرآن، ص:۳۹، ۴۰

(۲) ملاحظہ ہو ''تدوین حدیث'' ص:۲۴۸، ۲۴۹، اردو ایڈیشن، ص:۲۱۱، عربی ایڈیشن

''بقول حضرت الاستاذ ایک ہی کتاب کو چند آدمی اگر کتب خانہ سے نکالیں تو چند لانے والوں کی وجہ سے کیا وہی ایک کتاب بھی چند ہو جائے گی۔ یقیناً کسی مصنف کی کتاب کے چند ایڈیشن کو دیکھ کر یہ فیصلہ کتنا غلط فیصلہ ہوگا کہ مصنف کی یہ ایک کتاب نہیں بلکہ چند کتابیں بن گئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن تمام آسمانی کتابوں کے ساتھ اپنی اسی نسبت کا مدعی ہے یعنی پچھلی ساری آسمانی کتابوں کا اپنے آپ کو وہ آخری اور مکمل ترین ایڈیشن قرار دیتا ہے اور قوموں کے پاس اس کتاب کے جو پرانے مشتبہ اور مشکوک یا ناقص وغیر مکمل نسخے رہ گئے ہیں ان کے متعلق اس کا صرف یہ مطالبہ ہے کہ اس جدید ترین اور کامل ایڈیشن سے مقابلہ کر کے قومیں اپنی موروثی کتابوں کی تصحیح کر لیں، یہی اور صرف یہی ایک مطالبہ قرآن نے دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کیا ہے، ظاہر ہے اس مطالبہ کا مطلب کسی حیثیت اور کسی لحاظ سے بھی یہ نہیں ہے کہ دنیا کی قوموں کے پاس آسمانی دین اور مذہب اپنے آباؤ اجداد سے جو پہنچا ہے اس دین سے اور اس دین کا انتساب جن بزرگوں کی طرف ہے ان بزرگوں سے بے تعلق ہو کر قرآن کو بالکلیہ ایک جدید دین اور دھرم کی کتاب کی حیثیت سے مانا جائے یقیناً نہ قرآن ہی کا یہ مطالبہ ہے اور نہ قرآن کے ماننے والوں کی طرف سے یہ دعوت دنیا کے سامنے کبھی پیش ہوئی۔'' (۱)

یہ متن وحاشیہ دونوں محلِ نظر ہے۔

اسلئے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے نبی و رسل بھیجے گئے اور کتابیں اتاری گئی ہیں ان کی کتابیں اور شریعت بھی ایک محدود زمانے تک قابل عمل تھی اس لئے یکے بعد دیگرے کتابیں بھی اتاری جاتی رہیں اور نبی اور رسول بھی بھیجے جاتے رہے اور سابقہ

(۱) تدوین قرآن، ص: ۳۹

کتابیں منسوخ ہوتیں رہیں، تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور آخری کتاب دیکر بھیجا گیا اور دین و شریعت کی تکمیل کر دی گئی۔ قرآن نے کہا ہے:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا." (۱)

ترجمہ: "(اور) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔" (۲)

لہذا سابقہ شریعتیں اور کتاب سب قابل اعتبار نہیں رہیں اس لئے کہ ان کی حفاظت ان اقوام کی ذمہ داری تھی۔ قرآن نے کہا:

"اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ. یَحْکُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰهِ وَکَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ." (۳)

ترجمہ: "بیشک ہم ہی نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتابِ خدا کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کی یقین رکھتے تھے) تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا

---

(۱) سورۃ مائدہ:۳

(۲) ترجمہ فتح محمد جالندھریؒ

(۳) سورۃ مائدہ:۴۴

اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔"(۱)

سابقہ امتوں نے ان میں لفظی تحریف بھی کی اور معنی بھی بدلے، نہ وہ اپنی اصل زبان میں اور نہ اصل صورت میں محفوظ رہ سکیں، وہ سب ایک زمانے کے لئے اتاری گئی تھیں، قرآن آسمانی کتابوں میں آخری کتاب ہے جو آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی تھی آخری نبی تھے ان کی نبوت دائمی اور ان کا معجزۂ قرآن بھی دائمی ہے اس کتاب کی موجودگی میں نہ کسی کتاب مروجہ ومتداول آسمانی کتاب کی تلاوت کی اجازت ہے نہ اس پر عمل کرنا جائز ہے نہ اس کے پڑھنے پر اجر وثواب ملے گا نہ برکات ہوسکتی ہے تاہم تقابلی مطالعہ کی اجازت ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے جس روایت سے جواز کی گنجائش نکالی ہے وہ بھی درست نہیں، حافظ شمس الدین ذھبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) کی اصل عبارت یہ ہے:

"ابراهيم بن أبي يحيى أنامعاذ بن عبدالرحمن عن يوسف بن عبدالله بن سلام عن أبيه أنه جاء الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: انى قرأت القرآن والتوراة فقال: اقرأ هذاليلة وهذاليلة. فهذا ان صح ففيه الرخصة فى تكرير التوراة وتدبرها." (۲)

ترجمہ: "ابراہیم بن ابی یحییٰ کا بیان ہے کہ ہم سے معاذ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا، انہوں نے یوسف بن عبداللہ بن سلام سے، انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن سلامؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: کہ

---

(۱) ترجمہ فتح محمد جالندھریؒ (۲) تذکرۃ الحفاظ، ج:۱،ص:۲۷

میں نے قرآن اور تورات دونوں پڑھی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک رات قرآن پڑھا کرو اور ایک رات تورات۔

علاّمہ ذھبیؒ فرماتے ہیں: کہ اگر یہ روایت درست ہے تو اسمیں تورات کو باری باری پڑھنے اور اسمیں غور وفکر کی گنجائش نکل سکتی ہے۔''

نیز علاّمہ شمس الدین ذھبیؒ ''سیر أعلام النبلاء'' میں مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"اسناده ضعيف فان صح، ففيه رخصة فى التكرار على التوراة التى لم تبدل ، فأما اليوم فلا رخصة فى ذلك الجواز التبديل على جميع نسخ التوراة الموجودة، ونحن نعظّم التوراة التى أنزلها الله على موسى عليه السلام، ونؤمن بها، فأماهذه الصحف التى بأيدى هؤلاء الضّلال فماندرى ماهى أصلاً ونقف، فلانعاملها بتعظيم ولاباهانة، بل نقول: آمناباالله وملائكته وكتبه ورسوله ويكفينا فى ذلك الايمان المجمل. ولله الحمد."(۱)

ترجمہ: ''اس روایت کی سند ضعیف ہے اگر صحیح بھی مان لی جائے تو اس سے وہ تورات مراد ہوگی جس میں تبدیلی وتحریف نہ ہوئی ہو، اور آج کل کی تورات تو اسمیں یہ رخصت نہیں ہے: کیونکہ موجودہ تورات کے تمام نسخوں میں تحریف کا امکان ہے، ہاں ہم اُس تورات کی تعظیم کرتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی ہے اور اسی پر ایمان لاتے ہیں اور آج کل جو صحیفے ان گمراہ لوگوں کے پاس ہیں ہمیں معلوم نہیں

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، ج:۲،ص:۴۱۹، طبع موسسۃ الرسالۃ طبع سوم ۱۴۰۵ھ

کہ یہ اصل ہے یا نہیں اسی میں ہم توقف کرتے ہیں، نہ اسکی تعظیم کرتے ہیں اور نہ توہین، بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ ہم اللہ اور اللہ کے فرشتوں اور کتابوں اور رسول پر ایمان لاتے ہیں، اور اس بارے میں ہمارے لئے ایمان مجمل ہی کافی ہے، سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔"

نیز علاّمہ حافظ ذھبیؒ نے "سیر أعلام النبلاء" (۱) میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے حالات میں اس امر پر مزید روشنی ڈالی ہے، وہ ہدیہ ناظرین ہے:

"ولایشرع لأحد بعدنزول القرآن أن یقرأ التوراة ولاأن یحفظها لکونها مبدلة محرّفة منسوخة العمل، قداختلط فیها الحق بالباطل، فلیجتنب. فأما النظر فیها للاعتبار وللرد علی الیهود، فلابأس بذلک للرجل العالم قلیلاً، والاعراض أولیٰ. فأما ماروی من أن النبی صلی الله علیه وسلم أذن لعبدالله أن یقوم بالقرآن لیلة وبالتوراة لیلة فکذب موضوع قبّح الله من افتراه وقیل: بل عبدالله هنا هو ابن سلام وقیل: اذنه فی القیام بها أی یکرر علی الماضی لأن یقرأبها فی تهجده."

ترجمہ: "قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد نہ کسی کے لئے تورات کا پڑھنا جائز ہے اور نہ اس کو حفظ کرنا کیونکہ اسمیں ردوبدل اور تحریف ہوئی ہے اور اس پر عمل منسوخ ہے اس میں حق و باطل خلط ملط ہے لہذا اس سے بچا جائے۔ ہاں تورات کا مطالعہ کرنا اس لئے تاکہ اس کے ذریعہ یہود کے ساتھ بحث و مناظرہ اور ان پر رد کرنا

(۱) سیر أعلام النبلاء، ج:۳، ص:۸۶/۸۷، طبع موسسة الرسالة طبع سوم ۱۴۰۵ھ

آسان ہوتو عالم کے لئے اس میں تھوڑی بہت گنجائش ہے اور بہتر یہ ہے کہ صرفِ نظر کرے۔ اور وہ روایت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ کو ایک رات قرآن پڑھنے اور ایک رات تورات پڑھنے کی اجازت دی ہے تو وہ موضوع اور جھوٹ ہے۔ اللہ بُرا کرے جس نے اس کو گھڑا ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد عبداللہ بن سلام ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت غور وفکر (تقابلی مطالعہ) کرنے کی ہے نہ کہ تہجد میں اسکی تلاوت کرنے کی۔"

نیز علاّمہ حافظ نورالدین ہیثمیؒ (المتوفی ۸۰۷ھ) "مجمع الزوائد" میں مذکورہ روایت یوں نقل کرتے ہیں:

"عن عبدالله بن سلام قال: قلت: يارسول الله قد قرأت القرآن والتوراة والانجيل. قال: اقرأ بهذا ليلة وهذا ليلة."

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے قرآن اور تورات اور انجیل پڑھی ہیں۔ آپ نے فرمایا: کہ ایک رات قرآن پڑھا کرو اور ایک رات تورات وانجیل۔"

اسکے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"رواه الطبراني في الكبير وفيه من لم أعرفه عتاب بن ابراهيم وغيره."(۱)

ترجمہ: "اس روایت کو طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے اور اسمیں عتاب بن ابراہیم وغیرہ راویوں کو میں نہیں جانتا۔ (یعنی مجہول ہیں)

---

(۱) مجمع الزوائد،۲/۲۷۰

مذکورہ بالا روایت متصل سند کے ساتھ علامہ حافظ ابونعیم اُصفہانیؒ (المتوفی ۴۳۰ھ) نے کتاب ''ذکر اُخبار اُصبہان''(۱) میں اپنی حسبِ ذیل سند سے نقل کی ہے:

''حدثنا أبی ثنا محمد بن أحمد بن يزيد ثنا أحمد بن محمد بن الحسين، حدثني جدّي الحسين بن حفص ثنا ابراهيم بن محمد بن أبي يحيىٰ المدني ثنا معاذ بن عبدالرحمن عن يوسف بن عبدالله بن سلام عن أبيه أنه جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: اني قرأت القرآن والتورة فقال: اقرأ بهذه ليلة وبهذا ليلة.''

ترجمہ: ''ابونعیم کا بیان ہے کہ ہم سے میرے والد عبداللہ بن اُحمد نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن اُحمد بن یزید نے بیان کیا ان سے احمد بن محمد بن الحسین نے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے دادا حسین بن حفص نے بیان کیا، ان سے معاذ بن عبدالرحمٰن نے، انہوں نے یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن سلام سے......الخ

علامہ ابن عساکرؒ نے بھی اس واقعہ کو ''تاریخ دمشق'' میں ابونعیم کی سند سے ذکر کیا ہے۔(۲)

۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ ذھبیؒ کو اس روایت کی صحت میں ہی شک ہے۔

---

(۱) ج:۱،ص:۸۴،مطبوعہ بریل لیڈن ۱۹۳۱ء

(۲) ملاحظہ ہو: تھذیب تاریخ دمشق الکبیر، ج:۷،ص:۴۵۰،طبع داراحیاء التراث العربی طبع سوم ۱۴۰۷ھ

۲) پھراس کا راوی ''ابراہیم بن أبی یحیٰ'' معتبر اور ثقہ نہیں، جھوٹا اور کذاب ہے۔(۲)

۳) نیز یہ اُس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات دیکھ کر ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ وہ روایت یہ ہے:

''وعن جابر أن عمر بن الخطاب رضی الله عنهما، أتی رسول الله صلی الله علیه وسلم بنسخة من التوراة، فقال: یارسول الله! هذه نسخة من التوراة، فسکت فجعل یقرأ ووجه رسول الله صلی الله علیه وسلم یتغیر فقال أبوبکر: ثکلتک الثواکل! ماتری مابوجه رسول الله صلی الله علیه وسلم ؟ فنظر عمر الی وجه رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: أعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله رضینا بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا. فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: والذی نفس محمد بیده لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموه وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل، ولو کان حیا وأدرک نبوتی لاتبعنی.'' (۲)

---

(۱) مزید ملاحظہ فرمائیں: تقریب التہذیب، ج:۱، ص:۵۷ مع تعلیق محقق خلیل مأمون شیحا طبع دار المعرفۃ بیروت للبنان، طبع ۱۴۲۲ھ

(۲) رواہ الدارمی، مشکوٰۃ بشرح المرقات لملاعلی القاریؒ، ج:۱ ص:۴۳۹ طبع حقانیہ ملتان، فتح المنان شرح کتاب الدارمی، ج:۳، ص:۱۹۱، طبع دار البشائر بیروت طبع اول ۱۴۱۹ھ

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کا ایک نسخہ لیکر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تورات کا نسخہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور (غصہ کی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر تمہارا ناس ہو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر غصہ کے آثار تمہیں دکھائی نہیں دیتے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف دیکھا اور کہا: میں اللہ اور اسکے رسول کے غصہ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ ہم اللہ کو رب ماننے پر اور اسلام کو دین تسلیم کرنے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے پر راضی وخوش ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور تم ان کی اتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے، اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو میری اتباع کرتے۔''

مذکورہ بالا حدیث سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ (تقابلی مطالعہ کے علاوہ) ان کتابوں کا پڑھنا درست ہی نہیں اسلئے کہ یہ سب اب منسوخ ہیں، اسلئے کہ ناسخ کی موجودگی میں منسوخ کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی۔

مناظر احسن گیلانیؒ حضرت عمرؓ کے مذکورہ قصہ کے بارے میں تدوین حدیث میں فرماتے ہیں:

''باقی طبرانی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کے متعلق جو یہ روایت منسوب کی گئی

ہے کہ وہ تورات کا ایک مجموعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے اور عرض کرنے لگے کہ بنی زریق میں مجھے اپنے ایک بھائی سے یہ مجموعہ ملا ہے، کہتے ہیں کہ اس حال کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غضبناک ہوگیا، حضرت عمرؓ کو جب اس کا احساس ہوا تو معافی مانگنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ رہتے تو بجز میری پیروی کے ان کے لئے بھی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔''

جمع الفوائد میں اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ''ابو عامر قاسم بن محمد الاسدی'' ایک شخص ہے دراصل یہ مجہول راوی ہے اس لئے روایت خود بھی مشتبہ ہے نیز یہ ممکن ہے کہ اس یہودی کو بھائی قرار دینے پر عتاب کیا گیا ہو، نیز اور بھی اسباب اس کے ہوسکتے ہیں۔ بہرحال یہ جانتے ہوئے کہ تورات کا نسخہ بہت کچھ محرّف ہو چکا ہے پھر قرآن پڑھنے والے کو اسی محرّف تورات کی تلاوت کی جو اجازت دی گئی تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ محرف تورات کا مصحح تو اسکے پاس موجود ہی تھا یعنی قرآن اور قرآن کو مصحح بنا کر جو بھی تورات پڑھے گا کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ گمراہی میں مبتلا ہو بلکہ کچھ فائدہ ہی حاصل کرے گا۔''

(تدوین حدیث، ص: ۲۴۹، اردو ایڈیشن، مکتبہ اسحاقیہ کراچی)

تو مولانا گیلانی کا یہ کہنا کہ ''اسکی سند میں ''ابو عامر قاسم بن محمد الاسدی'' ایک شخص ہے دراصل یہ مجہول راوی ہے اس لئے روایت خود بھی مشتبہ ہے'' یہ حقیقت پر مبنی ہے لیکن مولانا نے اس پہلو پر غور نہیں فرمایا کہ حدیث کے اور بھی طُرق ہوسکتے ہیں۔

چنانچہ طبرانی کی سند میں مجہول راوی ہے لیکن دارمی کی روایت جو ہم نے نقل کی ہے اس میں کوئی راوی مجہول نہیں۔ دارمی کی سند ملاحظہ ہو:

''أخبرنا محمد بن العلاء ،ثنا ابن نمير عن مجالد، عن

عامر، عن جابر أن عمربن الخطاب ؓ ...... الخ"

فتح المنان شرح دارمی میں اس سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

"واسنادالأثر علی شرط الصحیح غیرمجالد وقدأخرج له مسلم فی المتابعات والشواهد فالحدیث صحیح لغیره، وممایدل علی قوة اسناده صنیع الامام البخاری رحمه الله، حیث بوّب له فی الاعتصام من الصحیح. فقال: باب قول النبی صلی الله علیه وسلم: لاتسألوا أهل الکتاب عن شیٔ."

قال الحافظ: هذه الترجمة لفظ حدیث أخرجه أحمد والبزار من حدیث جابر ...... وذکره ثم قال: ورجاله موثقون الا أن مجالد ضعیفا، واستعمله فی الترجمة لورود مایشهد بصحته من الحدیث الصحیح.

ترجمہ: "اس حدیث کی سند صحیح کے درجے کی ہے مجالد کے علاوہ (اسکے تمام راوی صحیحین کے ہیں)، امام مسلمؒ نے مجالد کی حدیث متابعات اور شواہد میں ذکر کی ہے اس بناء پر یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے، امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب الاعتصام میں جو باب باندھا ہے"**باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لاتسألوا أهل الکتاب عن شیٔ**" امام بخاری کے اس طرزِ بیان سے بھی اس حدیث کی سند کو تقویت ملتی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اس باب کے تحت شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو بزار اور امام أحمد نے روایت کیا ہے" اور حضرت جابرؓ کی پوری حدیث ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں" کہ اس سند کے

راوی تمام ثقہ ہیں سوائے مجالد کے کہ وہ ضعیف ہے، اور امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں اس وجہ سے لائے ہیں کہ اس حدیث کے اور شواہد بھی ہیں جس کی وجہ سے یہ حدیث صحیح کے درجے کو پہنچ گئی ہے۔"

اس کے بعد صاحب فتح المنان نے مسند اُحمد، مسند بزار، مصنف بن اُبی شیبۃ، جامع بیان العلم والفضل، مسند اُبی یعلیٰ موصلی، مصنف عبدالرزاق، فضائل القرآن لابن الفریس، شعب الایمان، جامع لأ خلاق الراوی وآداب السامع سے اس تائید میں تین (۳) احادیث بطور شواہد نقل کی ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح المنان، ج:۳، ص:۱۹۱تا۱۹۴)

مذکورہ بالا دونوں حدیثیں خبرآحاد ہیں، دونوں میں تعارض ہے پہلی حدیث سند کے اعتبار سے متکلم فیہ ہے جس کے راوی پر جرح ہے۔ اور دوسری سند اور متن کے اعتبار سے درست ہے اس لئے وہی قابلِ ترجیح اور قابلِ عمل ہے۔

مولانا گیلانیؒ نے توریت کی تلاوت کی تایید میں ایک حسبِ ذیل واقعہ یہ نقل کیا ہے جو ہدیہ ناظرین ہے:

"قال: أخبرنا سليمان بن حرب قال: حدثنا حمادبن زيد عن ميمونة بنت أبي الجلد قالت: كان أبي يقرأ القرآن في كل سبعة أيام ويختم التوراة في ستة يقرؤها نظراً فاذا كان يوم يختمها حشد لذلك ناس، وكان يقول: كان يقال: تنزل عند ختمها الرحمة."(۱)

---

(۱) طبقات ابن سعد، ج:۷، ص:۲۲۲، طبع دارالفکر بیروت (۲) تدوین قرآن، ص:۴۰

ترجمہ: ''سلیمان بن حرب بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، انہوں نے میمونہ بنت ابی الجلد سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ میرے والد ابوالجلد سات دن میں قرآن ختم کرتے اور چھ دن میں تورات کو دیکھ کر ختم کرتے، جب ختم والا دن ہوتا تو کچھ لوگ ختم کے لئے جمع ہوجاتے، اور ابوالجلد فرماتے تھے کہ کہا جاتا تھا کہ ختم کے دوران رحمت اُترتی تھی۔''

۱) تو یہ کسی صحابی اور فقیہ کا عمل نہیں۔

۲) اور یہ ان کا انفرادی عمل ہے۔

۳) اس میں چند عام آدمی آجاتے تھے اسمیں کسی بڑے عالم اور فقیہ کی شرکت ثابت نہیں۔

۴) یہ ان کی اپنی رائے اور اپنا خیال ہے۔

۵) نہ اس کا کوئی چرچا تھا۔

مولانا گیلانیؒ نے اپنے جس تجربہ کا ذکر کیا ہے کہ ''اس قسم کی کتابوں کے پڑھنے سے جہاں تک میرا ذاتی تجربہ ہے خود قرآن کے سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔''(۲) تو یہ تقابلی مطالعہ کی بات ہے اس کا کوئی منکر نہیں ورنہ یہ کہ اس کی تلاوت کی جائے اور اس سے رحمت اترتی ہے اس کا کوئی قائل نہیں۔

یہ تدوین قرآن کا ''جوہری خلاصہ'' مولانا گیلانیؒ کی تصنیف نہیں اس لئے اس میں مولانا کی زبان کا لطف نہیں ہے۔

مولانا گیلانیؒ کی بعض دوسری آراء بھی ہیں جس سے محققین کو اتفاق نہیں۔ جیسے کہ تدوین الحدیث ص:۱۹۱ بزبان عربی از ڈاکٹر مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحب، تخریج

ومراجعت ڈاکٹر بشّار عوّاد معروف۔

''تدوین قرآن'' کا یہ ''جوہری خلاصہ'' جو پاکستان کراچی میں آج سے ۱۹ سال قبل شائع ہوا تھا مولوی محمد امین بن صابر حسین (اللہ انہیں خوش رکھے) اسے ازسرِ نو شائع کررہے ہیں۔ ان کی یہ سعی لائق تحسین اور قابل مبارک باد ہے۔ اُمید ہے کہ طلبہ اور اہلِ ذوق اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

محمد عبدالحلیم چشتی

۱۴۲۶/۵/۲۰ھ

=۲۰۰۵/۶/۲۸ء

مقدمہ

فقیہ العراق

حضرت حماد بن ابی سلیمان کوفیؒ

فقیہ العراق

حضرت حمّاد بن ابی سُلیمان کوفی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ

تالیف

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم

اُستاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ

ومدیر صفّہ ٹرسٹ محمود سٹریٹ موہنی روڈ لاہور

نظر ثانی و تقدیم

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم

رئیس شعبہ تخصص فی علوم الحدیث

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

صفّہ ٹرسٹ

محمود سٹریٹ، موہنی روڈ، لاہور

تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِینَ اصْطَفٰی: اَمَّا بَعدُ!

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم کا یہ مقالہ مولانا محمد عابد صاحب کی زبانی سنا، الحمدللہ یہ اچھا تحقیقی مقالہ ہے، اہل علم اور اَربابِ ذوق کے لیے ان شاء اللہ فائدہ مند رہے گا، مولانا موصوف نے اس مقالہ کا نام ’’فقیہ العراق حضرت حماد بن ابی سلیمان کوفی ؒ‘‘ رکھا ہے

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ ایسے فقہاء کا تذکرہ اُن کے وصفِ غالب کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ حدیث وآثار سے بے بہرہ اور علومِ حدیث میں مہارت نہیں رکھتے تھے

محدِّث اور فقیہ میں فرق:

محدِّث اور فقیہ میں فرق یہ ہے کہ محدث کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ وہ حدیث کو سند کے ساتھ بیان کرے، معنیٰ حدیث تک رسائی اُس کے فرائضِ منصبی سے نہیں ہے، چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

’’عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا

وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ[۱]"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اُس بندہ کو ترو تازہ رکھے جس نے میری کوئی بات سنی اور اُسے یاد کیا اور محفوظ رکھا اور اُسے (جیسے سنا تھا ویسے ہی لوگوں تک) پہنچایا اس لیے کہ بعض حاملِ فقہ (علمِ دین سے آراستہ بھی) فقیہ نہیں ہوتے اور بعض حاملِ فقہ (فقیہ تو ہوتے ہیں لیکن وہ اُسے) اُن لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو اُن سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں''

فقیہ کا کام یہ ہے کہ وہ حدیث کے معانی پر غور کرتا، اُس کی تہ تک پہنچتا، حدیث کے اَلفاظ سے مسئلہ کا استنباط کرتا اور حکم نکالتا ہے، اِس وجہ سے امام ترمذیؒ (م:۲۷۹ھ) ''سنن الترمذی'' میں رقم طراز ہیں:

'' وَكَذٰلِكَ قَالَ الْفُقَهَاءُ ، وَهُمْ اَعْلَمُ بِمَعَانِي الْحَدِيْثِ[۲]''

فقہاء حدیث کے معانی کو سب سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں (اُس سے مسئلہ استنباط کرتے ہیں اور اپنی فقہی بصیرت سے مسئلہ کا حکم نکالتے ہیں)

اس وجہ سے امام ترمذیؒ نے ہر باب میں حدیثوں کی روشنی میں فقہاء کے مذاہب بیان کرنے کا اہتمام کیا تاکہ لوگ اِس پر عمل کر کے نجات کی راہ پائیں، انہی وجوہ سے حافظ ابنِ حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ) نے ''نُخْبَةُ الْفِكَرِ فِي مُصْطَلَحِ

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح ص:۳۵، طبع: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ، ۲ سنن الترمذی ج:۱، ص:۱۹۳، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

اَہلِ الْاَثرِ" میں "مُحتف بالقرائن" کی اَقسام کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وَمِنْهَا الْمُسَلْسَلُ بِالْاَئِمَّةِ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِيْنَ حَيْثُ لَا يَكُوْنُ غَرِيْبًا كَالْحَدِيْثِ الَّذِىْ يَرْوِيْهِ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ مَثَلاً وَ يُشَارِكُهٗ فِيْهِ غَيْرُهٗ عَنِ الشَّافِعِيِّ، وَيُشَارِكُهٗ فِيْهِ غَيْرُهٗ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ فَاِنَّهٗ يُفِيْدُ الْعِلْمَ عِنْدَ سَامِعِهٖ بِالْاِسْتِدْلَالِ مِنْ جِهَةِ جَلَالَةِ رُوَاتِهٖ وَاَنَّ فِيْهِمْ مِنَ الصِّفَاتِ اللَّائِقَةِ الْمُوْجِبَةِ لِلْقَبُوْلِ مَا يَقُوْمُ مَقَامَ الْعَدَدِ الْكَثِيْرِ مِنْ غَيْرِهِمْ[1]"

اور خبر مُحتَف بِالْقَرَائِنْ کی اقسام میں سے (تیسری قسم) وہ ہے جسے تسلسل کے ساتھ ایسے ائمۂ حدیث نے روایت کیا ہو جو پختہ و متقن وحفاظِ حدیث ہوں اور روایت بھی اِس طرح سے کیا ہو کہ وہ خبر غریب نہ ہو، جیسے کہ وہ حدیث جسے حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت امام شافعیؒ سے روایت کیا، پھر اس حدیث کے امام شافعیؒ سے روایت کرنے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہو گیا، پھر حضرت امام شافعیؒ نے وہ حدیث امام مالکؒ سے روایت کی، اور امام مالکؒ سے روایت کرنے میں حضرت امام شافعیؒ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہو گیا، تو یہ خبر اپنے سننے والے کو علم نظری کا فائدہ دے گی، ایک اپنے راویوں کی جلالتِ قدر

---

[1] نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر ص: ۲۱، طبع الرحیم اکیڈمی کراچی

کی بناء پر، دوسرے اس لیے کہ اس خبر کے راویوں میں ایسے اوصاف قبول موجود ہیں جو اِن راویوں کے علاوہ دیگر راویوں کے عددِ کثیر کے قائم مقام ہیں

حافظ ابن حجرؒ کی بیان کی گئی سند احمد عن الشافعی عن مالک والی میں ذرا غور فرمائیں، اس سند میں کوئی تابعی نہیں، کوئی صرافِ حدیث نہیں مگر سب ثقہ وعادل ہیں یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ سب عادل ہیں، ان کی مراسیل تک بالاتفاق مقبول ہیں اور وہ یقین کا فائدہ دیتی ہیں

مراسیل صحابہؓ:

فقیہ ابواسحاق شیرازیؒ (۳۹۳-۴۷۶ھ/۱۰۰۳-۱۰۸۳ء) لکھتے ہیں

"مراسیل الصحابة مقطوع بعدالتهم[۱]"

صحابہؓ کی مرسل روایتیں ان کی عدالت کی بناء پر یقین کا فائدہ دیتی ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ ہر صحابی نے ہر روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہیں سنی ہے اور سند متصل نہ ہونے کے باوجود وہ یقین کا فائدہ دیتی ہے

صحیحین کی احادیث سے معارضہ:

صحیحین کی حدیثوں سے معارضہ کی صورت میں "محتف بالقرائن" کے زمرہ میں داخل حدیثوں کو بھی ترجیح حاصل رہے گی

امام موصوف نے "محتف بالقرائن" کی جو اَقسام بیان کی ہیں اُن میں ایک قسم یہ بیان کی ہے:

---

۱ اللمع فی اصول الفقہ ص: ۵۰

"احمد بن حنبل عن الشافعی عن مالک عن نافع عن ابن
عمر اوعن عمر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم "

اس سے معلوم ہوا کہ معارضہ کی صورت میں مسلسل بالفقہاء کی سند کو دوسری سندوں پر ترجیح ہوگی، یہ قاعدہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد حافظ وکیع[۱] بن الجراح (۱۲۹-۱۹۷ھ/ ۷۴۶-۸۱۲ء) کا ساختہ ہے، چنانچہ حاکم نیشاپوریؒ نے "معرفة علوم الحديث" میں بسند متصل انہی سے نقل کیا ہے کہ

"الحديث الذی يتداوله الفقهاء خير من
الحديث الذی يتداوله الشيوخ[۲] "

وہ حدیث جسے فقہاء میں قبول حاصل ہے وہ اس حدیث سے بہتر ہے جسے شیوخ حدیث میں قبول حاصل ہے۔ اگر چہ وہ بسندِ نازل ہو یعنی فقہاء کی حدیث کے راوی کثیر ہوں اور شیوخ حدیث کی سند کے راوی کم ہوں

یہ اصول بھی یاد رہے کہ امام وکیعؒ جن کی بدولت یہ اصول حدیث کی کتابوں میں جگہ پاسکا امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور حنفی ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ اصول حدیث میں حنفیہ کا کیا اثر ونفوذ ہے، ذرا کسی اصول حدیث کی کتاب کا اشاریہ او رانڈیکس دیکھیں ،اس سے یہ حقیقت اورزیادہ واضح ہوجائے گی، مذکورۂ بالا اصول کا تذکرہ آپ کو اصولِ حدیث کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں ملے گا، لیکن یہ بات کہ یہ اصول حنفیوں کا ساختہ پرداختہ ہے اس کا ذکر کہیں نہیں ملے گا۔

---

[۱] وکیع امام صاحب کے شاگرد اور حنفی ہیں الجواہر المضیہ ج:۲،ص:۲۸ ، [۲] معرفۃ علوم الحدیث ص:۱۱

امام احمدؒ کی سند کی خصوصیت:

امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴-۲۴۱ھ) نے حدیث کی جب تحصیل کا ارادہ کیا سب سے پہلے حدیث کی کتابت کا آغاز قاضی ابو یوسفؒ (م:۱۸۲ھ) کے حلقہ درس سے کیا، چنانچہ امام موصوف کا بیان ہے:

"اول ما کتبت الحدیث إختلفت الیٰ أبی یوسف کان أمیل الی المحدثین من أبی حنیفة ومحمد[1]"

میں نے سب سے پہلے حدیث لکھنے کی ابتداء قاضی ابو یوسفؒ کے حلقہ درس سے کی اور ان کا حدیث کی طرف میلان امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ سے زیادہ تھا

امام موصوف کے بیان سے معلوم ہوا کہ بغداد میں قاضی ابو یوسفؒ کا حلقۂ درس جاری تھا اور محدثین وہاں حدیثیں لکھتے تھے

امام شافعیؒ کی سند کی خصوصیت:

مؤرخ اسلام حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) رقم طراز ہیں:

"واخذ...... ببغداد عن محمد بن الحسن، فقیه العراق، ولازمه وحمل عنه وقر بعیر[2]"

اور بغداد میں امام شافعیؒ (م:۲۰۴ھ) نے فقیہ عراق محمد بن حسن الشیبانی سے حدیث وفقہ حاصل کی، ان کی ہم نشینی اختیار کی اور اُن سے ایک بار شتر علم حاصل کیا

امام شافعیؒ امام محمدؒ (م:۱۸۹ھ) سے کتابیں عاریۃً لے جاتے اور فائدہ اٹھاتے تھے[3]

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج:۸، ص:۵۳۶ ، [2] سیر اعلام النبلاء ج:۱۰، ص:۷

[3] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصیمری ص:۱۲۸، طبع: عالم الکتب، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ

امام شافعیؒ (م:۲۰۴ھ) قاضی ابو یوسفؒ کی وفات کے بعد بغداد تشریف لائے تھے اس لیے ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکے، موصوف نے امام محمدؒ کو دیکھا اور سب سے زیادہ فائدہ ان سے اٹھایا، ایک بار شتر علم ان سے لکھا تھا[1]

امام مالکؒ کی سند کی خصوصیت:

امام مالکؒ (م:۱۷۹ھ) کی سند سے جو روایت آئے گی وہ معارضہ کی صورت میں قابل ترجیح ہوگی، حافظ ابن حجرؒ کے بیان کیے ہوئے اُصول کی روشنی میں اِن ائمہ حفاظ کی روایت کا مقام صحیحین کی روایات کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے اس لیے کہ یہ ائمہ حفاظ حدیث بلند پایہ فقہاء میں سے ہیں

مذکورۂ بالا اصول کی روشنی میں مندرجہ ذیل سند سے روایت کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے

"ابو حنیفةَ عن حمادٍ عن ابراهیمَ عن علقمةَ او
عن اسودَ عن عبد اللّٰه بنِ مسعود"

امام ابوحنیفہؒ کی سند کی خصوصیت:

ذرا نظر بلند کیجیے :اِس حدیث کے راویوں کو دیکھیے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ (م:۱۵۰ھ) حافظِ حدیث ہیں، فقہ میں بھی مسلّم امام ہیں اور حمادؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ہیں، نیز حمادؒ کا شمار بھی حفاظِ حدیث میں کیا گیا ہے[2] (یہ ابراہیم نخعیؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ تھے) اور ابراہیم نخعی کوفیؒ (م:۹۵ھ) کے کہنے ہی کیا ہیں کہ وہ تو صرّافِ حدیث ہیں[3] اور حضرت علقمہ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ہیں، حضرت علقمہؒ اور اسودؒ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ فقہ اور حدیث میں اِن کا مقام سورج سے زیادہ روشن ہے، حضرت علقمہؒ حضرت عبداللہ

---

[1] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصیمری ص:۱۲۸، طبع: عالم الکتب، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ

[2] طبقات الحفاظ للسیوطی ص:۵۵ الطبعۃ الرابعۃ، طبع: دار الباب مکۃ المکرمۃ الطبعۃ الاولی ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء،

[3] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص:۱۶، طبع: دار الکتب القاہرہ ۱۹۳۷ء

بن مسعودؓ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ تھے، ان میں سے ہر ایک کا مقام اتنا بلند ہے کہ کسی دوسرے کی شرکت کی حاجت نہیں تاہم ہم حافظ ابن حجرؒ کی اس شرط کو کہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی روایت میں شریک ہے مان لیں تو پھر وہ غرابت سے نکل جائے گی

(۱) حضرت علقمہؒ اسودؒ سے حضرات صحابہ فتوے پوچھتے تھے[۱]

(۲) اور دو برس سفر و حضر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رہے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خصوصیت:

صحابہؓ کی مادری زبان عربی تھی، کلام الٰہی قرآن اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث و آثار عربی میں ہے، وہ اسے خوب سمجھتے تھے، وہ علوم نبوت کے جامع اور انوار نبوت، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ کی صفات سے آراستہ تھے، جسے اب شریعت و طریقت کہا جاتا ہے، صحابہؓ کے شاگرد و تابعین بھی ان صفات سے آراستہ تھے

عہد نبوی میں علوم نبوت کی نشان دہی مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''کانت علومھم القرآن والحدیث والفقه والنحو وشبه ذالک[۲]''

صحابہ کے علوم (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) فقہ (۴) نحو اور ان جیسے اولیٰ علوم تھے

خلفاء اربعہ کے بعد مذکورہ بالا صفات صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ میں زیادہ پائی جاتی ہیں اور

(۱) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے، تکیے اور مسواک رکھنے والے

---

۱ طبقات الفقہاء للشیرازی ص:۵۸، طبع: المکتبہ العربیہ بغداد ۱۳۵۶ھ

۲ تذکرۃ الحفاظ ج:۱، ص:۲۰۵

(۲) اور ہر وقت خدمت میں حاضر رہنے والے تھے

(۳) مجتہدین صحابہ میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے تھے

(۴) حضرت عمرؓ سے سو سے زیادہ مسائل میں اختلاف رکھتے تھے[۱]

(۵) حضرت عمرؓ نے انہیں معلم اور وزیر بنا کر کوفہ بھیجا تھا[۲]

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار اُن چھ صحابہ میں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فتوٰی دیتے تھے چنانچہ علامہ ابن حزمؒ تحریر فرماتے ہیں

"کان ستة من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم
یفتون الناس: ابن مسعود وعمر بن الخطاب وعلی
وزید بن ثابت وابی بن کعب وابو موسٰی الأشعری[۳]"

(۷) حضرت معاذؓ (م: ۱۸ھ) نے انتقال کے وقت جن چار صحابہ سے علم حاصل کرنے کی وصیت کی تھی اُن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہیں[۴]

چار کے نام یہ ہیں: حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ

شاگردانِ عبداللہ بن مسعودؓ:

یہ سلسہ ان کے شاگرد و تابعین و تبع تابعین اور بعد کے ائمہ میں جنہیں مسند درس و افتاء حاصل رہی ہے، کم وبیش برابر قائم رہا ہے

"قال ابراهیم النخعی: انتهٰی علم اهل کوفة الی ستّة
من اصحاب عبد الله بن مسعود رضی الله عنه فهُم

---

[۱] الاحکام فی اصول الاحکام ج:۶ ص:۶۱ ، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۱۳، طبع مجلس دائرۃ المعارف طبع دوم الطبعۃ الاولٰی ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء [۳] الاحکام فی اصول الاحکام ج:۶ ص:۶۷ ، المعرفۃ والتاریخ ج:۲ ص:۵۵۳

الذین کانوا یفتون الناس ویعلِّمونهم ویفتونهم

(۱) علقمة بن قیس النخعی (۲) والاسود بن یزید

(۳) مسروق بن الأجدع (۴) عبیدة السلمانی

(۵) الحارث بن قیس (۶) عمرو بن شرحبیل

الهمدانی. واضاف "وکان سعید بن جبیر یقول:

کان اصحاب عبد الله شیوخ[۱] هذه الأمة[۲]"

فقیہ عراق ابراہیم نخعیؒ (م: ۹۵ھ) کا بیان ہے: اہل کوفہ کے علم کی انتہاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چھ شاگردوں پر ہے اور یہ وہ شاگرد تھے جو لوگوں کو فتوٰی دیتے، انہیں تعلیم دیتے اور فتوٰی دینا سکھاتے تھے، ان کے نام درج ذیل ہیں

(۱) علقمہ بن قیس النخعی (۲) الاسود بن یزید النخعی

(۳) مسروق بن الاجدع (م: ۶۳ھ / ۶۸۳ء)

(۴) عبیدۃ السلمانی (م: ۷۲ھ / ۶۹۱ء)

(۵) الحارث بن قیس (۶) عمرو بن شرحبیل ہمدانی (عبید اللہ بن زیاد کے زمانہ میں کوفہ میں انتقال ہوا)

موصوف نے فرمایا کہ سعید بن المسیب (م: ۹۴ھ) فرماتے تھے شاگردان عبداللہ بن مسعودؓ اس امت کے چراغ ہیں

"قال علی بن المدینی: اعلم الناس عبید[۳] الله،

---

[۱] صحیح معنوں میں یہاں لفظ "سرج" ہے، چنانچہ طبقات الفقہاء للشیرازی میں ہے، "کان اصحاب عبدالله سرج هذه القریة" ص: ۶۰ ، [۲] المعرفۃ والتاریخ ج: ۱، ص: ۵۵۳، ۵۵۸ ، [۳] عبیداللہ کے متعلق حافظ المزی نے تصریح کی ہے کہ موصوف نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نہیں پایا ہے (تہذیب الکمال ج: ۱۰، ص: ۵۳۴)، یہی وجہ ہے کہ ابراہیم نخعیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شاگرد چھ بتاتے ہیں، اس لیے ہم نے ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے،

علقمة، الاسود وعبیدة والحارث بن قیس، عمرو بن شرحبیل ومسروق بن الأجدع"

حافظ علی بن المدینی (م:۲۳۴ھ) فرماتے تھے:

شاگردان عبداللہ بن مسعودؓ (۱) عبید اللہ (۲) علقمۃ (۳) الاسود (۴) عبیدۃ (۵) حارث بن قیس (۶) عمرو بن شرحبیل (۷) مسروق بن الاجدع سب سے بڑے عالم تھے۔

حضرت علقمہؒ کا مقام:

ابن سعدؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے کہ

''علقمہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو انہوں نے طواف کیا اور طوال مفصل پڑھیں پھر طواف کیا اور مئین پڑھیں پھر طواف کیا اور مثانی پڑھیں پھر طواف کیا اور بقیہ سورتیں پڑھیں[1]''

ابن سعدؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ

''علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہاں پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی گود میں مصحف تھا اور حضرت علقمہؒ خوبصورت اور اچھی آواز میں پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے علقمہؒ سے فرمایا'' ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں'' اس سے معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ ان کی قراءت کے کس قدر فریفتہ وشیدا تھے[2]''

حافظ فضل بن دُکینؒ فرماتے ہیں کہ

---

[1] الطبقات الکبریٰ ج:۶،ص:۸۸ ، [2] الطبقات الکبریٰ ج:۶،ص:۸۹

’’حضرت علقمہؒ نے ۶۲ھ میں کوفہ میں وفات پائی اور وہ کثیر الحدیث (حافظ حدیث) تھے[۱]‘‘

حضرت اسودؒ کا مقام:

ابن سعدؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے کہ

’’اسودؒ شدید گرمی میں روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ گرمی کی وجہ سے اُن کی زبان سیاہ ہو جاتی تھی[۲]‘‘

’’قال ابو اسحاق: جمع الاسود بن یزید بین ثمانین حجة وعمرة[۳]‘‘

اُسودؒ نے اَسّی حج وعمرہ کیے، اکٹھے نہیں جدا جدا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

’’عراق میں حضرت اُسودؒ سے بڑھ کر کوئی میرا محسن نہیں ہے[۴]‘‘

حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ

’’حضرت اسودؒ (وہ حضرت عمرؓ کی ملازمت کرتے تھے) حج کے لیے جا رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ کو میرا اسلام دے دینا[۵]‘‘

عبیدۃ السلمانی:

" اسلم بالیمن ایامَ فتح مکة ولم یر النبی صلی الله علیه وآلہٖ وسلم وکان عریفَ قومه هاجر الی المدینه فی زمان عمر وحضر کثیرًا من الوقائع، وتفقه،

---

[۱] الطبقات لابن سعد ج:۶،ص:۹۲ ، [۲] ایضاً ج:۶،ص:۷۰،۷۱ ، [۳] کتاب الثقات لابن حبان ج:۴،ص:۳۱ وفتح المغیث ج:۴،ص:۲۸۸،۲۸۹ والطبقات الکبریٰ ج:۶،ص: ۷۱ [۴] الطبقات الکبریٰ ج ۶،ص:۷۳ ، [۵] ایضاً ج:۶،ص:۷۳

وروی الحدیث وکان یُوَازِی شُریحًافی القضاء[۱]"

فتح مکہ کے زمانہ میں یمن میں اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا اور وہ اپنی قوم کے سربراہ تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ کی طرف ہجرت کی اور بہت سے معرکوں میں شریک ہوئے، فقیہ بنے، حدیثیں بیان کیں، اور یہ قضاء میں قاضی شریح کے ہم پلّہ تھے۔

"أخذ عن علی وابن مسعود، وقال العجلی عبیدة احد اصحاب عبد اللہ الذین یقرء ون ویفتون الناس. قال ابن سیرین مارأیت رجلا اَشدّ توقیامن عبیدة، وکان مکثرًا عنه[۲]"

حضرت علیؓ وحضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے علم حاصل کیا، حافظ عجلی (۱۸۲ھ-۲۶۱ھ) کا بیان ہے کہ عبیدہ، عبداللہ بن مسعودؓ کے ان شاگردوں میں سے تھے جو لوگوں کو فتوٰی دیتے تھے، ابن سیرینؒ کا بیان ہے کہ میں نے عبیدہ سے بڑھ کر فتوٰی دینے میں احتیاط کرنے والا نہیں دیکھا اور یہ اُن سے بکثرت روایات نقل کرتے ہیں

عمرو بن شرحبیل:

"ابو میسرہ الھمدانی الکوفی روی عن عمر، وعلی، وابن مسعود، توفی فی ولایة عبید اللہ بن زیاد بالکوفة[۳]"

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج:۱،ص:۴۸ ، [۲] ایضاج:۱،ص:۵۰ ، [۳] تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام للذھبی ج۲،ص:۶۹۰

ان کی کنیت ابو سیرۃ الہمدانی الکوفی ہے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی اور عبید اللہ بن زیاد کی دور حکمرانی میں کوفہ میں وفات پائی۔

الحارث بن قیس:

"صحب عليًا وابن مسعود، ولايكاد يوجد له حديث مُسْنَدٌ كان يجلس اليه الرجل والرجلان فيحدّثهما، فاذا كثروا قام وتركهم"

حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد تھے، مؤرخ الذہبی کا بیان ہے ان کی مسند حدیث نہیں پائی جاتی (مرسل روایت کرتے تھے) ان کے پاس ایک، دو آدمی بیٹھتے، انہیں حدیث بیان کرتے، جب زیادہ ہو جاتے تو کھڑے ہوتے اور ان کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے (شہرت سے بچتے تھے)

"وقال حجاج بن دينار: كان اصحاب عبد الله ستة: علقمه، والحارث بن قيس والاسود، وعبيدة، ومسروق، وعمرو بن شرحبيل"

حجاج بن دینارؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چھ شاگرد تھے (۱) علقمۃ (۲) حارث بن قیس (۳) الاسود (۴) عبیدۃ (۵) مسروق بن الاجدع (۶) عمرو بن شرحبیل

"قال ابن المدينى، قتل الحارث مع علي، واما خيثمة بن عبدالرحمن فقال: صلّى عليه ابو موسى

الاشعری رحمہ اللہ[1]"

حافظ علی بن المدینیؒ (م:۲۳۴ھ) کا بیان ہے: حارث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے، علامہ خیثمہ بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ ابوموسی الاشعریؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی

مسروق بن الاجدع:

"ھوا بن اخت البطل الکرار عمر وبن معدی کرب اخذ عن عمر وعلی ومعاذ وابن مسعودو اُبَیّ وعن الشعبی قال ما علمت احدًا کان اطلب للعلم منہ وکان اعلم بالفتوی من شریح وکان شریح یستشیرہ، وکان مسروق لایحتاج الٰی شریح وقال ابواسحاق: حج مسروق فما نام الا ساجدًا حتی رجع، وعن امرأۃ مسروق انہ کان یُصلّی حتی یتورّم قدماہ

قال ابن المدینی: ما اقدم علی مسروق احدًامن اصحاب عبد اللہ وقدصلّی خلف ابی بکرالصدیق[2]"

یہ مشہور بہادر جرنیل معدی کرب کی بہن کے بیٹے تھے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت اُبیؓ کے شاگرد تھے۔

---

[1] تاریخ اسلام ووفیات المشاہیر والاعلام الذھبی ج:۲،ص:۳۹۶ ، [2] ایضاً ج ۲،ص ۱۲

شعبیؒ کا بیان ہے:

میں نے مسروق سے زیادہ علم کا طلبگار کسی اور کو نہیں پایا اور وہ شریحؒ سے بڑے مفتی تھے اور شریحؒ فتوی میں ان سے مشورہ کرتے تھے، اور مسروقؒ شریحؒ کے فتوی میں مشورہ کے محتاج نہ تھے۔

اور ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں:

مسروقؒ حج کو گئے تو سجدہ میں آنکھ لگتی سو گئی، حج کے اخر تک یہی حال رہا

حضرت مسروقؒ کی بیوی فرماتی ہیں:

وہ نمازیں اتنی کثرت سے پڑھتے تھے کہ پاؤں پر ورم آجاتے تھے

علامہ حافظ علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں:

میں حضرت عبداللہ کے شاگردوں میں مسروق کو سب سے برتر سمجھتا ہوں مسروق نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مذہب کی تدوین وتشکیل:

علامہ ابن القیم الجوزیۃ (م:۷۵۱ھ) نے ''اعلام الموقعین'' میں امام محمد بن جریر طبری (م:۳۱۰ھ) کا بیان نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں

''لم یکن احد لہ اصحاب معروفون، حرّروا فتیاہ ومذھبہ غیر ابن مسعود[۱]''

---

[۱] اعلام الموقعین عن کلام رب العلمین ج:۱ص:۲۰ طبع دار الجیل بیروت، ب،ت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا کوئی مجتہد و مفتی صحابی ایسا نہ
تھا جس کے مشہور و معروف شاگرد اس کے فتووں اور اس کے
مذہب کو قیدِ تحریر میں لائے ہوں

عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ کا امتیاز:

اسلامی قلمرو کے مرکز علم کوفہ میں تشکیل و تدوین فتاوی و مذہب کی جمع
و ترتیب کی سعادت سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کو
حاصل ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت، تفسیر، حدیث، فقہ و فتوٰی کی تعلیم
اور عظیم کارناموں کی وجہ سے فقیہ کوفہ ابو عمرو عامر شعبی (م:۱۰۳ھ) نے موصوف
کے متعلق کہا ہے:

"ما من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم
أفقه صاحباً من عبد الله بن مسعود"[1]

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (خلفاء اربعہ کے بعد)
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر فقیہ نہ تھا

شاگردانِ ابن مسعودؓ کی تعلیمی سرگرمیاں:

چنانچہ اسلامی قلمرو کے مرکزی شہر کوفہ میں
(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد فتوے دیتے تھے
(۲) عہدۂ قضاء بھی ان کے پاس تھا
(۳) شہر کوفہ میں بیاسی برس کے بعد شاگردانِ ابن مسعودؓ حضرت

[1] طبقات الفقہاء للشیرازی ص:۶۰ طبع بغداد ۱۳۵۶ھ

علقمہؒ (م:۶۲ھ /۶۸۱ء) اور اسود بن یزیدؒ (م: ۷۵ھ /۶۹۴ء) کی تعلیمی سرگرمیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۸۲ھ تک حدیث کے طلبہ چار ہزار اور جو فقیہ بن گئے تھے وہ چار سو تھے

چنانچہ محمد بن سیرینؒ کے بھائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت انس بن سیرینؒ (م:۱۲۰ھ) کا بیان ہے

"اتیت الکوفة فرأیت فیھا اربعة آلاف یطلبون الحدیث وأربع مائة قد فقھوا[۱]"

میں کوفہ میں آیا دیکھا کہ یہاں حدیث کے چار ہزار طلبہ اور جو فقیہ و قاضی بن گئے تھے وہ چار سو تھے

ان کی تعلیمی سرگرمیوں کو ایسی تعلیمی ترقی حاصل تھی کہ کسی اسلامی قلمرو میں اس کی نظیر نہیں ملتی[۲]

اصحاب الرای کی کتابوں کا قبول عام:

دوسری صدی ہجری میں اصحاب الرای امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے

---

[۱] المحدث الفاصل ص:۵۶، تحقیق د۔ عجاج الخطیب، طبع دار الفکر بیروت ، [۲] یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ سرزمین ہند میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ، ان کا خانوادہ و شاہ ولی اللہؒ کا شاہی خاندان علوم شریعت و طریقت کا جامع اور ممتاز رہا ہے، ان کی عظیم خدمات کا اعتراف مولانا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے ان الفاظ میں کیا ہے

"این خانہ تمام آفتاب است، اس خاندان نے تو ہندوستان میں اسلام کی وہ خدمتیں کی ہیں کہ بس خدا ہی ان کی داد دے گا، میرا اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ اِن بزرگوں نے ہندوستان کے اسلام کے حق میں ایسا کام کیا ہے جیسا کہ اسلام کے حق میں مہاجرین اور انصار نے کیا تھا، رضوان اللہ علیہم اجمعین" (لیکچروں کا مجموعہ، لیکچرار ڈپٹی نذیر احمد ج:۲، ص:۲۷، لیکچر نمبر ۲۴، طبع، اسٹیم پریس آگرہ سنت ۱۳۳۶ھ-۱۹۱۸ء)

اکابر دیوبند کی عظیم و شاندار خدمات تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گی، ان کے ہمعصروں میں کوئی ان سے گوئے سبقت نہیں لے جا سکا، ان کا چشمۂ فیض عالم ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکا ہر جگہ جاری و ساری ہے، صرف ایک تبلیغی کام ہی ایسا ہے جس نے دنیا کے گوشہ گوشہ میں دین پہنچایا اور برابر پہنچا رہا ہے

شاگرد قاضی ابو یوسف ؒ، امام محمد ؒ، عبداللہ بن مبارک ؒ وغیرہ کی کتابوں کو ایسا قبولِ عام حاصل تھا کہ انہیں ائمہ اور حفاظ حدیث کو بھی لکھے اور یاد کیے بغیر چارہ نہ تھا چنانچہ ابوبکر احمد بن محمد الخلال (م:۳۱۱ھ) کا بیان ہے

"کان احمد کتب کتب الرای وحفظها"[۱]

امام احمد ؒ نے کتب الرائے (فقہ حنفی کی کتابیں) لکھیں اور انہیں زبانی یاد کیا تھا،

خیر القرون میں طبقاتِ کتبِ سنن وآثار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم الخ" کے مطابق سب سے بہتر وہ زمانہ ہے جو میرا زمانہ ہے (عہدِ نبوی)، پھر میرے بعد آنے والوں کا زمانہ ہے (صحابہ کا دور)، پھر اُن کے بعد آنے والے تابعین کا زمانہ بہتر ہے، یہ وہ خیر وبرکت کا زمانہ ہے جس کی خیریت وبرکت کی ضمانت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، یہ ترتیب زمانی بہتر ترتیب ہے

اس سے یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ طبقاتِ کتبِ سنن وآثار میں زمانی ترتیب سب سے بہتر ترتیب ہے اس لیے کہ یہ زمانی، رتبی اور طبعی شرف وبرتری اور خیر وبرکت پر مبنی ہے

اس سے ثابت ہوا کہ اولیت کا شرف صحابہ ؓ کے صحیفوں کو، پھر تابعین ؒ کی تالیفات وتصنیفات کو، پھر تبع تابعین ؒ کی تالیفات وتصنیفات کو حاصل ہے

لہٰذا جن سنن وآثار کی تالیفات کو یہ شرف حاصل ہے انہیں حسب مراتب زمانی، طبعی، رتبی شرف وبرتری اور ترجیح مابعد کی تالیفات پر حاصل رہے گی

---

[۱] سیر اعلام النبلاء، ج:۱۱، ص:۱۸۸

اس اصول کی روشنی میں ظاہر ہے صحابہؓ کے صحیفوں، تابعینؒ کی تصنیفات، تبع تابعینؒ کی تالیفات، پھر ان کے مابعد کی تالیفات کو جو شرف وبرتری حاصل ہے وہ ان کے بعد کی تالیفات کو حاصل نہیں

خیر وبرکت زمانی کی وجہ سے ترتیب زمانی کو مابعد کے زمانہ پر ترجیح حاصل رہے گی چنانچہ صحابیؓ کی روایت کو تابعیؒ کی روایت پر ترجیح حاصل ہے اور تابعیؒ کی روایت کو تبع تابعیؒ کی روایت پر ترجیح حاصل رہے گی

قاضی ابو یوسفؒ، امام مالکؒ، امام محمدؒ، امام اوزاعیؒ، ابن جریجؒ، سفیان ثوریؒ، شعبہؒ ائمہ فن اور علم کے سمندر ہیں اور ان میں سے بعض مجتہد تبع تابعی ہیں

مذکورہ بالا دوسری سند میں امام اعظم ابو حنیفہؒ تابعی ہیں، حضرت حمادؒ، حضرت ابراہیمؒ، علقمہؒ اور اسودؒ یہ سب ائمہ تابعینؒ ہیں، تاہم طبقہ میں ایک دوسرے سے بالاتر ہیں

زمانی ترتیب کی اہمیت:

یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تالیف ''کتاب الآثار'' خیر القرون (عہدِ نبوی، دورِ صحابہؓ و تابعینؒ) کی تالیفات میں سے ہے اس زمانہ میں اسلامی قلمرو میں چوٹی کے حفاظِ حدیث اور راویانِ سند پر تنقید کرنے والے بکثرت موجود تھے

امام ابو حنیفہؒ کے سب شاگرد کتاب الآثار کے راوی ہیں اور جن ائمہ حدیث کی کتابوں کو پڑھا جاتا تھا اور ان سے برکت حاصل کی جاتی تھی اور انہیں شہرت حاصل تھی ان میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تالیفات بھی شامل ہیں، آپ کی تالیفات کو آپ کے زمانہ میں قبول عام حاصل تھا، جیسا کہ حاکم نیشاپوری کی

''معرفة الحدیث'' کی اُنچاسویں نوع میں بصراحت موجود ہے، وھو ھذا

ذکر النوع التاسع والاربعین

''ھذا النوع من ھذہ العلوم معرفة الائمة الثقات المشھورین من التابعین وأتباعھم ممن یجمع حدیثھم للحفظ والمذاکرة والتبرک بھم وبذکرھم من الشرق الی الغرب[۱]''

اُنچاسویں نوع کا بیان: یہ نوع اُن مشہور تابعین، تبع تابعین ائمہ ثقات کے بیان میں ہے کہ جن کی حدیثیں (۱) حفظ و(۲) مذاکرۃ اور (۳) برکت کی خاطر جمع کی جاتی ہیں اور (۴) مشرق سے مغرب تک انہیں یاد کیا جاتا ہے

اس عنوان کی ذیلی سرخی (ص: ۲۴۵) میں اہل کوفہ میں امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت التیمیؒ کی تصریح ہے، اس میں ابراہیم نخعیؒ، امام اعمشؒ، امام سفیان ثوریؒ، منصور کے نام ہیں، ائمہ کوفہ کی فہرست لمبی ہے

اس فہرست سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو علوم حدیث وروایت حدیث میں شہرت بھی حاصل تھی، ان کی حدیثوں کو یاد بھی کیا جاتا تھا، اس کا مذاکرہ کیا جاتا تھا اوران سے برکت حاصل کی جاتی تھی اور مشرق سے لے کر مغرب تک ان کا چرچا بھی تھا

امام ابوحنیفہؒ کی تالیفات کو اُن کے زمانہ میں قبولِ عام حاصل تھا چنانچہ دوسری صدی ہجری کے نامور ادیب ومتکلم ابوعثمان جاحظ (۱۶۰ھ- ۲۵۵ھ)

---

[۱] معرفة علوم الحدیث ص: ۲۴۰

حسب ذیل عنوان (فائدۃ کتب ابی حنیفہ) کے تحت لکھتا ہے:

"وقد تجد الرجل يطلب الآثار وتاويل القرآن ومجالس الفقهاء خمسين عاماً، وهو لا يعد فقيهاً ولا يجعل قاضياً فما هو الا أن ينظر فی كتب أبی حنيفة، وأشباه أبی حنيفة، ويحفظ كتب الشروط فی مقدار سنة أوسنتين، حتى تمر ببابه فتظن أنه من باب بعض العمال وبالحذاء الآ يمر عليه من الأيام الا اليسير، حتى يصير حاكماعلى مصر من الأ مصار أو بلد من البلدان[1]"

اور تو کسی آدمی کو پائے گا کہ وہ آثار وسنن اور تفسیر وتاویل قرآن کا طلب گار ہوگا، اور پچاس برس تک فقہاء کی ہم نشینی کرتا رہے گا، اس کے باوجود نہ تو اس کا شمار فقہاء میں ہوگا اور نہ اسے قضاء کا عہدہ نصیب ہوگا، مگر جب امام ابوحنیفہ اور ان جیسوں کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا، اور کتب شروط سال دو سال میں یاد کرے گا یہاں تک کہ تو اس کے دروازے سے گزرے گا تو گمان کرے گا کہ یہ کسی رئیس و حاکم کا دروازہ اور صحن ہے، چند ہی دن گزریں گے کہ کسی شہر و بلد کا حاکم ہوگا،

اس سے معلوم ہوا کہ اس دور میں فقیہ ہونا کیسا مشکل کام تھا

[1] کتاب الحیوان ج:۱،ص:۶۰ طبع: دار الکتب العلمیۃ

مؤطا امام مالکؒ، مؤطاامام محمدؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ تبع تابعین کی تالیفات کو جو مقام ومرتبہ حاصل ہے مابعد کی تالیفات کو نہیں

زمانی ترتیب کے اعتبار سے بھی ''کتاب الآثار'' خیرالقرون کی تالیفات میں سے ہے اس لیے اس کو تبع تابعین کی تالیفات پر ترجیح حاصل ہے یہی سلسلہ بعد میں بھی جاری رہے گا

باقی مشہور ترین کتب اَحادیث کا تعلق چونکہ خیرالقرون کی تالیفات سے ہے ہی نہیں لہٰذا اُن کا مقام ومرتبہ بھی ''کتاب الآثار'' سے کم تر اور تبع تابعین کی کتابوں سے بھی فروتر ہے، جیسا کہ'' النکت ''میں حافظ ابوعمرو ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''قال الامام بدرالدین الفقیه الاصولی النظار محمد بن عبدالله الزَّرْکَشی الشافعیؒ(م:۷۹۴ھ):

وایضًا قوله''ان الامّة تلقت الکتابین بالقبول'' ان أراد کل الامّة فلا یخفٰی فساده لان الکتابین اِنما صُنفا فی المائة الثالثة بعدعصر الصحابة والتابعین وتابعیهم وائمة المذاهب المتبعة ورء وس حفّاظ الأخبار ونُقّاد الآثار،وان اراد بالامة الذین وُجدوا بعد الکتابین فهم بعض الامة لا کلّهم فلا یستقیم دلیله الذی قدره من تلقی الامّة وثبوت العصمة لهم[1]''

محدث، نامور فقیہ واصولی علامہ الزرکشی شافعیؒ (م:۷۹۴ھ) نے فرمایا: اُمت میں ان دونوں کتابوں کو قبول حاصل رہا

---

[1]: النکت علی ابن الصلاح، النوع الاول: معرفۃ علوم الحدیث، تحقیق محمد علی سمک: طبع: دارالکتب العلمیہ بیروت ص:۸۹

ہے'' (حافظ ابوعمرو بن الصلاحؒ کے مذکورۂ بالا قول سے) مراد
اگر پوری اُمت ہے تو اس بات کا بے بنیاد ہونا ہر ایک کو معلوم
ہے اس لیے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم یہ تیسری صدی ہجری کی
تالیفات میں سے ہیں، اور اگر (حافظ ابوعمرو بن الصلاح کے
قول) ''اُمت'' سے مراد ایسی اُمت ہے جو ان دونوں
کتابوں کے وجود کے بعد آئی ہے تو وہ امت کا کچھ حصہ ہے،
(تو وہ پوری امت نہیں)، لہٰذا یہ بھی بے اصل اور بے بنیاد
بات ہوئی (اس بناء پر) تلقی وقبولِ اُمت اور ثبوتِ عصمت
کے دعویٰ میں جس دلیل سے حافظ ابوعمرو بن الصلاحؒ نے
اندازہ لگایا ہے وہ ایک بے بنیاد بات ہے

اِن وجوہ سے طبقات کتب سنن وآثار میں زمانی ترتیب سب سے بہتر وموزوں ترتیب قرار پاتی ہے

اخبارِ آحاد پر عمل:

آیات احکام کے بعد ائمہ مذاہب کے یہاں مذہب کی بنیاد اکثر وبیشتر ''اخبارِ آحاد'' ہوتی ہیں، لیکن عموماً یہ ایسی اخبار آحاد ہوتی ہیں جن کے راوی ثقہ، حافظِ حدیث اور فقیہ ہیں

مذہبِ حنفی کی خوبی:

لیکن مذہبِ حنفی کی خوبی یہ ہے کہ ان کے یہاں ایسی ''خبر واحد'' کو بنیاد بنایا جاتا ہے جو فقہاء کے یہاں معمول بہا ہوتی اور ان میں تواتر عملی پایا جاتا ہے جیسا کہ قاضی ابو یوسفؒ کے قول سے عیاں ہے، چنانچہ امام موصوف امام ابوعمرو اوزاعیؒ (م: ۱۵۷ھ) سے فرماتے ہیں:

”فعليك من الحديث ماتعرف العامة، وإياك والشاذ منه[1]“

آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ ہمارے مقابلہ میں معمول بہا حدیثیں پیش فرمائیں اور غریب وشاذ حدیثیں پیش کرنے سے گریز کریں

معمول بہا حدیث وآثار پر عمل وہ تواتر عملی[2] ہے جس کے متعلق امام محمدؒ ”موَطا محمد“ میں جا بجا فرماتے ہیں

”وهو قول ابی حنيفة والعامة من فقهائنا[3]“

اور یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے

”قال الامام الحافظ الجصاص فی أحكام القرآن وهو يتحدث عن حديث: ”ليس للقاتل من الميراث شيئ“: وقد استعمل الفقهاء هذا الخبر، وتلقوه بالقبول فجرى مجرى التواتر كقوله عليه السلام:

---

[1] الرد علی سیر الاوزاعی ص:۲۴، طبع: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

[2] علامہ محقق ابن الہمام (م:۸۶۱ھ) کے نامور شاگرد علامہ ابن امیر الحاج (م:۸۷۹ھ) التقریر والتحبیر میں رقم طراز ہیں

”المتواتر نوعان: متواتر من حيث الرواية، ومتواتر من حيث ظهور العمل به من غير نكير فان ظهوره يغنى الناس عن روايته“

متواتر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) روایت کے اعتبار سے تواتر حاصل ہو

(۲) عمل کے اعتبار سے تواتر حاصل ہو، اس پر کسی کو مجال سخن نہیں (سب کے لیے قابل قبول ہے) اس لیے کہ اس پر ہمیشہ عمل کا پایا جانا مخالف روایتوں پر عمل کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے (التقریر والتحبیر ج:۳، ص:۶۴)

یہ اہم بات ہے کہ احناف ایسی روایتوں کو جن پر تواتر عملی نہیں پایا جاتا عمل نہیں کرتے

[3] موَطا الامام مالک روایۃ محمد بن حسن الشیبانی ص:۱۳، ۹۰، ۱۱۹، ۱۳۸، تحقیق: عبد الوھاب، طبع: المکتبۃ العلمیہ بیروت

"لا وصيّةَ لوارثٍ"وقوله: "لا تنكح المرأة على عمّتها ولا على خالتها"و"اذا اختلف البيّعان فالقول ماقاله البائع او يترادّان"وما جرى مجرى ذٰلک من الاَخبار التی مخرجها من جهة الاَفراد،وصارت فی حيّز التواتر لتلقّی الفقهاء لها بالقبول من استعمالهم ايّاها[1]"

چنانچہ امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں مذکورہ بالا امر کی زیادہ وضاحت سے روشنی ڈالی ہے، وہ حدیث "لیس للقاتل من المیراث شیئ" (قاتل کو میراث میں سے کوئی چیز نہیں ملے گی)، اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: فقہاء نے اس حدیث پر عمل کیا، اسے قبول کیا اس لیے اس حدیث نے تواتر کا درجہ پایا، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لا وصيةَ لوارثٍ" (وارث کے حق میں وصیت نہیں چلے گی۔ اس کے حق میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی) اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: "لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها" (کسی عورت کو اس کی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا) اور "اذا اختلف البيّعان فالقول ماقاله البائع او يترادان" (خریدار اور بیچنے والے میں جب

---

[1] احکام القرآن ج:۱،ص:۳۷

اختلاف ہو جائے ،اس صورت میں بیچنے والے کی بات کا
اعتبار ہوگا یا سودا ہی نہ ہوگا)

اس جیسی حدیثیں جو حقیت میں خبر واحد ہیں، فقہاء کے یہاں معمول بہا ہونے کی وجہ سے تواتر کی حیثیت اختیار کرجاتی ہیں

وقال فی موضع آخر من " أحکام القرآن" بعد ذکر
حدیث الزکٰوة،"انّھا لا تجب اِلابعد حولان
الحول"، وھذاالخبر فی الحول وان کان من أخبار
الآحاد،فاِنّ الفقھاء قد تلقّتہ بالقبول واستعملوہ
فصار فی حیّز التواتر الموجب للعلم[1] "

احکام القرآن میں زکوٰۃ کی حدیث کہ''زکوٰۃ سال گزرنے
کے بعد واجب ہوتی ہے'' کی تشریح میں کہا ہے کہ یہ حدیث
اگرچہ اخبار آحاد میں سے ہے لیکن فقہاء کے یہاں اسے قبول
حاصل ہے، یہ فقہاء کے یہاں تواتر کا مقام حاصل کرگئی ہے
اور یہ تواتر یقین استدلالی کا فائدہ دیتا ہے

یہی بات نامور فقیہ واصولی شیخ ابواسحاق شیرازی شافعیؒ (م:۴۷۶ھ) لکھتے ہیں:

''خبر الواحد الذی تلقتہ الأمّة بالقبول فیقطع
بصدقہ سواء عمل الکل بہ او عمل البعض
أوتأولہ البعض فھذہ الاخبار توجب العملَ ویقع
العلمَ بھا استدلالا

---

[1] احکام القرآن ج:۳،ص:۱۵۰

والثانی یوجب العملَ ولایوجب العلمَ، وذالک مثل الاخبار المروية فی السُّنَنِ والصِّحاحِ وما أشبهها[۱]"

ایسی خبر واحد جسے امت میں قبول حاصل ہو اس کی سچائی یقینی قرار دی جاتی ہے، برابر ہے کہ سب فقہاء نے اس پر عمل کیا ہو یا بعض فقہاء نے یا بعض نے اس کی تاویل کی ہو[۲]

اس قسم کی روایتیں عمل کو ضروری قرار دیتی ہیں اور اس سے علم استدلالی حاصل ہوتا ہے

دوسری قسم کی روایتیں عمل کو ضروری قرار دیتی ہیں ان سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا علم ظنی حاصل ہوتا ہے ان کی مثال وہ روایتیں ہیں جو سنن وصحاح اورانہی جیسی کتابوں میں موجود ہیں

امام ابوحنیفہؒ کے اُصول وماَ خذ:

"(۳۱۶۳) حدثنا یحییٰ قال :حد ثنا عبید بن ابی قرة، قال: سمعت یحیی بن ضریس یقول: شهدت سفیان واتاه رجل، فقال: ماتنقم علی ابی حنیفة قال: وماله؟ قال: سمعته یقول آخذ بکتاب الله فمالم اجد، فبسنةِ رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فان لم اجد فی کتاب الله ولاسنة (رسوله) آخذ بقول أصحابه، آخذ

---

۱ اللمع فی اصول الفقہ ص:۳۹، طبع: مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

۲ امام طحاویؒ کی کتاب "شرح معانی الآثار" اس امر کی شاہد عدل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے حدیث آثار کو کیسے سمجھا اور کیسے ثابت کیا

بقول من شئت منهم وادع قول من شئت، ولا اخرج من قولهم الی قول غیرهم، فاذا ما انتهی الامر اوجاء الامر الٰی ابراهیم والشعبی وابن سیر بن والحسن، وعطاء، وسعید بن المسیب وعدد رجالا، فقوم اجتهد وافاَجتهدُ، کما اجتهدوا، قال: فسکت سفیان طویلا ثم قال کلمات برأیه ،مابقی احدٌ فی المجلس الاکتب: نسمع التشدید من الحدیث فنخافه ونسمع اللین فنرجوه، لانحاسب الأحیاء، ولانقضی علی الاموات، نسلم ماسمعنا ونکل مالم نعلمه الی عالمه، ونتهم رأینا الٰی رأیهم[۱]"

یحیی بن معین بسند متصل حافظ،فقیہ،قاضی الرائے امام اسحٰق ابن راہویہ اوراپنے اُستاذ یحیٰ بن ضریس کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ میں حضرت سفیان ؒ (۹۷-۱۶۱ھ) (موصوف امام ابوحنیفہؒ سے سترہ برس چھوٹے تھے) کی مجلس میں آیا، اسی اثناء ان کی خدمت میں ایک اور آدمی آیا، اس نے کہا کہ آپ امام ابوحنیفہؒ پر کیوں حرف گیری کرتے ہیں؟ حضرت سفیانؒ نے فرمایا وہ کیا بات کہتے ہیں (جو تم ان کا دفاع کرتے ہو؟) اس آدمی نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں کتاب اللہ سے دلیل پیش کرتا ہوں لیکن جو بات مجھے کتاب اللہ میں نہیں ملتی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

---

[۱] یحیی بن معین وکتابہ التاریخ ج:۴،ص:۶۳،۶۴ (رقم:۳۱۶۳)

وسلم کے سنن و آثار میں جستجو کرتا ہوں، کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنن و آثار میں نہ ملے پھر میں صحابہؓ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُقوال میں سے (جو سنت کے زیادہ قریب ہوتا ہے لے لیتا ہوں) اور جس کا قول (سنت سے قریب نہیں ہوتا) چھوڑ دیتا ہوں اور صحابہؓ کے اُقوال کو چھوڑ کر کسی اور کا قول اختیار نہیں کرتا، اور جب (تابعین پر بات آجائے) جیسے ابراہیم، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء، سعید ابن المسیب، تو انہیں نے چونکہ اجتہاد کیا پس میں (انہی کی طرح) اجتہاد کرتا ہوں جیسا کہ انہوں نے اجتہاد کیا (یعنی وہ اس کو قابل حجت سمجھتے ہیں) راوی کا بیان ہے کہ پھر حضرت سفیانؒ بہت دیر تک خاموش رہے، پھر کچھ باتیں کہیں، مجلس میں سے ہر کسی نے لکھیں "ہم حدیث میں کوئی وعید سنتے ہیں کانپ جاتے ہیں اور خوشخبری سنتے ہیں اس کی اُمید کرتے ہیں، ہم محاسبہ نہیں کرتے زندوں کا اور مردوں پر حکم نہیں لگاتے (یعنی وہ جنتی ہیں یا نہیں) جو ہم نے سنا اس کو تسلیم کرتے ہیں اور جو ہم نہیں جانتے اس کو اس کے جاننے والے کے سپرد کرتے ہیں اور ان کے مقابلے میں اپنی رائے کو متہم سمجھتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب ابراہیم نخعی کے بھی پیرو نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے

حدیث واثر پر عمل:

چنانچہ نعیم بن عمرو کا بیان ہے:

"روی الموفّق في مناقبه عن نُعیم بن عمرو قال: سمعت ابا حنیفة رحمه الله یقول: عَجبًا للناس یقولو ن انی افتی بالرأی، ما أفتی الا بالأثر[1]"

امام موفقؒ نے اپنی کتاب "مناقب" میں نعیم بن عمرو سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے سنا وہ فرماتے تھے لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ کہتے ہیں میں اپنی رائے سے فتوی دیتا ہوں، حالانکہ میں فتوی نہیں دیتا مگر حدیث سے،

ابن ابی العوام نے بسند متصل عبدالوارث بن سعید سے نقل کیا ہے:

"میں مکہ میں آیا وہاں میں اَبوحنیفہ، ابن اَبی لیلیٰ اور ابن شبرمہ سے ملا تو میرے دل میں آیا کہ میں ایک مسئلہ ان سے ضرور پوچھوں گا، چنانچہ میں امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، پوچھا کہ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ساماں بیچا اور ایک شرط بھی لگائی؟ تو انہوں نے جواب دیا بیع باطل ہے یعنی شرط لگانے سے بیع باطل ہوگئی

میں نے وہی مسئلہ ابن اَبی لیلیٰ کے سامنے پیش کیا اور پوچھا: آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ شرط باطل اور بیع درست ہے

---

[1] مناقب موفق ج:۱،ص:۷۷،۸۷

میں اُبن شبرمہ کی خدمت میں پہنچا، اور میں نے ان کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھا، اوران کی رائے پوچھی؟، انہوں نے جواب دیا کہ شرط بھی جائزاور بیع بھی جائز ہے

میں لوٹ کرامام صاحبؒ کے پاس آیااور میں نے ان دونوں مجتہدوں کا جواب بھی بتایا(اور عرض کیا کہ مسئلہ ایک اور جواب تینوں کا مختلف ہے؟) امام صاحب نے فرمایا: کہ ان کے بات کاان سے مأ خذاور دلیل پوچھو، میری دلیل عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث ہےاوروہ یہ ہے،

" حدثنی عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده : ان رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم بعث عتاب بن أسید ونهٰی عن بیع وشرط"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو کہیں بھیجا، اورانہیں کہا'' جس بیع میں شرط لگائی جائے وہ بیع درست نہیں'' (اس وجہ سے بیع بھی باطل اور شرط بھی باطل ہے، یعنی دونوں ناجائز)

پھرابن ابی لیلیٰ کے پاس آیا، اورانہوں نے اپنی دلیل یہ بیان کی

"عن عائشة ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم امرها أن تشتری بریرة وتشترط لهم الولاء"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: '' بریرہ باندی کوخریدواور ولاء کی شرط بھی لگادو'' (کہ

خریدنے والا اس کی میراث کا وارث بنے گا) بیع جائز اور
شرط باطل ہے (کہ بیچنے والا میراث کا وارث نہیں رہے گا)
پھر ابن شبرمہ کے پاس آیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے مسعر بن
کدام نے بسند متصل حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ
''حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں جس اونٹ پر سوار تھا وہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے خریدا، میں نے یہ شرط
لگائی کہ میں مدینہ تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا پھر دوں
گا'' (بیع بھی جائز اور شرط بھی جائز)

اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف کی صورت میں ہر شخص اپنی دلیل پیش کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ بغیر کسی حدیث اور اثر کے فتویٰ نہیں دیتے تھے

اُمت میں ائمہ فقہاء کا مقام:

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ امت کے یہ فقہاء جن کا مذہب امام ترمذیؒ ''سنن الترمذی'' میں نقل کرتے ہیں ان کی عدالت امت میں مسلَّم ہے، ان پر زبان کھولنا اور انہیں برا بھلا کہنا ہرگز روا نہیں

فقیہ امام ابو اسحاق شیرازیؒ لکھتے ہیں

''ان الراوی لا یخلو اما ان یکون معلوم العدالة
او معلوم الفسق او مجهول الحال، فان کانت
عدالته معلومة کالصّحابة رضی اللّٰہ عنہم، او
افاضل التابعین کالحَسَنِ وعطاء والشعبی
والنخعی واجلاء الأئمة کمَالکٍ وسفیان وابی

حنیفة والشافعی واحمد واسحاق ومن جری مجراهم وجب قبول خبره ولم یجب البحث عن عدالته[1]"

راوی دو حال سے خالی نہیں یا معلوم العدالة (ہر شخص اس کی عدالت کو جانتا ہوگا) یا اس کا فسق وفجور معلوم ہوگا یا وہ ایسا راوی ہوگا جس کا حال معلوم نہ ہوگا، جن کی عدالت ہر ایک کو معلوم ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں یا فاضل تابعین ہیں جیسے حسن بصریؒ، عطاءؒ، شعبیؒ، نخعیؒ اور جلیل القدر ائمہ جیسے امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور جو ان کی راہ پر گامزن ہیں، ان کی روایت قبول کرنا ضروری ہے اور ان کی عدالت سے بحث غیر ضروری بات ہے (اور انہیں برا بھلا کہنا آخرت برباد کرنا ہے)

حافظ الذہبیؒ نے "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" کے مقدمہ میں بھی اس امر کی توثیق کی ہے[2]

روایتِ فقہاء کی اہمیت امام مالکؒ کے یہاں:

امام مالکؒ کی سند میں سب فقہاء ہی ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے فقہی مسائل کی بنیاد فقہاء کی روایت ہوتی ہے، وہ اکثر غیر فقیہ سے روایت نہیں لیتے ہیں بلکہ فقیہ اور فقہاء کی روایت قبول کرتے ہیں[3]

---

[1] اللمع فی اصول الفقہ ص:۴۱، طبع: مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

[2] میزان الاعتدال ج:۱، ص:۲، تحقیق: علی محمد البجاوی ، [3] ما ناخذ الحدیث الا عن الفقهاء (الاسعاف المبطاء ص:۴) ترجمہ: ہم فقہاء کے سوا کسی اور سے حدیث نہیں لیتے ہیں

پس فرق اتنا ہے کہ وہ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے اہل مدینہ کے تعامل کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں

امام مالک ؒ ''المؤطا'' میں فرماتے ہیں:

وھذاالذی ادرکتُ علیه الناس واھل العلم ببلادنا[۱] ''

یہ سب وہ عمل ہے جس پر میں نے شہر کے اہل علم اور عام لوگوں کو عمل کرتے پایا

اور کہیں فرماتے ہیں:

''ادرکت الناس علیه[۲] ''

میں نے اس پر لوگوں کو عمل کرتے دیکھا ہے

اور کہیں کہتے ہیں:

''ھذا الامر المجتمع علیه عندنا[۳] ''

یہ وہ بات ہے جس پر ہمارے یہاں سب کا اتفاق ہے

کہیں لکھتے ہیں:

''ھذا الامر الذی لا اختلاف فیه عندنا[۴] ''

یہ وہ بات ہے جس میں ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں

کہیں لکھتے ہیں:

''لم یزل اھل العلم ببلادنا[۵] ''

اس پر شہر کے اہل علم کو برابر عمل کرتے پایا

---

[۱] مؤطاامام مالک ؒ ج:۱،ص:۳۲ ، [۲] ایضاً ج:۱،ص:۱۰۹ ، [۳] ایضاً ج:۱،ص:۵۴،
[۴] ایضاً ج:۱،ص:۱۴۸ ، [۵] ایضاً ج:۱،ص:۹۰،ج:۲،ص:۱۴۲

سنت عمری عموم قرآن پر عمل:

ابن حزم نے ''الاحکام[1]'' میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بسندِ متصل ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے گورنر نے انہیں لکھا کہ ''ایلہ[2] '' میں ایک غلام نے چوری کی، اہلِ مدینہ کا تعامل یہ ہے کہ وہ چوری میں غلام کا ہاتھ نہیں کاٹتے بلکہ آزاد چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹتے ہیں، آپ فرمائیں کہ کیا کریں؟

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **السّارق والسّارقة فاقطعوا ایدیهما** (المائدۃ آیت:۳۸)

اس میں آزاد وغلام کا فرق نہیں کیا گیا کیونکہ عموم قرآن میں دونوں داخل ہیں، اس لیے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ابن حزم اس پر یہ لکھتے ہیں:

> **''فهذا عمر بن عبدالعزیز لم یلتفت الی عمل اهل الحجاز وأخذ عموم القرآن وهو الذی لا یجوز خلافه''**
>
> یہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں جنہوں نے اہلِ حجاز کے عمل کی طرف التفات نہیں کیا (عمل نہیں کیا)، اور عمومِ قرآن پر عمل کرتے تھے اور یہ ایسی بات ہے جس سے اختلاف جائز نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ سنت عمری عمومِ قرآن پر عمل کرنا ہے۔

المؤطا کی تالیف و اس کا قبول عام:

''المؤطا'' کی تالیف خلیفہ ابو جعفر منصور (۹۵ - ۱۵۸ھ/

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام ج:۲،ص:۱۳۳، ۱۳۴، طبع: مطبعۃ النعصہ ۱۳۴۶ھ ، [2] ایلہ: بحر قلزم کے کنارے اور شام سے متصل ایک شہر ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حجاز کی آخری سرحد ہے، یہیں سے شام کی سرحد شروع ہوتی ہے (مراصد الاطلاع ص:۱۳۸، مادۃ (الھمزۃ والیاء)، طبع: دار المعرفۃ لبنان الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۳ھ

۱۴ا-۷۷۵ء) کے آخری زمانے میں انجام کو پہنچی، اور قبولِ عام خلافت ہارون الرشید میں حاصل ہوا۔ چنانچہ مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین الذھبی (م:۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

"وقصده طلبة العلم من الآفاق فی آخر دولة ابی جعفر المنصور وما بعد ذلک وازدحموا علیه فی خلافة الرشید و الیٰ أن مات[1]"

خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کی فرمانروائی کے آخری زمانے میں اور اس کے بعد طلبہ نے اطراف عالم سے تحصیل علم کے لیے امام مالک کی طرف رخ کیا، اور ہارون الرشید کے دورِ خلافت میں طلبہ ان پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا

مذکورۂ بالا اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ "المؤطا" کی تالیف بھی خلیفہ ابو جعفر منصور کے آخری ایام میں شروع ہوئی اس لیے کہ ہمیں راویانِ المؤطا میں کوئی ایسا راوی نہیں ملتا جس نے تصریح کی ہو کہ میں نے ۱۵۸ھ سے پہلے "المؤطا" امام مالکؒ سے پڑھی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب قیاس پر مبنی ہے کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس سے معلوم ہو کہ "المؤطا" ۱۵۰ھ سے پہلے کی تالیف ہے بلکہ اس عصر کے دو محقق شیخ محمد زاہد کوثریؒ اور میرے بڑے بھائی محقق عصر مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کی بات مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں جو ان کے پیش نظر نہیں، درست ہے۔

---

[1]: اعلام النبلاء ج:۸،ص:۵۵، تذکرہ امام مالکؒ

امام محمد رحمہ اللہ کی تدریسی و تصنیفی خدمات کا مروّجہ فقہی مذاہب پر اثر:

امام محمد رحمہ اللہ کی تدریسی و تصنیفی خدمات کا دائرہ ایشیا تک محدود نہ تھا بلکہ اس سے افریقہ و دیارِ مغرب کو بھی فیض یابی کا موقع ملا اور ان سے اسلامی قلم رو میں عظیم علمی انقلاب رونما ہوا۔

شافعی مذہب:

شافعی مذہب افریقہ میں ان کے شاگرد الامام الشافعی کی بدولت معرض وجود میں آیا، پنپا اور پروان چڑھا، امام شافعیؒ فرماتے تھے

"أمَنُّ النّاس عليَّ فِي الفقه محمد بن الحسن[1]"

مجھ پر لوگوں میں سب سے زیادہ احسان فقہ میں محمد بن الحسن الشیبانی کا ہے

امام شافعی کی مجتہدانہ بصیرت سے سرزمین مصر کو (۱۹۸ھ/۸۱۳ء) میں یہ فخر حاصل ہوا کہ وہاں اہلسنت والجماعت کے چار مشہور مذاہب میں سے تاریخی اعتبار سے تیسرا مذہب، مذہب شافعی پہلے افریقہ میں پروان چڑھا، پھر دوسرے مذاہب کی طرح اسلامی دنیا (ایشیا) میں پھلا پھولا، چنانچہ تاج الدین سبکیؒ (م:۷۷۱ھ) شافعیہ کی علمی راجدھانیوں مصر، شام، بغداد، خراسان، یمن کی نشاندہی کرنے کے بعد ان کے بلاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مشرق میں اختلاف اقالیم اور وسعت بلاد کے باوجود دوسرے شہروں میں جیسے سمرقند، بخارا، شیراز، جرجان، رے، اصفہان، طوس، ساوہ، ہمدان، دامغان، زنجان

---

۱ تاریخ بغداد ج:۲، ص:۱۷۶

بسطام، تبریز، بیہق، میمنہ، استراباد وغیرہ شہر جو اقالیم ماوراء النہر میں داخل ہیں خراسان ، آذربائیجان، مازندران، خوارزم، غزنہ، صحاب، غور، کرمان سے بلاد ہند تک اور تمام ماوراء النہر سے چین کے اطراف تک، عراقِ عجم و عراقِ عرب وغیرہ میں ایسے شہر آباد تھے جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی رہتی اور دل باغ باغ ہوتے تھے لیکن افسوس تاتاریوں نے انہیں تباہ کردیا

ثم انقضت تلک البلاد واهلها فکانها وکانهم احلام[1]

پھر یہ شہر اور اہل شہر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے گویا وہ شہر اور ان کے مکین سب خواب ہو گئے

مالکی مذہب:

امام محمد رحمہ اللہ کے دوسرے نامور شاگرد علامہ قاضی اسد بن الفرات بن سنان الحرانی ثم القیروانی (۱۴۲-۲۱۳ھ/ ۷۵۹-۸۲۸ء) ہیں جن کے تذکرہ کا آغاز مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی (م: ۷۴۸ھ) نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"الامام، العلامة، القاضی، الامیر، مقدم المجاهدین ابو عبد الله الحرانی ثم القیروانی[2]"

موصوف ۱۷۲ھ میں قیروان سے نکلے[3]، امام مالک رحمہ اللہ سے اس سال المؤطا کا سماع کیا[4]، یہ دیار مغرب سے آئے تھے اس لیے امام مالک ان پر بہت مہربان تھے، موصوف نے جب فرضی مسائل (آیندہ پیش آنے والے

[1] عبدالوہاب السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ تحقیق محمود محمد الطناحی عبدالفتاح محمد الحلو مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، ب، ت، ج:۱ ص ۳۲۷، ۳۲۸، [2] سیر اعلام النبلاء ج:۱۰، ص:۲۲۵ ، [3] بلوغ الامانی ص:۱۴ [4] سیر اعلام النبلاء ج:۱۰، ص. ۲۲۵

مسائل) کے متعلق سوالات کیے امام مالک نے فرمایا تم عراق جاؤ[1]، ان کا دل ٹوٹا مگر امام مالک کو کیا معلوم تھا کہ یہ سائل ان کے مذہب کو عالم اسلامی میں پروان چڑھانے کا اصل محرک ثابت ہوگا (جیسا کہ آگے آتا ہے) یہ عراق آئے، یہاں امام ابو یوسف، حافظ وفقیہ یحییٰ بن ابی زائدہ کوفی (۱۱۹ - ۱۸۲ھ/ ۷۳۷-۷۹۸ء) سے پڑھا[2] اور امام محمدؒ سے سب سے زیادہ استفادہ کیا[3]، ان پر رائے وقیاس کا زیادہ غلبہ ہوگیا[4]، اس لیے موصوف نے فقہی مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کی کتابیں نقل کیں[5] اور ۱۷۹ھ/ ۷۹۵ء میں جب امام مالکؒ کی وفات کی خبر ملی بغداد سے مدینہ آئے، مختصر قیام کے بعد مصر کا رخ کیا، یہاں امام مالکؒ کے بڑے شاگرد موجود تھے، چنانچہ پہلے امام ومفتی عبد اللہ بن وہب مصریؒ (۱۲۵-۱۹۷ھ/ ۷۹۷-۸۱۳ء) جو چوبیس برس امام مالک رحمہ اللہ کی صحبت میں رہے تھے[6] سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتابوں میں مذکورہ مسائل کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کی رائے فتوے معلوم کیے موصوف نہایت پرہیز گار بزرگ تھے انہوں نے رائے دینے سے معذرت کی[7]، پھر امام مالکؒ کے دوسرے ممتاز شاگرد عبد الرحمٰن بن القاسم المصری (۱۳۲-۱۹۱ھ/ ۷۵۰-۸۰۶ء) کے سامنے اپنا مقصد پیش کیا انہیں جو زبانی یاد تھا بتایا اور جن مسائل میں تردد اور شک تھا ان کے متعلق ''اخال'' (میرا خیال ہے) ''احسب'' (میں سمجھتا ہوں) ''اظن'' (میرا گمان اور میری رائے ہے) کے الفاظ سے اظہار خیال کیا[8]، اسد بن الفرات جو مسائل ان سے پوچھتے تھے وہ تین سو چمڑوں کے ٹکڑوں میں ان کے

---

۱ بلوغ الامانی ص:۱۴ ، ۲ الذہبی ج:۱،ص:۲۲۵ ، ۳ بلوغ الامانی ص:۱۵ ، ۴ سیر اعلام النبلاء ج:۱۰،ص:۲۲۵ ، ۵ ایضاً ، ۶ ایضاً ، ۷ ایضاً ج:۱۰،ص:۲۲۶ ، ۸ طبقات الفقہاء ص:۱۳۲

پاس محفوظ تھے[1] اس مجموعہ کا نام ''المسائل الاسدیۃ[2] '' ہے

موصوف جب قیروان پہنچے اس کو پڑھایا، أخذ واعنہ وتفقھوا بہ[3]

لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا اور فقہ میں بصیرت پیدا کی، خوب پذیرائی ہوئی،

ابو اسحاق الشیرازی لکھتے ہیں، ان کتابوں کی بدولت انہیں علمی فرمانروائی ملی[4] (قضاء کا عہدہ ملا)

عبدالسلام بن سعید التنوخی المعروف سحنون (۱۶۰-۱۸۸ھ/ ۷۷۷-۸۵۴ء) نے موصوف سے پڑھا[5]، اسد بن الفرات کے چھ برس کے بعد (۱۸۸ھ/۸۰۴ء) میں سحنون مصر آئے، امام عبدالرحمٰن بن القاسم العتکی سے ''الاسدیۃ'' کے مسائل میں مذاکرہ کیا' اس وقت ابن القاسم نے کہا: ''ان میں بعض ایسی باتیں ہیں جن میں تبدیلی ناگزیر ہے اور ان کا جواب اسد بن الفرات کو بھی لکھا، ''تم اپنی کتابوں کا سحنون کی کتابوں سے مقابلہ کرو'' لیکن اسد نے ایسا نہیں کیا جس سے انہیں دکھ ہوا[6]

سحنون کے اس اصلاحی اور مقابلہ واضافہ کیے ہوئے ''نسخۃ الاسدیہ لابن الفرات'' کا دوسرا نام ''المدونۃ الکبریٰ'' ہے یہ ''الاسدیہ'' کا نقش ثانی ہے جسے سحنون (۱۹۱ھ/۸۰۶ء) میں قیروان لائے، یہی کتاب عالمِ اسلامی میں مقبول ومشہور ہے، چنانچہ علامہ شمس الدین الذھبی ''سیر اعلام النبلاء'' میں رقم طراز ہیں:

''اصل المدونۃ المسئلۃ سألھا اسد بن الفرات

---

[1] الانتقاء ص: ۵۰، ۵۱ وسیر اعلام النبلاء ج: ۱۰، ص: ۲۶۶ ، [2] ایضاً ص: ۲۲۶ [3] ایضاً

[4] طبقات الفقہاء، ص: ۱۳۲ [5] سیر اعلام النبلاء، ج: ۱۰، ص: ۱۲۶، عبدالرحمٰن بن خلدون المغربی: تاریخ ابن خلدون (المقدمہ) بیروت: دارالکتاب اللبنانی ۱۹۵۶ء، ص: ۸۱۱، ۸۱۲ ، [6] ایضاً، ج: ۱۰، ص: ۶۲۲، ۲۳۵

لا بن قاسم[۱] ''

''المدونۃ الکبریٰ کی اصل وہ سوالات ہیں جو اسد بن الفرات نے ابن القاسم سے کیے تھے

امام ابن تیمیہؒ کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ ''المدونہ'' میں فقہاءِ اہل عراق کی تفریعات سے پورا فائدہ اٹھایا ہے، اس لیے اس میں اہل عراق کے اصول کی جھلکیاں نمایاں ہیں، موصوف فرماتے ہیں:

''یہ بات ہر پڑھے لکھے کو معلوم ہے کہ ''مدونہ لابن القاسم '' کی اصل و بنیاد ''مسائل اسد بن الفرات '' ہیں جن کی تفریع فقہاء اہل عراق نے کی ہے، ان مسائل کے متعلق اسد نے ابن القاسم رحمہ اللہ سے جواب پوچھے چنانچہ ''مسائل اسدیہ '' کی اصل سحنون کی روایت میں موجود ہے، موصوف کے پاس امام مالک رحمہ اللہ سے منقول جواب تھے، وہ بتائے اور کبھی اس نے امام مالک کے قول پر قیاس کرکے جواب دیا ، اس لیے ابن القاسم کے کلام میں قابل ذکر تعداد اُن اقوال کی ہے جن میں ان کا میلان اہل عراق کی طرف نمایاں ہے اور وہ اہل مدینہ کے اصول کے مطابق نہیں[۲] ''

مذکورہ بالا تاریخی حقائق سے معلوم ہوا کہ ''المدونۃ '' جو تیس ہزار جزئیات مسائل پر مشتمل ہے[۳]، اس کی تدوین حنفی فقہ کے زیر اثر عمل میں آئی

---

۱ سیر اعلام النبلاء، ج:۱۲، ص:۶۸ ۲ مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ج:۲، ص:۳۲۷

۳ الانساب، ج:۱، ص:۱۶۷ ''الاقریقی''

ہے اور اسے آج اسلامی دنیا میں ''المدونۃ الکبریٰ '' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ دراصل امام محمدؒ کے شاگرد اسد بن الفرات کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ جس نے قسطہ کے محاذ پر میدان کارزار میں سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، یہاں اس کا مزار اور مسجد ہے[1]

حنبلی مذہب:

امتِ مسلمہ کے چار فقہی مذاہب میں سے چوتھے فقہی مذہب کے مقتدا و پیشوا، مجتہد مستقل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اور امام محمد سے تین قمطر (بورے) لکھے تھے، ان کا بھی کبھی مطالعہ بھی کرتے تھے، چنانچہ مؤرخ خطیب بغدادی (م:۴۶۲ھ) ''تاریخ بغداد'' میں بسند متصل روایت کرتے ہیں:

''حدثنی الصوری اخبرنی عبدالغنی بن سعید، اخبرنا ابو طاهر محمدبن احمد بن عبداللّٰه بن نصر، حدثنی ابراهیم بن جابر، حدثنی عبداللّٰه بن احمد بن حنبل قال: کتب أبی عن أبی یوسف ومحمدثلاثة قماطر فقلت له کان ینظر فیها قال کان ربما نظر فیها وکان اکثر نظره فی کتب الواقدی[2]''

''مجھ سے الصوری نے بیان کیا (وہ کہتے ہیں) مجھے عبدالغنی

[1] طبقات الفقہاء، ص:۱۳۲، [2] تاریخ بغداد، ج:۳، ص:۱۵''ترجمہ محمد بن عمر الواقدی

بن سعید نے بتایا کہ ہم سے ابو طاہر محمد بن احمد بن عبد اللہ بن
نصر نے کہا کہ مجھ سے عبد اللہ نے بیان کیا کہ ان کے والد
حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف ؒ اور امام
محمد ؒ سے علم کے تین بورے لکھے تھے، میں نے ان سے پوچھا
وہ ان میں غور کرتے تھے؟ فرمایا گاہ بگاہ ان کا مطالعہ کرتے
تھے، زیادہ واقدی کی کتابیں پڑھتے تھے

اس سے معلوم ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ کے جس طرح امام شافعی ؒ شاگرد تھے، اس طرح امام احمد ؒ بھی ان کے شاگردوں میں تھے جو ان سے لکھے ہوئے نوشتوں سے فائدہ اٹھاتے رہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ فقہ میں ان کے مختلف اقوال میں کوئی ایک قول حنفیہ سے اکثر مطابقت رکھتا ہے۔

مذکورۂ بالا سند کے تمام مشہور و معروف راوی معتبر و ثقہ ہیں، اول الذکر دو راوی حافظ ہیں[1]

غرض امام احمد بن حنبل نے بھی دقت نظر اور فقہی بصیرت کا ملکہ امام محمد ؒ کی تصنیفات و تالیفات سے سیکھا، چنانچہ امام ابراہیم بن اسحاق الحربی (م: ۲۸۵ھ) کا بیان ہے:

> ”میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا یہ دقیق
> مسائل آپ نے کہاں سے سیکھے؟ فرمایا: محمد بن الحسن کی
> کتابوں کا فیضان ہے[2]“

---

1. کتاب الکسب للامام محمد الشیبانی تحقیق عبد الفتاح ابو غدہ، حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۴۱۷ھ ”الامام محمد دائرہ فی الفقہ الاسلامی، ص: ۳۳، ۳۴
2. تاریخ بغداد ج: ۲، ص: ۱۷۷

ذرا غور فرمائیں: اسلامی دنیا کا نامور محدث وحافظِ حدیث، مجتہدِ وقت امام محمد رحمہ اللہ کی فقہی خدمات کا برملا اعتراف کر رہا ہے۔

مذہب حنفی کا قبول عام:

اس زمانے میں فقہ حنفی کی عالمی قبولیت کا اندازہ امام سفیان بن عیینہ (م: ۱۰۷۔۱۹۸ھ/ ۷۲۵-۸۱۴ء) کے اس قول سے کیا جا سکتا ہے، وہ فرماتے تھے:

"میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ دو چیزیں (۱) حمزہ کی قراءت اور (۲) ابو حنیفہ ؒ کی رائے وفقہ کوفہ کے پل پار اُتر سکیں گی لیکن یہ تو ساری (اسلامی) دنیا میں پھیل گئیں اور مقبول ہو گئیں[۱]

یہ امام محمد رحمہ اللہ کی تدریسی وتصنیفی خدمات کا ناقابلِ فراموش ثمرہ ونتیجہ ہے جن کے اثرات شافعی، مالکی اور حنبلی مذہب پر روز روشن کی طرح ظاہر وباہر ہیں اور اسلامی تاریخ کے صفحات آج بھی مذکورہ بالا امور پر شاہد عدل ہیں۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

محمد عبد الحلیم چشتی

خادم شعبہ تخصص فی علوم الحدیث
جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی
۲۱ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
وارد حال لاہور، خانقاہ سیّد احمد شہیدؒ

---

[۱] مناقب الامام أبی حنیفہ ص: ۲۰

مقدمہ

احناف حفاظ حدیث

کی

فن جرح و تعدیل میں خدمات

احناف حفّاظ حدیث
کی
فن جرح و تعدیل میں خدمات

تالیف

محمد ایوب الرشیدی

متخصص فی علوم الحدیث النبوی ﷺ

رائے گرامی وتاثرات

استاذ محترم جناب حضرت مولانا ڈاکٹر **محمد عبدالحلیم چشتی** صاحب دامت برکاتہم العالیہ

رئیس شعبہ تخصص فی علوم الحدیث النبوی، جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

حامداً و مصليا و مسلما:

اس زمانے میں اصحاب الرائے کے متعلق دو باتیں زیادہ کہی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں حدیث کی سمجھ نہیں، دوسری یہ کہ انہیں روایانِ حدیث کی کچھ خبر نہیں، ان فنون میں انہیں بصیرت نہیں۔

پہلی بات:......

یہ حقیقت کے یکسر خلاف ہے کہ اصحاب الرائے کو حدیث کی سمجھ نہیں، چنانچہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۹۴ھ۔۲۵۶ھ=۸۱۰ء۔۸۷۰ء) کے استاد حافظ ابوالحسن علی بن المدینی رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۲۳۴ھ جن کے فضل وکمال، علمی وتحقیقی مقام کا اندازہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوسکتا ہے:

"ما استصغرت نفسي قدام أحد سواه."(۱)

''میں نے موصوف کے سوا، کسی کے آگے اپنے آپ کو کمتر وحقیر نہیں سمجھا۔''

یہ علی بن المدینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے:

"التفقه في الحديث نصف العلم و معرفة الرجال نصف العلم"(۲)

(۱) دو الاسلام للذهبي (۱۰۳/۱) دائرة المعارف بحيدر آباد دكن الهند.

(۲) المحدث الفاصل بين الراوي والواعي للرامهرمزي تحقيق محمد عجاج الخطيب (ص ۳۲) دار الفكر بيروت ۱۴۰۴ھ.

''علم حدیث میں تفقہ وفقہی بصیرت حاصل کرنا آدھا علم اور معرفۃ رجال روایانِ حدیث کی جرح وتعدیل یعنی ان کے معتبر وغیر معتبر ہونے کی پہچان اور معرفت نصف علم ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جو عالم مذکورہ بالا ہر دوصفت سے آراستہ ہوگا وہی پورا عالم و امام فن ہوگا۔

اصحاب الرائے کی خصوصیات:

اصحاب الرائے حدیث کی جستجو اور اسے حاصل کرنے کے لئے شہر شہر جاتے، گاؤں گاؤں پھرتے، دور دراز ملکوں کا سفر کرتے اور جہاں کہیں مرکز علم پاتے وہیں ڈیرے ڈالے پڑ رہتے۔ چنانچہ ان کی پانچ خصوصیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

۱ ...... مشہور علمی مرکزوں کے ائمہ فن سے حدیث کا سماع کرتے۔

۲ ...... معرفتِ حدیث و راویانِ حدیث کی تمیز میں اپنے ہمعصروں سے سبقت لے جاتے۔

۳ ...... فقہ حدیث میں بصیرت حاصل کرتے۔

۴ ...... حدیث کا املاء کراتے۔

۵ ...... بڑے بڑے علماء اور ائمہ کبار ان کے آگے زانوئے ادب تہ کرتے اور اپنی علمی تشنگی دور کرتے تھے۔

ایسے ہی ایک صاحب الرائے (حنفی) علی بن موسیٰ القمی، نیشا پوری رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۳۰۵ھ جو امام ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ نیشا پوری رحمہ اللہ تعالیٰ (۲۲۳ھ۔ ۳۱۱ھ = ۸۳۸ء۔ ۹۲۴ء) اور ابو العباس سراج محمد بن اسحٰق نیشا پوری الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (۲۱۶ھ۔ ۳۱۳ھ = ۸۳۱ء۔ ۹۲۵ء) کے ہمعصر تھے اور یہ تینوں ائمہ فن نیشا پور میں حدیث املاء کراتے تھے۔

مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۷۴۸ھ جن کے متعلق حافظ الدنیا ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۸۵۲ھ کا بیان ہے:

"هو من أهل الإستقراء التام في نقد الرجال." (۱)

"وہ نقد رجال (ارباب علم کی چھان بین اور تحقیق) میں اہلِ استقراء تام (کامل تحقیق پیش کرنے والوں) میں سے ہیں۔"

وہ اہل الرائے کے متعلق "سیر أعلام النبلاء" میں رقمطراز ہیں:

"كان أهل الرأي بصراء بالحديث، قد رحلوا في طلبه، وتقدموا في معرفته." (۲)

"اصحاب الرائے حدیث کے دانا و بینا تھے، وہ طلب حدیث میں سفر کرتے اور اس کی معرفت میں معاصرین سے آگے نکلے ہوتے تھے۔"

مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک اصحاب الرائے مذکورہ بالاصفات سے آراستہ ہوتے تھے۔

حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۴۰۵ھ "معرفۃ علوم الحدیث" میں رقمطراز ہیں:

"معرفة فقه الحديث إذهو ثمرة هذه العلوم، وبه قوام الشريعة، فاما فقهاء الإسلام وأصحاب القياس والرأي والإ ستنباط والجدل والنظر فمعروفون في كل عصر وأهل كل بلد." (۳)

"فقہ حدیث کی معرفت یہ ان علوم کا ثمرہ ہے، شریعت کی بنیاد اس پر قائم ہے،

---

(۱) شرح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر لابن حجر تحقيق نورالدين عتر، (ص ۱۳٦) الرحيم اكادمي كراتشي.

(۲) سير اعلام النبلاء للذهبي (۲۳٦/۱٤) مؤسسة الرسالة بيروت.

(۳) معرفة علوم الحديث للحاكم (ص ٦۳) دار الكتب المصرية القاهرة ۱۹۳۷.

لیکن فقہاء اسلام، اصحاب قیاس اور رائے واستنباط نیز ارباب جدل ونظر ہر زمانے میں اور ہر شہر میں معروف ومشہور ہیں۔"

یہ فقہاء ہی ہیں جن سے نظامِ شریعت آج بھی عالم میں جاری وساری ہے۔

دوسری بات:

یہ کہ اصحاب الرائے کو راویانِ حدیث کی سمجھ نہیں اور ان فنون میں انہیں بصیرت نہیں۔

یہ حقیقت میں بات پھینکنا ہے، تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب الرائے تو فن جرح وتعدیل کے امام اور مقتدا ہیں، چنانچہ تخصص فی علم الحدیث کے سالِ اول کے طالب علم مولانا محمد ایوب الرشیدی نے درسگاہ میں عصر حاضر کے نامور عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسائل کا ایک مجموعہ "اربع رسائل"[1] دکھایا، وہ میری نظر سے گزرا، چنانچہ اس میں دو رسالے ائمہ جرح وتعدیل پر تھے، پہلا رسالہ مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تھا اور دوسرا اس کا ذیل علامہ حافظ شمس الدین السخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۹۰۲ھ کا تھا۔[2] میں نے موصوف سے کہا:

"شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو سوجھی نہیں، کہ اس سے حنفی ائمہ فن جرح وتعدیل کو نکال کر اپنی تحقیقات سے علیحدہ کتابی صورت میں شائع کرتے تو ایک اور اچھا کام ہو جاتا۔"

بات معقول وقرینہ کی تھی، ان کے دل ودماغ میں اتر گئی اور وہ اس پر محنت کرنے کے لئے کمربستہ ہو گئے، جانفشانی سے کام کیا، ائمہ فن کے حالات لکھے اور ان کے علمی کارناموں کا تحقیقی انداز میں تعارف کرایا، مجھے یہ کتاب "احناف حفاظ حدیث کی فن جرح وتعدیل میں خدمات" حرفاً حرفاً سنائی، زبان وبیان کی اصلاح بھی کی اور جہاں مناسب سمجھا کام کی بات

---

(۱) اربع رسائل فی علوم الحدیث اعتنی بها عبدالفتاح ابو غدة الحلبی مکتب المطبوعات الاسلامیة بیروت ۱۹۹۹ء.

(۲) ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل للذهبی والمتکلمون فی الرجال للسخاوی.

بھی بتائی۔ موصوف نے دونوں باتیں بخوشی قبول کیں، جس سے ان کی سعادت مندی کا قلب پر اچھا اثر ہوا اور اس بات سے خوشی ہوئی کہ کام کی کچھ باتیں ناظرین تک پہنچیں گی۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید درحدیث دیگراں

موصوف نے انتخاب ائمہ فن میں دائرہ کار ذرا وسیع کر دیا ہے، بعض ایسے محدثین کا ذکر بھی آگیا ہے جن کا شمار اصحاب الرائے میں نہیں ہے، لیکن انہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، وہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنن وآثار کے راوی ہیں، اور اسی خوان علم کے زلہ ربا ہیں۔ ظاہر ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فن جرح وتعدیل کے مشہور امام ہیں، امام ترمذی، حافظ ابن عدی، اور حافظ عقیلی رحمہم اللہ تعالیٰ سب ہی اپنی کتابوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے جرح وتعدیل کے اقوال اپنی سند سے نقل کرتے ہیں، اس مناسبت سے موصوف نے ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ" میں "المتکلمون فی الرجال" میں سے "۲۴" ائمہ فن کے تذکرہ پر اکتفاء کرتے ہوئے ایک انتخاب پیش کیا، اس پر مزید کام بھی جاری ہے۔

محمد ایوب صاحب کی یہ محنت لائق تحسین اور قابل مبارک باد ہے اور یہ کتاب ائمہ فن جرح وتعدیل کے موضوع پر اردو زبان میں پہلی مختصر اور تحقیقی کتاب ہے۔ اور میری معلومات کے مطابق اچھا اضافہ ہے، اللہ تعالیٰ اسے حسن قبول عطا فرمائے اور موصوف کو مزید کام کی توفیق دے۔ آمین

محمد عبدالحلیم چشتی
خادم شعبہ تخصص فی علوم الحدیث النبوی
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۱۴۲۲/۱۱/۲۸ھ الموافق ۲۰۰۲/۱/۲۲ء

مقدمہ

بر

توثیق الکلام

فی

الانصات خلف الامام

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا

توثیق الکلام فی الإنصات خلف الإمام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب مدظلہ
(نگران شعبہ تخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۴۸ھ - ۱۲۹۷ھ = ۱۸۳۳ء - ۱۸۸۰ء) نہایت جامع صفات وکمالات بزرگ تھے، وقت کے نامور اہل کمال سے علوم کی تحصیل کی، چنانچہ علوم متداولہ کی سند میں وہ سند ہیں۔

علوم طریقت میں ان کا جو پایہ ہے اس کے متعلق ان کے شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۲۳۳ھ - ۱۳۱۷ھ = ۱۸۱۷ء - ۱۸۹۹ء) نے ضیاء القلوب[1] (مطبع مجتبائی ممتاز علی ص ۶۰) میں ان کے اور ان کے رفیق درس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۲۴۴ھ - ۱۳۲۳ھ = ۱۸۲۹ء - ۱۹۰۵ء) کے متعلق جو الفاظ لکھے ہیں وہ اس باب میں ان کی رفعت شان کی نہایت روشن دلیل ہیں، فرماتے ہیں:

"ونیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت وعقیدت وارادت دارد مولوی رشید احمد سلمہ راو مولوی محمد قاسم سلہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری وباطنی اند

(۱) ضیاء القلوب کا عربی ترجمہ جو حاجی صاحبؒ کی زندگی میں ان کے مجاز وخلیفہ مولانا محمد حسین الہ آبادی نے کیا تھا، دعا فرمائیں اسے جلد شائع کیا جا سکے۔ (چشتی)

بجائے منِ فقیر راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمارند اگر چہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشان بجائے من و من بمقام اوشان شدم وصحبت اوشان را غنیمت دانند کہ این چنیں کسان دریں زمان نایاب اندو از خدمتِ بابرکت ایشان فیض یاب بودہ باشند۔"

ترجمہ: اور نیز ہر شخص جو اس فقیر سے محبت، عقیدت وارادت کا تعلق رکھتا ہے مولوی رشید احمد سلمہ اور مولوی محمد قاسم سلمہ جو کہ تمام کمالاتِ علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہیں کو مجھ فقیر راقمِ سطور کی جگہ بلکہ مجھ سے بالاتر مراتب میں سمجھے، اگر چہ بظاہر معاملہ برعکس ہے کہ وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہوں اور ان کی صحبت غنیمت خیال کرے کیوں کہ ان جیسے لوگ اس دور میں نایاب ہیں اور ان کی بابرکت خدمت سے فیض یاب ہوتا رہے۔

زندگی بھر دین کی خدمت اور اسلام کی سربلندی کے لیے کوئی موقعہ ایسا نہیں آیا جس میں گو نے سبقت نہ لے گئے ہوں۔

وہ عربی، فارسی اور اردو کے شاعر وشگفتہ نگار ہیں، میدانِ کارزار میں آگے آگے رہے، پڑھایا، علماء تیار کئے، گمراہ فرقوں کی تردید میں رسالے لکھے، پادریوں اور پنڈتوں سے مباحثہ کیا، اور حق کا بول بالا کیا، حکومت سے جہاد کیا، اہل حدیثوں کو جواب دیا، شیعوں کی تردید میں قلم اٹھایا، تیرھویں صدی ہجری میں دو ایسے نامور، ہم عصر علامہ ومصنف گذرے ہیں

جن میں سے ہر ایک کی نظیر ہندوستان کیا بیرون ہند میں بھی کم ہی ملے گی۔

ان میں ایک اودھ (لکھنؤ) میں مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۲۶۴ھ-۱۳۲۳ھ = ۱۸۲۹م-۱۹۰۵م) ہیں جن کی تحقیقات وتعلیقات وحواشی حوالوں کی کثرت وندرت سے ایسی روشن وتابناک ہیں، جس کی روشنی سے عالم اسلام روشن ہے۔

دوسرے دوآبہ نانوتہ ضلع سہارن پور میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۴۸ھ-۱۲۹۷ھ = ۱۸۳۳م-۱۸۸۰م) اور ان کے ہم درس ورفیق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۲۴۴ھ-۱۳۲۳ھ = ۱۸۲۹م-۱۹۰۵م) ہیں جن کی تحقیقات نادرہ اور تصنیفات مفیدہ حوالوں کی منت پذیری سے بے نیاز ہیں ان کی نظیر بھی عالم اسلام میں ملنا مشکل ہے۔

خود حضرت نانوتویؒ کو بھی اس بات کا اعتراف ہے اسی زیر نظر کتاب کے ص ۴۴ میں لکھتے ہیں:

"کیا کہیئے اس ویرانہ میں مواد کتب حدیث کا بالکل پتہ نہیں اور دیوبند اور سہارن پور میں اگر بعض کتابیں ہوں بھی تو یہاں سے دور، علاوہ بریں کچھ بوجہ تواتر امراض ناتوانی کچھ قدیمؔ (کذا) کی تن آسانی کتاب دیکھنی ایکؔ موت ہے ورنہ اس باب میں بھی کچھ لکھتا، بناچاری اپنے ہی خیالات پر اکتفاء کرتا ہوں" انتہی

حضرت نانوتویؒ کی تصانیف میں ہر بات مدلل ہے خصم کو بھی اس میں مجال سخن نہیں ہے، انداز بیان ایسا مدلل و دل نشین ہے کہ پڑھ کر انسان مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ بات عام رسالوں اور کتابوں کی ہے جو مکاتیب اور کتابیں ارباب حقائق اور اہل فن کے لیے ہیں وہ ہمارے تبصرہ سے بالاتر ہیں، فارسی والوں نے سچ کہا ؎

چہ خوش گفت دانا کہ دانش بسے است
ولیکن پراگندہ با ہر کسے است

اور سچ ہے ؎

ہر کہ دانا بود توانا بود

مناظر، مفتی، فقیہ، محدث، واعظ و خطیب تیار کیے، تلامذہ کی جماعت ساتھ رکھتے اور ان کی علمی، روحانی و اخلاقی تربیت کرتے، ہمارے علم کے مطابق ان کے آخری شاگرد مولانا حافظ عبد الرحمٰن امروہیؒ ہیں جن کا انتقال ۱۹۴۸ء میں[1] ہوا۔

کتابوں کی تصحیح سے گذر بسر کی، مدرسہ بنایا، جو اَب دار العلوم دیوبند کے نام سے عالم میں مشہور ہے اور ایسے شاگرد چھوڑے جنہوں نے جگہ جگہ

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، اشاعت خاص بیاد علامہ محمد طاسینؒ، مسلسل شمارہ (۶۱) جلد ۷، شمارہ ۶، ۷، ۸، کے صفحہ ۲۷۸۔

مدارس کا جال بچھایا، جن سے لاکھوں تشنگان علوم سیراب ہوئے، اور وہ سلسلہ آج براعظموں میں پھیلا ہوا ہے۔ ایشیا وافریقہ، یورپ وامریکہ کون سا ملک ایسا ہے جہاں ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد "قال اللہ وقال الرسول" کی صدائیں بلند نہیں کرتے۔

بے نفسی اور اخلاص کا یہ عالم کہ ناموری سے بچنے کے لیے دار العلوم کی بنیاد وتاسیس اور درس وتدریس میں پس پردہ رہ کر کردار ادا کیا، چنانچہ دار العلوم کے سنگ بنیاد کے موقعہ پر جب ہر کوئی خود کو کم تر سمجھ کر پہلی اینٹ رکھنے کو تیار نہ تھا، تو بالآخر پہلی اینٹ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارن پوریؒ سے رکھوالی گئی اور اس کے ساتھ ہی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے حضرت میاں جی منے شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا اور فرمایا کہ: "یہ وہ شخص ہیں جنہیں صغیرہ گناہ کا بھی کبھی تصور نہیں آیا"، تو انہوں نے حضرت محدث سہارن پوریؒ صاحب مطبع احمدی وحاشیہ موطا امام مالک وصحیح بخاری وجامع ترمذی ومشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کے ساتھ اینٹ رکھی۔ (۱)

ہمارے شاگرد محمد سلمان واحدی نے حضرت نانوتویؒ کا ایک مختصر رسالہ "توثیق الکلام في الإنصات خلف الإمام" پڑھا، وہ اس سے بہت متاثر ہوئے انہوں نے افادۂ عام کے لیے شائع کرنے کا ارادہ کیا، خود

(۱) پچاس مثالی شخصیات از قاری محمد طیب قاسمی ص ۳۱۔

کمپوز کیا، نئے پیرے بنائے، ایک آدھ جگہ حاشیہ لگایا اور بعض احادیث کی تخریج بھی کی، مجھے سنایا، امید ہے ناظرین بھی اس سے لطف اندوز ہوں گے، مجھ سے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی، میرے پاس وقت نہیں، ان کے اصرار پر چند سطور لکھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی پہلی کوشش کو قبول فرمائے، اور انہیں کام کی مزید توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

(مولانا ڈاکٹر) محمد عبد الحلیم چشتی

رئیس قسم التخصص فی علوم الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ

۱۸/ جمادی الاخری ۱۴۲۹ھ

بمطابق ۲۳/ جون ۲۰۰۸ء

مقدمہ

اربعین

40 فرامینِ نبویہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

بمع ترجمہ

مقدمہ

از

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی «دامت برکاتہم»

ایم اے اسلامیات، ایم ایل ایس، پی ایچ ڈی،
فاضل دار العلوم دیوبند (انڈیا)، مشرف (نگران تحقیق وتالیف)
واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، وجامعۃ الرشید احسن آباد کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد شریعت کے بنیادی مآخذ میں سے دوسرا مآخذ حدیث وسنت عظیم الشان اہمیت کا حامل ہے، قرآن حکیم کو جس طرح وحی الٰہی کا درجہ حاصل ہے اسی طرح سرکار دو عالم (ﷺ) کی زبان مبارک سے صادر ہونے والے ارشادات بھی وحی خداوندی کا مقام ودرجہ رکھتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن القیم " (متوفی: ۷۵۱ھ) کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

﴿إنَّ اللہ سبحانہ وتعالیٰ أنزَلَ علیٰ رَسُولِہ وَحْیَین وَأوْجَبَ علیٰ عِبادِہ الإیمانَ بِھِما وَالعَمَلَ بِمافِیھِما وَھُما الکِتابُ وَالحِکْمَۃُ ۔۔۔ وَقَدْقال النبیُّ (ﷺ): إنّی أُوتِیتُ الکِتابَ وَمِثْلَہ مَعَہ﴾

ترجمہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا، اور وہ دونوں قرآن اور حکمت (سنت) ہیں ۔۔۔ خود نبی کریم (ﷺ) ارشاد فرماتے ہیں: مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اسی

کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی (یعنی سنت)۔ (ص:۱۰۲، آٹھواں مسئلہ)

احادیثِ مبارکہ کی تبلیغ اور اس کو امت تک پہنچانے کے حوالے سے لسانِ نبوت سے متعدد فضائل وارد ہوئے ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ایسے شخص کو بشارت دیتے ہوئے رسول اللہ (ﷺ) یوں فرماتے ہیں: ﴿نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَحَفِظَہُ حَتّٰی یُبَلِّغَہُ غَیْرَہُ۔۔﴾ ترجمہ: تروتازہ رکھے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جس نے ہماری کوئی حدیث سنی پھر اس کو یاد رکھا یہاں تک کہ دوسروں تک پہنچادیا۔ (مسندِ احمد، حدیث:۲۱۵۹۰)

تبلیغِ احادیث کی ایک شکل اربعینات (یعنی کسی ایک موضوع یا مختلف موضوعات سے متعلق مجموعہ ہائے چہل حدیث کو امت تک پہنچانا) بھی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ (ﷺ) نے مستقل فضیلت بھی ارشاد فرمائی ہے، سرکارِ دو عالم (ﷺ) کا فرمان ہے: ﴿مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِی اربعین حدیثًا مِّنْ اَمرِ دِیْنِھا بَعَثَہُ اللّٰہُ فَقِیْھًا وَّ کُنْتُ لہ یومَ القیامۃِ شَافِعاً وَّشَھِیْدًا﴾ ترجمہ: جو شخص میری امت کو فائدہ پہنچانے کے لیے امرِ دین کی چالیس حدیثیں یاد کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں فقیہ اٹھائیں گے اور قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کرنے والا اور (اس کی اطاعت پر) گواہ بنوں گا۔ (شعب الایمان، بیہقی، ج:۲، ص:۲۷۰، حدیث:۱۷۲۶)

یہاں پر حفظ سے مراد صرف یاد کرنا ہی نہیں بلکہ مجموعہ چہل حدیث کو امت تک بحفاظت پہنچانا ہے، چنانچہ امام نوویؒ (متوفی:۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ﴿المراد بالحفظ ھُنا نَقْلُ الأحادیثِ الأربعین الی المسلمین وإن لَمْ یَحْفَظُھا۔۔﴾ ترجمہ: یہاں پر حفظ سے مراد مسلمانوں تک (محض) چالیس احادیث کو پہنچانا ہے اگرچہ وہ یاد نہ بھی ہوں۔ (مرقاۃ المفاتیح، ملا علی قاری، کتاب العلم، فصل ثالث، ج:۱، ص:۳۰۸)، لہٰذا ہر وہ شخص اس فضیلت کو حاصل کرسکتا ہے جو چہل حدیث کو منتخب کرکے امت تک پہنچائے یا کسی

بھی حیثیت سے اس کارِ خیر میں معاونت کا باعث بنے۔

علمائے امت نے اس حوالے سے بھی خدمات انجام دیں اور نبی کریم (ﷺ) کی عظیم الشان بشارت کے مستحق بنے۔ان میں علامہ نووی ؒ کی تصریح کے مطابق سب سے پہلے چہل حدیث جمع کرنے والے عبداللہ بن مبارک ؒ (متوفی: ۱۸۱ھ) ہیں۔ان کے بعد محمد بن اسلم طوسی (متوفی: ۲۴۲ھ)، حسن بن سفیان (متوفی: ۳۰۳ھ)،ابوبکر آجری (متوفی: ۳۶۰ھ)،ابوبکر محمد بن ابراہیم اصفہانی (متوفی: ۳۸۱ھ)،دار قطنی (متوفی: ۳۸۵ھ)،حاکم (متوفی: ۴۰۵ھ)،ابو عبد الرحمن سلمی (متوفی: ۴۱۲ھ)،ابونعیم (متوفی: ۴۳۰ھ)، ابوبکر بیہقی (متوفی: ۴۵۸ھ)، ابوسعید مالینی (متوفی: ۴۱۲ھ)،ابو عثمان صابونی (متوفی: ۴۴۹ھ)،عبد اللہ بن محمد انصاری (متوفی: ۴۸۱ھ) اور دیگر متقدمین ومتاخرین میں سے بے شمار لوگوں نے اس حوالے سے اپنی یادگاریں چھوڑیں،اللہ تبارک وتعالی ان حضرات کو اپنی شایانِ شان اجر عطا فرمائیں۔

زیرِ نظر رسالہ بھی اردو میں اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں کتب احادیث میں سے مختلف موضوعات سے متعلق احادیث مبارکہ کو ترجمہ کے ساتھ جمع کیا گیا ہے ،تاکہ عام لوگ بھی نبی کریم (ﷺ) کے ارشادات سے واقف ہوکر اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق ڈھال سکیں، کیونکہ یہی راحت دنیوی واخروی کے حصول کا واحد راستہ ہے،اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ وہ اس مجموعہ کو قبولیتِ عامہ سے نوازے اور آخرت میں جناب نبی اکرم (ﷺ) کی شفاعت کا باعث بنائے۔آمین

محمد عبد الحلیم اسماعیلی

۲۱ شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ بمطابق ۲۹ مئی ۲۰۱۶ء

مقدمہ

مسند عائشہؓ

مع اردو ترجمہ

مُسندِ عائشہ رضؓ

مع اردو ترجمہ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
سے مروی متفق علیہ احادیثِ نبوی کا مجموعہ

مشکوٰۃ المصابیح و صحاح ستہ سے ماخوذ

اور

رسالہ عین الاصابہ فی استدراک عائشہ

للامام جلال الدین السیوطی

مع اردو ترجمہ

تالیف

جمیل نقوی الحنفی

مقدمہ

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

ایم۔اے۔ پی۔ایچ ڈی

اردو اکیڈمی سندھ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ کے علمی کمالات و امتیازی خصوصیات

از

مولانا ڈاکٹر محمد عبد العلیم چشتی
ایم' اے۔ پی ایچ، ڈی
استاذ شعبۂ تخصیص فی الفقہ
جامعۃ العلوم الاسلامیہ
بنوری ٹاؤن۔ کراچی

(۱)

استاد محترم سید جمیل احمد نقوی صاحب اردو زبان کے قادر الکلام شاعر مستند نقاد اور صاحب طرز ادیب ہیں۔ کسی عربی درسگاہ کے فارغ التحصیل عالم نہیں مگر انھیں حدیث کے مطالعہ کا شوق ہے۔ اس شوق نے انھیں اردو میں مسانیدِ صحابہؓ و صحابیاتؓ کی ترتیب پر کمربستہ کیا۔ موصوف نے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی "مسند علیؓ" مرتب کی جس پر میرے

برادر بزرگ نامور محدث وعلامۂ عصر مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی نے بصیرت افروز مقدمہ لکھا پھر موصوف نے مسند صحابیات ترتیب دی جو پروفیسر ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی صاحب کے مقدمہ کے ساتھ شائع کی گئی۔[1]

نقوی صاحب نے اب مشکوٰۃ المصابیح سے مسند عائشہؓ مرتب کی ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں صحاح ستہ کے علاوہ سنن دارمی وسنن بیہقی کی احادیث بھی جمع کی گئی ہیں۔ مسند احمد بن حنبل میں مسند عائشہؓ باریک عربی ٹائپ میں بڑی تقطیع کے دو سو ترپن (۲۵۳) صفحات پر محیط ہے۔ قاہرہ سے کئی بار شائع کی گئی ہے۔ اُسے اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ دیکھیں یہ سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت علمی حیثیت سے بہت جامع شخصیت تھی۔ عہد رسالت کی خواتین میں ایسی جامع حیثیت شخصیت

---

[1] ۵۳-۱۹۵۴ء میں جب علم کتب خانہ میں کراچی لائبریری ایسوسی ایشن کے اسکول آف لائبریرین شپ کراچی کی مساعی سے سرٹیفکیٹ کورس کا چلن تھا۔ اُن ایام میں جمیل نقوی صاحب مذکورہ اسکول میں پڑھاتے اور عملی کام کراتے تھے۔ گذشتہ پچاس سال سے نقوی صاحب فن کتابداری کے مقتدر استاد کی حیثیت سے برصغیر پاک و ہند میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ نقوی صاحب کا خط بھی بہت پاکیزہ، خوشنما اور خوبصورت ہے اور ساتھ ہی فن خطاطی اور اس کی ارتقائی تاریخ پر بھی بڑی گہری نظر رکھتے ہیں، سینکڑوں طلبہ نے اُن سے پڑھا اور کتابداری کا فن سیکھا۔ یہ ان کی محبت ہے کہ ان نامور شاگردوں میں مجھ جیسے گمنام و خلوت گزیں ناکارہ کو انھوں نے فراموش نہیں کیا جس کا ایک طویل زمانہ افریقہ میں گذرا اور کبھی ملاقات بھی نہ ہو سکی۔ ایک دن سرِ راہ صدر کراچی میں ملاقات ہوئی تو لپٹ گئے۔ ان کی محبت نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ آمین۔ چشتی۔

کوئی نہ تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف و اخلاق، سیرۃ، تاریخ اور شعر و ادب، ہر گوشہ اور شعبۂ علم میں ائمۂ فن اُن کی گرانقدر معلومات اور اُن کے افکار و نظریات سے بحث کرتے ہیں جو اُن کی عبقریت اور اسلامی علوم و فنون کی تاسیس میں اُن کی مساعی جمیلہ کی شاہد عدل ہے۔

مولانا نعمانی جمیل نقوی اطال اللہ بقاءھما دونوں بزرگوں کی فرمائش تھی کہ یہ خاکسار اس پر مقدمہ لکھے ۔ میری مصروفیات اتنی ہیں کہ کوئی نیا کام کرنا بہت مشکل ہوتا ہے مگر حضرت عائشہؓ کی عظمت، اُن سے عقیدت، محبت اور ان بزرگوں کے اخلاص نے مقدمہ لکھوایا ہے۔ اس میں اگر کچھ افادیت ہے تو وہ ان ہی کے اخلاص کا فیضان ہے۔ اور جو کوتاہی و غلطی ہے وہ میری سیئات کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری سیئات سے درگذر فرما کر اسے حُسنِ قبول سے نوازے اور ہم سب کی مغفرت فرمائے ۔ آمین

مقدمہ

محسن انسانیت ﷺ

اور

انسانی حقوق

اقوامِ متحدہ کے عالمی منشورِ انسانی حقوق
اور مغرب کے افکار و تصورات کا تاریخی
اور تنقیدی جائزہ

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

اور انسانی حقوق

خطبہ حجۃ الوداع
سے استشہاد

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 021-2631861

مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی

ایم اے۔ ایم ایل ایس۔ پی ایچ ڈی

مشرف / ناظم تحقیق و تالیف شعبہ تخصص فی الحدیث

جامعہ علوم اسلامیہ کراچی

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں صرف اولاد آدم کو اپنی خلافت و نیابت سے سرفراز کیا، فرشتوں کا اسے مسجود بنایا، جس نے اس حکم الٰہی سے منہ موڑا، اسے ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ کیا، پوری دنیا اس کے فائدہ کے لئے بنائی، اسے وہ قوت و صلاحیت بخشی کہ یہ ہر چیز سے اپنا کام نکالتا اور اسے اپنا تابع بناتا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، یہ اعزاز و سرفرازی اس دنیا میں اولاد آدم کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔

یہ سب کچھ محض اس لئے کیا گیا کہ وہ اس سرزمین پر احکام الٰہی جاری کرے، اس دنیا میں بندہ بن کر زندگی بسر کرے اس عالم کو ظلم و ستم، شر و فساد اور سازش سے پاک و صاف رکھے امن و سلامتی کا گہوارہ بنائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس غرض سے ہر ملک، ہر بستی، ہر خطے اور ہر قوم میں ہادی و نبی بھیجے، اور کتابیں اتاریں، جب کبھی اولاد آدم نے بندہ ہونے کے بجائے مالک و خالق بننے اور فرمان الٰہی سے روگردانی کی کوشش کی تو قوموں کی قومیں صفحۂ ہستی سے مٹادی گئیں عاد و ثمود، قوم صالح و قوم لوط اپنے زمانے کی ترقی یافتہ اقوام تھیں جو اس حقیقت کی منہ بولتی تصویریں ہیں، فرعون، ہامان و شداد جن کا World Order

چلتا تھا اپنے فطری انجام کو پہنچے اور دنیا میں عبرت بن کر رہ گئے۔

رحمت عالم ﷺ کو تمام انسانوں کی رہنمائی وہدایت کے لئے رہتی دنیا تک نبی بنا کر بھیجا گیا، دونوں جہاں میں کامیابی کے لئے ان پر قرآن، آخری کتاب اتاری گئی اور جو آپ پر ایمان لایا اس پر آپ کی فرمانبرداری واطاعت لازم قرار دی گئی۔ دین نام ہے اطاعت اور اتباع کا۔

"دنیا کے عظیم مذاہب" نامی کتاب میں اسلام کی تعریف مجملاً اس طرح کی گئی ہے!

Islam is a Religion of submission to the will of Allah in accordance with the principles ennciated in the Holy Quran & Sunnah.

اسلام، نام ہے قرآن پاک اور سنت کے مطابق اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضاجوئی کا!

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور لائی ہوئی شریعت سے روگردانی کی اجازت نہیں، اس لئے کہ یہ بات ایمان واسلام کے سراسر خلاف ہے، قرآن کہتا ہے۔

فَلَاوَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۴/۶۵)

"سو قسم ہے تیرے رب کی، وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف بنائیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔"

اس میں مومن کی تین صفات بتائی گئی ہیں!

۱۔ رسول اللہ ﷺ کو منصف اور حکم ماننا۔

۲۔ آپ ﷺ کے فیصلہ سے جی میں تنگی محسوس نہ کرنا۔

۳۔ خوشی اسے قبول کرنا۔

چنانچہ "یحکموك" کی تفسیر میں قاضی شوکانی لکھتے ہیں!

یجعلون حکما بینهم فی جمیع امورهم لا یحکموك احد اغیرك (۱)

مسلمان اپنے تمام امور میں آپ کو اپنا منصف و حکم مانیں اور آپ (ﷺ) کے سوا کسی اور کو اپنا منصف و حکم نہ مانیں۔

چنانچہ کتاب و سنت، وحی جلی و خفی کے خلاف فیصلہ کرنے والوں کو قرآن نے فاسق و نافرمان کہا ہے ارشاد ربانی ہے!

وَمَن لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ(۵ / ۴۷)

اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

قرآن میں دوسری جگہ انہیں کھلا کافر کہا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

وَمَن لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ(۵ / ۴۴)

اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر۔

جن ارباب صدق و صفا نے آپ کی تعلیمات و ہدایات پر عمل کیا اس کی برکات سے کائنات فیض یاب ہوئی، یہ دنیا امن و سلامتی کا ایسا گہوارہ بن گئی کہ شیر، چیتا اور بھیڑ بکری بیک وقت ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے اور ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے تھے۔

سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ابدی عالمگیر مثالی و انقلابی منشور

۱۔ محمد بن علی الشوکانی / فتح القدیر الجامع بین فنی الروایة والدرایة من علم التفسیر، القاهره مصطفی البابی الحلبی ۱۳۴۹ھ / ج ۲ ص ۴۴۷،

کے اعلان کے بعد اس منشور پر عمل کرنے والوں کو مندرجہ ذیل تین باتوں !

۱۔ تکمیل دین

۲۔ اتمام نعمت

۳۔ رضائے الٰہی

کی دونوں جہاں میں کامیابی و کامرانی کی دائمی بشارت و ضمانت دی گئی، چنانچہ فرمایا گیا!

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًاؕ (۵ / ۳)

آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

اس سے اس خطبہ و منشور کی اہمیت، عظمت، افادیت اور جامعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ بعض علماء یہود نے اس آیت شریفہ کو سنا جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ المتوفی ۸۲ھ / ۸۳ھ سے روایت ہے وہ دربار فاروقی میں حاضر ہوئے اور کہا، امیر المومنین ! یہ آیت اگر ہم پر اترتی تو ہم اس دن کو عید منایا کرتے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ آیت حجۃ الوداع کے موقعہ پر (۱۰ھ میں) جمعہ کے دن عصر کے وقت عرفات کے میدان میں چالیس ہزار صحابہؓ (۱) کی موجودگی میں اتری تھی (۲)، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی (۸۱) دن زندہ

---

(۱)۔ ابو عمرو ابن الصلاح / مقدمہ ابن الصلاح و محاسن الاصطلاح، تحقیق عائشہ عبدالرحمٰن ط: ۲، القاہرہ، دار المعارف، ۱۴۱۱ھ، ص ۴۹۴،

(۲)۔ محمد بن اسماعیل البخاری / صحیح بخاری تحشیہ احمد علی السہارنپوری، دہلی، مطبع مجتبائی، س ج ۲، ص ۶۶۲،

رہے۔ (۱) اور اس مدت میں حلال و حرام سے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ (۲) ظاہر ہے دین کی تکمیل ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، (اللہ ان کی عمر دراز کرے، نیک اعمال اور دین کی خدمت کی توفیق دے) نے سیرت رسول اللہ ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر جو سلسلہ ''تجلیات سیرت'' کے عنوان سے شروع کیا تھا اس کی دوسری کڑی ''رسول اکرم ﷺ اور رواداری'' اور تیسری کڑی ''محسن انسانیت اور انسانی حقوق'' ہے، جس میں خطبۂ حجۃ الوداع کو انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کے انسانی حقوق کے منشور کی حیثیت سے موضوع بحث بنایا ہے۔ جو بلاشبہ اپنے موضوع کے حوالہ سے سیرت طیبہ پر ایک منفرد اور نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ گو کہ پوری کتاب ہی محسن انسانیت ﷺ کے عظیم منشور ہدایت ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے تاریخی اور تحقیقی جائزے پر مشتمل ہے اور اسے حقوق انسانی کے موضوع کے حوالہ سے موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ تاہم کتاب میں اٹھائی گئی علمی مباحث اور عنوانات میں سے چند درج ذیل ہیں!

۱۔ خطبۂ حجۃ الوداع،

۲۔ خطبۂ حجۃ الوداع کی اہمیت و عظمت

۳۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور انسانی حقوق (تاریخی و تحقیقی جائزہ)

۴۔ خطبۂ حجۃ الوداع اور مغرب کے نظریۂ انسانی حقوق کا تقابلی جائزہ

۵۔ مغربی دنیا اور انسانی حقوق (تاریخی و تنقیدی جائزہ)

۶۔ انسانی حقوق کا عالمگیر اعلامیہ (اقوام متحدہ کا عالمی منشور انسانی حقوق)

۷۔ خطبۂ حجۃ الوداع، حقوق انسانی کا مثالی اور ابدی منشور، (تاریخی و تحقیقی جائزہ)

---

(۱)۔ عبدالرحمٰن السیوطی / الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، بیروت، دار الفکر ۱۴۰۳ھ / ج ۳، ص ۱۶،

(۲)۔ ایضاً / ص ۱۸۔۱۹،

۸۔ خطبۂ حجۃ الوداع اور عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان

۹۔ خطبۂ حجۃ الوداع اور غلاموں کے حقوق کا انقلابی اعلان

۱۰۔ مغرب اور غلامی، آغاز وارتقاء (تاریخی جائزہ)

۱۱۔ عالمگیر مسلم برادری کے قیام اور مواخات کے حق کا ابدی اعلان،

اس کتاب کے مطالعہ سے عالم کے دانشوروں نے بنی نوع انسان کی آزادیٔ افکار و نظریات، آزادیٔ گفتار و کردار، اس کی فلاح و بہبود اور کامرانی کی جتنی کوششیں اور کاوشیں کی ہیں ان کا عہد بعہد ارتقاء اور ان کے تباہ کن نتائج و ثمرات سے آگاہی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے لوگوں کی عزت نفس کو اس قسم کی آزادی سے کتنا کچھ نقصان پہنچا ہے نیز اس آزادی کے پس پردہ امن و سلامتی کس طرح پامال ہوتی رہی ہے۔

یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ اردو ادب میں یہ اپنے موضوع پر پہلی تحقیقی و جامع کتاب ہے اور اس کا تعلق بھی سیرت کے ایک اہم پہلو سے ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مصنف کی اس کاوش کو قبول فرماکر ان کے لئے ذریعۂ شفاعت اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

وصلّی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ
و أصحابہ واہل بیتہ اجمعین

﴿مولانا ڈاکٹر﴾ محمد عبدالحلیم چشتی

جمعۃ المبارک ۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ / ۲۶/ مارچ ۱۹۹۹ء

کراچی۔

مقدمہ

بر

دراسات فی اصول الحدیث
علیٰ منہج الحنفیۃ

دراسات في أصول الحديث
على منهج الحنفية
بقلم
عبد المجيد التركماني
تقديم
العلامة المحدث الدكتور محمد عبد الحليم النعماني

كلمة مشرف الرسالة العلامة المحقق المحدث الدكتورمحمـد عبدالحليم النعـماني حفظه الله رئيـس قسم التخصـص في الحديث بجامعـة العلوم الإسـلامية بـنوري تاون، كراتشي.

نحمده، ونصلي على رسوله الكريم.

أما بعـد:

فالسنة النبويَّة على صاحبها ألف سلام وتحيَّة هي المصدر الثاني في الشرع المطهَّر، وعلى الأمة استخراج مسائلها، و الاستـهداء بهديها بعد كتاب الله تعالى، وقد أمر الرسول ﷺ الفقهاءَ به، حيث قال: «نضر الله امرأ سمع منَّا حديثاً، فحفظه حتى يبلِّغه غيره، فإنه رب حامل فقهٍ ليس بفقيهٍ، و رب حامل فقهٍ إلى من هو أفقه منه»[١].

فهذا الحديث جعل الناس طبقـات ثلاث: غيرَ الفـقيه، الفقـيه، والأفـقه، وأمَر الطبقتين الأولين أن يوصلوا الأحاديث النبوية إلى أيدي الطبقة الثالثة، ففيه إشارةٌ بيِّـنةٌ إلى فضل الفقهاء، ورفعة درجتـهم، وكيف لا يكون لهم الفضـل، وهمّـهم استخراج الأحكام و استنباط البواطن بجنب العناية بظاهر اللفظ، و غيرهم لا تجاوز عنايتهم الظاهر فحسب[٢].

---

(١) رواه الإمام أحمد في «المسـند» ٥: ١٨٣.

(٢) وكان الإمام أبو حنيفة رحمه الله على علمٍ جمٍّ، و معرفةٍ تامةٍ مـن الحديث، =

وللفقهاء الأجلّة أصولٌ ومبانٍ في الاستنباط، بإمكان المطّلع أن يستشفها منذ العهود الأولى من خلال أقوالهم و مباحثهم.

الصحابة وأصول الفقه والحديث:

خبر الواحد إذا تعارض مع عموم الكتاب، يُعمل به أم يترك؟ مسألةٌ مختلفةٌ فيها بين الأصوليين، وأصل هذا الاختلاف يرجع إلى عهد الصحابة، فحين روت فاطمة بنت قيس رضي الله عنها في المتوفَّى عنها زوجها حديثَ الرسول ﷺ: «لا نفقة لها و لا سكنى»، قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: «لا نترك كتاب ربنا ولا سنة نبينا ﷺ لقول امرأة لا ندري لعلها حفظت أو نسيت، لها السكنى والنفقة، قال الله تعالى: ﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ [الطلاق: ١]»[1].

= حتى إن شعبة أمير المؤمنين في الحديث كان يطلب إليه أن يتصدر لتحديث الناس، كما جاء في «الانتقاء» ص١٩٧ عن ابن مَعين إمامِ الجرح والتعديل أنه سُئل عن أبي حنيفة، فقال: «ثقةٌ ما سمعت أحداً ضعّفه، هذا شعبة يكتب إليه أن يحدّث، و يأمره، وشعبة شعبة».

وكما عدّه الحافظ أبو عبد الله ابن البَيِّع الحاكم النيسابوري من الحفاظ المشهورين في «معرفة علوم الحديث» ص٢٤٠ (النوع التاسع والأربعين)، فقال: «هذا النوع من هذه العلوم معرفة الأئمة الثقات المشهورين من التابعين وأتباعهم ممن يُجمع حديثهم: ١ ـ للحفظ، ٢ ـ و المذاكرة، ٣ ـ و التبرك بهم، ٤ ـ وبذكرهم من الشرق و الغرب ...». وعدّ منهم أبا حنيفة.

هذا ما يدل على معرفة أبي حنيفة بالحديث، غير أنه لم يتخذ التحديث صنعةً وعملاً يشتغل و يُعرف به، بل كان أكثر عنايته بفقه الحديث و استنباط الأحكام، اختياراً منه للمرتبة الأولى من المراتب الثلاثة المشار إليها في الحديث المذكور.

(١) رواه مسلم في الطلاق، باب المطلقة ثلاثاً لا نفقة لها ٥ : ٣٤٣ برقم: ٣٦٩٤.

استدل بهذا النص الإمام القاضي عياض اليَحْصُبي المالكي على عدم جواز تخصيص القرآن بخبر الواحد، فقال: «في قول عمر هذا إشارةٌ إلى ترك تخصيص القرآن بأخبار الآحاد»[1].

و كذلك ردَّت عائشة رضي الله عنها حديث تعذيب الميت ببكاء أهله عليه لعموم الآية: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ [الأنعام: ١٦٤].

وأمثلةٌ أخرى ليس هنا مجال بسطها، وفي «الإجابة لإيراد ما استدركته عائشة على الصحابة» للإمام الزَّرْكَشي، و«عين الإصابة في ما استدركته عائشة على الصحابة» للحافظ السيوطي أمثلة كثيرة صالحة.

التابعون وأصول الفقه والحديث:

«الرواية بالمعنى» موضع خلاف بين الأصوليين، وكان أكثر التابعين على جوازها، ولكن ابن سيرين كان يرى عدم الجواز[2].

عصر تبع التابعين:

أما في عصر تبع التابعين، فقد ظهرت كثيرٌ من هذه الأصول، و اتضحت، ووُسمت، وعُنونت بـ «أصول الفقه»، وتداولتها الفقهاء حتى إن من لم يراعها ويلاحظها كان يُعاتب؛ لأنه غفل أو تغافل عمّا كان بدهياً عند كل فقيهٍ آنذاك، فقد قال الإمام أبو يوسف: «فهذا كما وصف من أهل الحجاز، أو رأي بعض مشايخ الشام ممن لا يحسن الوضوء، ولا التشهد، ولا أصول الفقه»[3].

---

(١) «إكمال المعلم بفوائد مسلم» ٥: ٥٤.

(٢) «الفصول في الأصول» ٢: ٧٥.

(٣) «الرد على سِيَر الأوزاعي» ص ٢٣.

ونقل الحافظ الخطيب، عن طلحة بن محمد بن جعفر أنه قال في الإمام أبي يوسف: «أول من وضع الكتب في أصول الفقه على مذهب أبي حنيفة»[1].

و نقله عن حافظ المشرق الخطيب البغداديِّ الحافظُ النسّابة السَّمعانيُّ، و ابنُ خَلِّكان ـ الشافعيان مذهباً ـ، وأقرَّاه[2].

وذكر ابن النديم كتاباً باسم «أصول الفقه» للإمام محمد بن الحسن الشيباني[3].

ثم قام المتأخرون من الأصوليين بتضمين أصولهم في الأخذ بالسنة في كتب أصول الفقه، (باب السنة) منها.

ومما يجدر الانتباه له أنه قد كثرت الكتب في أصول الحديث، وهي إنما تعتني وتناقش جانباً من أصول الحديث خاصاً بمناهج المحدثين في الرواية دون الفقهاء، كما قال الحافظ ابن حجر في «نزهة النظر»[4]: «فإن التصانيف في اصطلاح أهل الحديث قد كثرت للأئمة في القديم والحديث». ولهذا سمّى كتابه: «نزهة النظر في توضيح نخبة الفكَر في مصطلح **أهل الأثر**».

وأما أصول الحديث على مصطلح الفقهاء من أتباع المذاهب الأربعة ففي كتاب (السنة) من كتب أصول الفقه، وهي تختلف عن أصول المحدثين، ولهذا نجد أحاديث قد صحت على مصطلح أهل الحديث تُترك عند الفقهاء لعللٍ ثبتت عندهم في أصولهم.

---

(١) «تاريخ بغداد» ١٤ : ٢٤٥ ـ ٢٤٦.

(٢) انظر: «الأنساب» ٤: ٤١٣، نسبة (القاضي)، «وفَيات الأعيان» ٦ : ٣٨٢.

(٣) «الفهرست» ص ٢٥٨.

(٤) «نزهة النظر» ص ٣٣.

أهمية الأمر من جانب، وقلّة العناية به من جانبٍ آخر كانا يقتضيان أن يقوم فردٌ أو جماعةٌ بجمع أصول الأئمة الحنفية في الحديث، ويخرجها من بطون كتب أصول الفقه في كتابٍ مستقلٍ، وقد قام به الطالب الجادّ الشاب تلميذي الدارس في قسم التخصُّص في علوم الحديث عبد المجيد التركماني ـ ولم يبلغ عمره ٢٤ سنة بعد ـ خير قيام، وأدّاه على خير ما يرام، فجزاه الله عن أهل العلم خيراً.

و الرسالة تحتوي على تمهيد وثمانية أبواب، و التمهيد منها يحمل أهميةً بالغةً، حيث جمع فيه الكاتبُ الأصولَ التي ذكرها الإمام أبو حنيفة و صاحباه، والإمام الطحاوي في مؤلفاتهم، أو نقل عنهم الآخرون بالسند المتصل إليهم، وأثبت أن عيسى بن أبان هو أول مَن خصّ كتاباً في أصول الحديث عند الحنفية،سماه «الحُجج الصغير».

وقسم الأصوليين من الحنفية بأسلوبٍ حسنٍ إلى طبقات، وترجم لهم، و عرّف كتبهم، وتكلم عنها.

والأبواب الثمانية كلها ذات أهمية، وقد عالجها الكاتب بحسنٍ وإتقانٍ، إلا أن منها ما يفوق أهمية:

منها: باب تعارض الخبر والقياس، وقد تفحص الكاتب كتب الحنفية وسبرها، و نقدها، و أثبت أن خبر الواحد مقدمٌ عند الحنفية على القياس، وأن فقه الراوي ليس بشرط في قبول خبر الواحد.

ومنها: بحث الانقطاع الباطن لدى الحنفية، و كانت هذه المسألة بحاجةٍ إلى التحقيق والبحث المزيد، فأطال الكاتب فيها النَّفَس، وأجاد وأحسن، و لم يترك جانباً منها إلا أشبع فيه الكلام .

على أن كل مبحث من هذا الكتاب جميلٌ متقَـنٌ، و إنما أردت أن أنبِّه على بعض المباحث الهامة بالغ الأهمـية دون الإطراء على بعض المباحث و الغض من أخرى، و قد قال الشاعر الفارسي:

مشـك آن اسـت كه ببـويد   نـه آنكـه عـطار بگـويد

«المسـك هو ما يفوح بنفسه، دون ما يعـرِّفه العطار و يثـني عليه».

ولا شك أن الكتاب ـ ككتابٍ مستـقلٍ في أصول حديث الحنفية ـ يمثِّل اللبـنة الأولى في هذا البـاب وأن مجال الفحص والتحقيق مفتوحٌ على مصراعيه، وأرجو روّاد العلم ـ والكاتب كذلك ـ أن يتابعوا النظر في هذا الباب.

نظراً إلى أهمية الكتاب أقترح على أصحاب المدارس والجامعات أن يجعلوه في مقررهم الدراسي؛ ليتعرف الطلبة إلى أصول الحنـفية في الحديث.

وأدعو الله سبحانه أن يبارك في عمر الكاتب وعمله، و يزيد من علمه وتقواه، ويبقـيه في سلك البحث و التحقيق طول حياته، آميـن.

وكتبه

محمد عبد الحلـيم النعماني

رئيس قسم التخصص في علوم الحديث

بجامعة العلوم الإسلامية

محمد يوسف بنوري تاون بكراتشي

٢٠ رجب ١٤٣٠هـ

الموافق ١٣ يوليو ٢٠٠٩م

مقدمہ

موطا الامام مالک

روایۃ الشافعی عن مالک

موطأ الإمام مالك

رواية الشافعي عن مالك

إعداد وترتيب

محمد لطفي بن محمد يوسف البنجري

محمد لطفي بن محمد يوسف البنجري

أشرف عليه

الدكتور محمد عبد الحليم النعماني حفظه الله

رئيس قسم التخصص في علوم الحديث بجامعة العلوم الإسلامية

كلمة المشرف
الأستاذ الناقد الدُّكتور محمد عبد الحليم النُّعماني
رئيس قسم التخصص في علوم الحديث
بجامعة العلوم الإسلامية العلاّمة محمد يوسف البَنوري تاؤن، كراتشي

لاريب أنَّ العلم يمنح الإنسان حياة سرمديّة، ويترك لأهله ذكراً جميلاً، ولسانَ صدق في الآخرين، حتى يُخيّل إليهم أنهم أحياء -كما كانوا-، على تقادم عهدهم ومرور دهرهم؛ فمن ثمّ لم تزل الأمة الإسلامية مرتوية بمناهل علومهم العذبة ومنتفعة بتراثهم القيّم، ولا تزال تنتفع بها على هذا المنوال إن شاء الله تعالى.

ولقد منّ الله على المجتهدين من الأئمَّة الأربعة حيث خلّد ذكرهم، ونشر مذاهبهم شرقاً وغرباً في جميع أطراف الأرض وأكنافها، حتى اهتمَّ جميع أهل المذاهب بحفظ تراث إمامهم في الفقه والحديث.

ومن نماذج هذه الثَّروة العظيمة «الموطّأ» للإمام مالك (٩٣-١٧٩هـ)، إذ حُظي بميزة لا تكاد توجد في راو من رواة كتب الأئمّة الأربعة، وهي: رواية المجتهد المطلق عن المجتهد المطلق، إذ رواه الإمام الشافعي (١٥٠-٢٠٤هـ)، عن الإمام مالك رَحِمَهُمَاٱللَّهُ، وكل واحد منهما مجتهد على الإطلاق.

فانطلاقاً لما له من المكانة قال الإمام أحمد بن حنبل رَحِمَهُٱللَّهُ (١٦٤-٢٤١هـ):

«سمعت الموطَّأ من بضعة عشر نفساً من حفاظ أصحاب مالك، فأعدتُّه على الشافعي؛ لأني وجدته أقومهم»[١]. اهـ.

١- تهذيب التهذيب لابن حجر: (٢٧/٩)، (ط: الأولى، دارالفكر، اثنا عشرمجلداً، ومجلدان للفهارس، (١٤٠٤هـ) بتقدمة الشيخ خليلا لميس.

وكذلك قد عدّ أبومنصور عبد القاهر بن طاهر التميمي وابن الصلاح «رواية الشافعي عن مالك» من أصحّ الأسانيد؛ فإنَّ الإمام الشافعي من أتقن تلامذة الإمام مالك رَحِمَهُمَاٱللَّهُ[١].

ومن المؤسِف أنه لا تتوفَّر في مكتبات الأحاديث النبوية الزاخرة مجموعةٌ تضمُّ في كنَفها الأحاديث المروية بهذا الإسناد العالي، ولم يتحرّك لهذا العمل الجليل أحدٌ من أبناء أيِّ جامعة من جامعات العالم الإسلامي، أضف إلى ذلك أنَّه لم يَسبِق إليه ذهن أحدٍ من المنتمين إلى مذهب الإمام الشافعيّ رَحِمَهُٱللَّهُ أيضاً.

فهذا الكتاب الذي بين أيديكم قد زاد في تراث صحاح الحديث مجموعةٌ لا تتبدَّى خطورتها وأهميتها إلا لمن تعلَّق بعلم الحديث ومارسه.

ولتكن هذه المجموعة على المرتبة الثانية من بين كتب الأحاديث بعد« كتاب الآثار»، للإمام الأعظم أبي حنيفة رَحِمَهُٱللَّهُ (ت١٥٠هـ)؛ فإنَّ الإمام الأعظم من التابعين، والإمام مالك من أتباع التابعين، والشافعي من أتباع أتباع التابعين، وهو وإن استفاد ممَّن بعدَهُما إلَّا أدرك أواخر خير القرون، وهو من أتقن رواة مالك وأعلمهم وأقواهم، ونال مرتبة الإجتهاد وشاع مذهبه وكثر سالكوه، ولم يصل إلى هذه المرتبة أحد سواه؛ فلذلك فاق بين رواة مالك من يحيى الليثي (ت: ٢٣٤هـ)، ومحمد بن الحسن الشيباني (ت: ١٨٩هـ) وغيرهما بهذه الميزة: وهي مرتبة الإجتهاد المطلق.

وأمّا «كتاب الآثار»، فعلى المرتبة الأولى، ويشهد لذلك ما قد كتَبه جلال الدين السُيوطي (٩١١هـ) في كتابه الماتع «تبييض الصَّحيفة في مناقب الإمام أبي حنيفة»، - وأحسن وأجاد -، فدونك هذا النص: «من مناقب أبي حنيفة الّتي انفرد

٢- مقدّمة ابن الصلاح: باب معرفة الصحيح من الحديث، ص ١٤، (ط: الأولى، المكتبة العصرية، بيروت، ١٤٣٥هـ).

بها؛ أنه أوَّل من دوَّن علم الشريعة، ورتَّبه أبواباً، ثمّ تبعه مالك بن أنس في ترتيب الموطّأ، ولم يسبق أبا حنيفة أحد». اهـ.

وللأسف! قد سقطت هذه العبارة الهامَّة عن بعض نُسَخه المتداولة اليوم بتصرف بعض الناسخين، فإلى الله المشتكى، وهذا كما قيل:

وإذا أتتك مذمتي من ناقص فهي الشهادة لي بأنِّي كامل

هذا، وقد التحق الشيخ لطفي بن يوسف البنجري الشافعيّ- مدّ الله في عمره – قبل سبع عشرة سنة بجامعتنا الغرّاء - جامعة العلوم الإسلامية علّامة محمد يوسف بنوري تاؤن كراتشي - للتخصّص في علوم الحديث النبوي الشريف، فاستشارني فيما يختاره من الموضوع لمقالته، فشاورت شقيقي الأكبر محمد عبد الرَّشيد النُّعماني رَحِمَهُ ٱللَّهُ - وُلد بجيفور سنة (١٣٣٣هـ)، وتُوفِّي بكراتشي سنة (١٤٢٠هـ)، وصفه المحدّث عبد الفتاح أبوغُدّة (١٣٣٧-١٤١٧هـ) معتنياً بكتابه «الإمام ابن ماجه وكتابه السُّنن» بـ «العلّامة المحدّث النّاقد المحقِّق البارع الفقيه»- في هذا الصدد، فأشار عليّ بجمع مرويات الشافعي عن مالك، فرحم الله أخي الأكبر حيث حاز بأجر جميع الجهود التي صُرِفت على هذا العمل المبارك، «ألّلهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنَّا بعده».

ولـمَّا فرغ الشيخ لطفي بن يوسف الشافعي من جهده المستطاع في هذا العمل، زاده نضرةً وبهاءً بتحرير مقدمة أنيقة في فاتحة هذا الكتاب، وقد تولّى أمور تصحيحه تلميذاي: أسلم شجاع بن أحمد لبِّي السَعْدِي، ومحمد عمران بن محمد أشرف، تقبّل الله جهود جميع من ساهم في إعداد هذا الكتاب، ومتّعه بفيوض الإمام الشافعيّ رَحِمَهُ ٱللَّهُ.

وختاماً أُسدي الشكر الجزيل لإدارة الجامعة حيث تولّت عمليّة طباعة هذا البحث ونشره بين أيدي القارئين، واللهَ أسأل أن يوفقها - حسب نواياها - لطباعة

جميع المقالات والأطروحات، ونشرِها وإشاعتها شرقاً وغرباً ليعمَّ نفعها في أنحاء العالم، اللّٰهم آمين.

وكتَبه:

محمد عبد الحليم النعماني

(١٤٣٧/٧/٤هـ - ٢٠١٦/٤/١١م)

مقدمہ

ثنائیات

الامام الاعظم ابو حنیفہؒ

ثنائيات

الإمام الأعظم أبو حنيفة

تأليف

عبد العزيز بن يحيى السعدي

تقديم

فضيلة الشيخ الدكتور محمد عبد الحليم النعماني

رئيس قسم التخصص في الحديث

بجامعة العلوم الإسلامية في كراتشي - باكستان

و

فضيلة الشيخ نور الدين عتر

دوکان نمبر ۱۲ اسلام کتب مارکیٹ نزد جامعة العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
فون : 92-21-4918946 موبائل: 0300-2663801 - 0321-2242415

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

تقديم

بقلم: فضيلة الشيخ العلّامة المحدث الدكتور/ محمد عبد الحليم النعماني خريج أزهر الهند دار العلوم ديوبند ورئيس قسم التخصص في الحديث بجامعة العلوم الإسلامية علامة بنوري تاؤن كراتشي باكستان.

الحمد لله ربّ العالمين، والصلاة والسلام على سيّد الأنبياء والمُرسَلين، وعلى آله وأصحابه ومَن تَبِعهم بإحسان إلى يوم الدين.

أما بعد:

فإن الإسناد في الروايات والتاريخ خصيصة ورثتها الأمة الإسلامية جيلًا بعد جيل وكابرًا عن كابر عبر التاريخ المديد، كذلك الإسناد العالي، وهو أغلى، وأعلى، وأثمن ما لأجله ضربت إليه الأكباد، وبادر إلى حرزه العلماء والفضلاء في جميع الأقطار على مرّ العصور حصولًا على البُعد عن شوائب الخطأ والعلل مغبّة المصير إلى السند العالي في الأحاديث المباركة.

وأول التقاسيم التي عرّفها أبو عبد الله حاكم النيسابوري فعنونه بعنوان «معرفة عالي الإسناد»، ثم قال: «طلب الإسناد العالي سُنّة صحيحة»[1]، وقال العلّامة النووي رحمه الله: «طلب العلو فيه سنّة»، وقيل لأحمد بن حنبل رحمه الله: «أيرحل الرجل في طلب العلوّ؟ فقال: بلى، والله شديدًا لقد كان علقمة والأسود يبلغهما الحديث عن عمر رضي الله تعالى عنه، فلا يقنعهما حتى يخرجا إلى عمر، فيسمعانه منه»[2]، «هذان الإمامان الجليلان من أئمة التابعين يخرجان من العراق إلى المدينة مسيرة شهر لكي يسمعا من عمر حديثًا بلغهما عنه[3].

---

(1) التقريب [ص/ ١٨٢].

(2) علوم الحديث، [ص/ ٢٢٣].

(3) الرحلة في طلب الحديث النوع الثامن والعشرون - دار الكتب العلمية ١٩٧٥ م.

وكما كان الإسناد العالي من ميزات وخصائص بعض تلاميذ عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه كذلك الإمام الأعظم أبو حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي رحمه الله تعالى يتحلّى بهذه المنقبة العظمى والسنة السنية حيث استرعاءهُ بوفرة الثنائيات دليل باهر واضح كوضوح الشمس في رابعة النهار على عنايته واهتمامه بالعالي من الأسانيد ففي ثنائياته ما هي جديرة بالذكر كالآتي: عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما عن رسول الله ﷺ، وعن عطاء بن أبي رباح، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن رسول الله ﷺ.

ومن خصائص عالي الإسناد قرب العهد، وهو بحق منارة نور تستضاء، وتتعلق بمشكاة النبي العربي الأميّ ﷺ كما قد روى الشيخ ابن الصلاح عن الشيخ محمد أسلم الطوسي أنه قال: «قرب الإسناد قرب أو قربة إلى الله عزّ وجلّ وهذا كما قال لأن قرب الإسناد قرب إلى رسول الله ﷺ والقرب إليه قرب من الله عزّ وجلّ»(١).

ومن أقسام الإسناد العالي هو القرب بإمام من أئمّة الحديث معروف بين الناس، والقرب من الإمام من أئمة الحديث وإن كثر العدد من ذاك الإمام إلى رسول الله ﷺ. فأسانيد أحاديث الصحاح تدور على ستة: الزهري، وعمرو بن دينار، وقتادة، ويحيىٰ بن كثير، وأبو إسحٰق، والأعمش(٢).

والإمام الأعظم أبو حنيفة رحمه الله يروي عن جميع هؤلاء المذكورين من المحدثين العظام، ولمّا كان من جملة أساتذة الإمام الأعظم أبي حنيفة رحمه الله الصحابة رضوان الله عليهم وكبار أجلّة التابعين رحمه الله الذين لهم أهمية بالغة ومقام مركزي، وعليهم تدور الأسانيد في الصحاح الستة السائدة من كتب الأحاديث في جميع الأعصار والأمصار، فما ظنّكم فيمن كان له الأساتذة على هذه المثابة في علوّ المرتبة والمقام في الأسانيد من الأحاديث المباركة.

وهكذا الإمام الأعظم رحمه الله يروي عن فقهاء الأمصار، كعطاء بن أبي رباح، وطاوس بن كيسان، ويزيد بن حبيب، والإمام مكحول الشامي رحمهم الله، وغيرهم من الأئمة الكبار.

فروايته، عن مثل هؤلاء حملة العلم ونقلة الشريعة، وجعل صدره وذهنه خزينة لما تحصل عليها من بحار علومهم ومنابع فيوضهم يدل دلالة واضحة على أنه بلا شك جامع

(١) علوم الحديث لابن صلاح [ص/ ٤٤١]. (٢) مقدمة الجرح والتعديل [ص/ ٦٠].

علوم جميع الأعصار والأمصار، وحامل الأسانيد العالية والأخيار، فيمتاز عن الأئمة الثلاثة الباقية سوى تقدمه عنهم زمانًا بمزية التقدم الرتبي حيث فضله الله تعالى بما يشهد له ليلًا ونهارًا وصباحًا ومساءًا.

ومن الأئمة الأربعة الإمامان الجليلان أبو حنيفة ومالك رحمهما الله هما اللذان توجد لهما الثنائيات في أسانيدهم، فثنائيات الإمام الأعظم رحمه الله مبعثرة ومنتشرة في مسانيده، وفي غيره من الكتب التي تحمل روايات الإمام فعدد جميع مروياته الثنائية حوالي تسعة عشر ومائتين حديثًا أو أكثر.

ولكن لقد أشربت غاية الأسف والحسرة على عدم لفت الأنظار إليها، ولا أعلم أحدًا من الباحثين من تقدم فجعلها موضوعًا له، كما لم يشمّر عن ساعد الجد عالم أو محقق لجمع ثنائيات الإمام إمام دار الهجرة مالك رحمه الله، ولم أرَ حنفيًا تصدر واعتنى بجمع ثنائيات إمامهم الأفخم الأعظم - فإلى الله المشتكى -.

ففي القرن الرابع عشر أوجس في نفس أستاذ العلماء المحقق المفضال العلّامة الفقيه الأصولي الورع النقاد فضيلة الشيخ محمد عبد الرشيد النعماني رحمه الله فكرة رائعة لهذا العمل الجليل، فرغّب تلاميذه إلى تناول هذا الموضوع الأنيق، لكن لم يُقدّر لأحدٍ إنجاز أمله وأُمنيته في حياته، حتى انتقل من دار الفرار إلى دار القرار - طاب الله ثراه وجعل الجنة مثواه - إذ قام رجل شاب قدّر الله له تكميله وإنجازه الأخ الطالب النبيل الشيخ/ عبد العزيز يحيىٰ السعدي حفظه الله ورعاه أشرت إليه لقيام عبء هذا الموضوع فتغلغل في تكميله، فأبذل جهوده المضنية لهذه الخدمة العظيمة وإخراج هذه الثروة القيّمة، وعكف على الجمع والتحقيق والترتيب إلى أن أينعت أثمارها، وحانت أوان حصادها، وهذه من أفخر الخدمات الثقافية، وتكفي للناظرين الكرام والقارئين العظام تقديرًا لجهود الأخ العالم الفاضل، واعترافًا لصرف أوقاته الثمينة خطة البحث التي قدمها للقارئين تشهد أنه قد أدى الفريضة الباقية ما في وسعه، فهو جدير بالتقدير والتهنئة على هذا العمل الصالح الجديد.

فلا يدّعي بأن عمل التحقيق والبحث ينتهي إلى حدٍّ لا يمكن بعده عمل أفضل من ذاك العمل، لكن لا تصرف الأنظار عن ما خاض فيه الأخ/ عبد العزيز يحيىٰ السعدي حيث تناول الموضوع بجميع نواحيه وبذل جهوده فيها.

فأسأل الله الكريم أن يجازي الأخ الموصوف أفضل ما يجازي به عباده الصالحين في الدنيا والآخرة على هذا الإنجاز الأنيق، ويوفّق له المزيد من الإنجازات الفاخرة في

المستقبل، ويقدر القبول العام لهذا الكتاب كما آمل له إن شاء الله وينفع به الأمة الإسلامية حالًا ومآلًا فإن الله لا يضيّع أجر المحسنين.

وكتبه
د/ محمد عبد الحليم النعماني
كراتشي - باكستان
١٤ ربيع الأول ١٤٢٢ هـ

مقدمہ

ذکر اجازات الحدیث

فی القدیم والحدیث

ذكر إجازات الحديث في القديم والحديث

تأليف

الإمام العلامة الفقيه

الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي

(٩٥٨هـ/١٠٥٢هـ-١٥٥١/١٦٣٢م)

﴿قدم له وحققه وعلّق عليه﴾

أسد الله خان البشاوري

خرّيج قسم التّخصُّص في علوم الحديث والفقه الإسلامي

بجامعة العلوم الإسلامية علامة محمد يوسف بنوري تاون كراتشي باكستان

والأستاذ بجامعة إمداد العلوم الإسلامية جامع مسجد درويش بشاور

﴿قدم له﴾

العلامةُ الدُكتور محمّد عبد الحليم النُّعماني

العلامةُ الدُكتور عبد الرَّزاق إسكندر

العلامةُ الدُكتور محمّد إدريس السّندي

العلامةُ الشيخ سجّاد الحِجابي

مقدمة وتقريظ للعلامة محمد عبدالحليم النعماني حفظه الله تعالى[1]

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله والصلاة والسلام على سيدنا رسول الله.

أمابعد: فهذه بضعة كلمات أقدّمها لتحقيق علمي لكتاب «ذكر إجازات الحديث في القديم والحديث» للإمام عبدالحق المحدث الدهلوي، الذي حقّقه تلميذي الشيخ الفاضل أسدالله خان البشاوري، وأفرغ غاية جهده في الدِّراسة عن حياة الإمام الدهلوي، وتوفير المباحث المتعلقة بموضوع علم الإسناد وعلم الأثبات. وإني سررتُ جداً بإنجازه عمله الذي كنتُ بصدد الانتظار منه منذ سنوات. جزاه الله تعالى خيرا، ووفّقه لخدمات أخرى في علم الحديث الشريف.

وأودّ أن أورد هنا بعض مسائل علم الإسناد الذي قدّمته بين يدي طبعة جديدة لكتابي «فوائد جامعة شرح عجالة نافعة»:

بدء الإسناد:

بدأ وجودُ الإسناد في عهد النبي عليه الصلاة والسلام. وبعضُ الصحابة يذكرون الإسناد، كما روىٰ عبد الله بن محمد بن عقيل بن أبي طالب المتوفى سنة (١٤٢هـ) عن جابر بن عبدالله المتوفى سنة (٧٤هـ/ ٧٧هـ) يقول:

---

(١) هو خريج جامعة دارالعلوم ديوبند الهند، وخريج دكتوراه في جامعة كراتشي باكستان، مشرف قسم التخصص في علوم الحديث الشريف بجامعة العلوم الإسلامية علامة بنوري تاون كراتشي باكستان، مصنف الكتب الكثيرة. الأخ الشقيق للعلامة محمد عبدالرشيد النعماني رحمه الله. راجع لبعض أعماله العلمية مقدمة المحقق لهذا الكتاب.

«بلغني حديث عن رجل سمعه من رسول الله ﷺ فاشتريت بعيرا، ثم شددت عليه رحلي، فسرت إليه شهرا حتى قدمت عليه الشام، فإذا عبد الله بن أنيس. فقلت للبواب: قل له جابر على الباب. فقال: ابن عبد الله؟ قلت: نعم فخرج يطأ ثوبه فاعتنقني واعتنقته. فقلت: حديثا بلغني عنك أنك سمعته من رسول الله ﷺ في القصاص فخشيت أن تموت أو أموت قبل أن أسمعه. قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: يحشر الناس يوم القيامة أو قال: العباد عراة غرلا بهما. قال: قلنا: وما بهما. قال: ليس معهم شيء ثم يناديهم بصوت يسمعه من قرب أنا الملك أنا الديان ولا ينبغي لأحد من أهل النار أن يدخل النار، وله عند أحد من أهل الجنة حق، حتى أقصه منه. ولا ينبغي لأحد من أهل الجنة أن يدخل الجنة ولأحد من أهل النار عنده حق، حتى أقصه منه حتى اللطمة. قال: قلنا: كيف وإنا إنما نأتي الله عز وجل عراة غرلا بهما؟ قال: بالحسنات والسيئات».[1]

الفوائد المستخرجة من هذا الحديث:

عُلم مِن هذا الحديث ١- أنّ الصحابة يحبون تحصيل علم الحديث الشريف ويشتاقون إليه. ٢- كما أنهم يرغبون العلو في الإسناد. ٣- كذا ثَبَت منه أن طلب العلو في الأسانيد بدأ قبل سنة (٥٤هـ). ٤- وأنهم يسافرون لأجل طلب العلم.

ولكنَّ عهدَ النبي ﷺ وعهدَ الصحابة وصدرا من عهد التابعين لم يكن فيها التزامٌ للإسناد في مجال التعليم والتدريس، والصحابة يذكرون الأحاديث بلا

---

(١) مسند أحمد ١٢/٤٢٧، رقم الحديث (١٥٩٨٤)، الأدب المفرد، باب المعانقة، رقم الحديث (٩٧٠) ص٢٨٧ طبعة دار الكتب العلمية بيروت سنة (١٤١٠هـ).

إسناد، وفي ذلك يكتب العلامة محمود حسن خان الطونكي رحمه الله تعالى المتوفى سنة (١٣٦٦هـ) في كتابه «أصول التوارث» بالأردية ما معرّبه:[١]

«في عهد الصحابة وصدر من عهد التابعين لم يكونوا يلتزمون الإسناد في مجال التعليم والتبليغ، والصحابة يحدّثون الخبرَ من دون معاينة الحادثة بأنفسهم، ولذلك يُدوَّن في كتب الحديث المراسيلُ التي لم يُذكر فيها الرواةُ الأصولُ. وأحياناً يذكرون الحديث الذي سمعوه من النبي عليه الصلاة والسلام، ولم يذكروه بلفظ: «سمعتُ»، ولذلك موقوفات الصحابة التي لا مجال للاجتهاد فيها أثرًا عُدَّتْ مرفوعات. وأحياناً يُفتون في المسألة، ولايذكرون الحديث، ولايقولون: قال رسول الله ﷺ، ولذا ورد في كل باب أقوالُ الصحابة كما ورد فيه الأحاديثُ.[٢] وأحياناً يروي الصحابيُ الحديثَ عن عدّة من الصحابة، ولم يذكر أحداً منهم، ويطلع على ذلك الوسائطِ المحدثُ المطلعُ بعد التحقيق، وهي أربعة وسائط أو خمسة. كما حقق العلامةُ النووي في باب «كون النهي عن المنكر من الإيمان»، في رواية عبدالله بن مسعود ﷺ، حيث يقول: «وفي هذا الإسناد طريفة وهو أنه اجتمع فيه أربعة تابعيون يروي بعضهم عن

---

(١) ص٢٨-٢٩ طبعة أعظم ستيم بريس حيدر آباد الدكن.

(٢) كما ورد في صحيح البخاري (باب صلى النبي لسبوعه ركعتين ٢/ ٥٨٧، طبع دار ابن كثير اليمامة بيروت): عن عمرو سألنا ابن عمر ﷺ أيقع الرجل على امرأته في العمرة قبل أن يطوف بين الصفا والمروة قال قدم رسول الله ﷺ فطاف بالبيت سبعا ثم صلى خلف المقام ركعتين وطاف بين الصفا والمروة وقال: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾. قال: وسألت جابر بن عبد الله ﷺ فقال: لا يقرب امرأته حتى يطوف بين الصفا والمروة.

بعض: صالح والحارث وجعفر وعبد الرحمن وقد تقدم نظير هذا، وقد جمعت فيه بحمد الله تعالى جزءا مشتملا على أحاديث رباعيات منها أربعة صحابيون بعضهم عن بعض وأربعة تابعيون بعضهم عن بعض»[١].

ويكتب العلامة النووي أيضا في باب «الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً» ما نصه: «وفي هذا الإسناد لطيفتان من لطائفه احداهما: أنه اجتمع فيه ثلاثة صحابيون بعضهم عن بعض وهم انس ومحمود وعتبان. والثانية: أنه من رواية الأكابر عن الأصاغر؛ فإن أنسا أكبر من محمود سناً وعلماً ومرتبةً رضي الله عنهم أجمعين»[٢]

قلتُ: ٣- وثبت من هذا الحديث أن الصحابة كم هم عُشَّاقٌ إلى العلم، ولايستحيون في أخذهم عن الصِّغار. ٤- وعُلم من ذلك أن أنساً ﷺ كلَّما أَحَبَّه حديثٌ يأمر بكتابته. ٥- كما يَدلُّ على أن عند أنس ﷺ مجموعةً مِن الأحاديث.

وأحياناً يروون الحديث عن التابعي الكبير فيذكرونه بـ «قال رسول الله ﷺ»، ولا يذكرون اسم التابعي.

وفي رواية الصحابة عن التابعين رسالةٌ لطيفةٌ للعلامة ابن حجر العسقلاني: «نزهة السامعين في رواية الصحابة عن التابعين»، وذكر فيه خمس وثلاثون (٣٥) عدداً من الصحابة الذين يروون عن التابعين، وهذه الرسالة طبعت في مكتبة دار الهجرة الرياض السعودية.

---

(١) شرح صحيح مسلم ١/ ٢٤٩، طبع مكتبة البشرى كراتشي سنة (١٤٣٠هـ).

(٢) شرح صحيح مسلم ١/ ٢٢٣.

وذلك لأن الصحابة كما أنهم ثقات، هكذا يَرَوْنَ الآخرينَ صادقين، كما ورد عن البراء ﷺ المتوفى سنة (٧٢هـ): «ما كلُّ ما نحدثكم عن رسول الله ﷺ سمعناه من رسول الله ﷺ، ولكن سمِعْنَاه وحدَّثَنا أصحابُنا ولكنَّا لانكذِب».[١]

وكما ورد عن أنس ﷺ المتوفى سنة (٩٢هـ/ ٩٣هـ). «عن حميد الطويل عن أنس بن مالك أنه ربما سُئل إذا حدَّث، فيقال له: أنت سمعتَ هذا من رسول الله ﷺ؟ فيغضِبُ ثم يقول: ما كُلُّ ما نحدّثكم سَمِعناه من رسول الله، وما كان بعضُنا يكذِب على بعضٍ».[٢]

فالحديثُ إن لم يصرَّح فيه الراويُّ اسم شيخِه فهو المرسلُ، فإنَّ مرسلَ الصحابي هو ما رواه الصحابيُ مِن قولٍ أو فعلٍ لرسول الله ﷺ غير مباشر.

وأسباب إرسالهم ذلك كما يلي:

١-إما أن يكون ذلك الصحابي تأخر إسلامه كأبي هريرة (٣٣هـ-٧٣هـ / ٦٢٢م-٦٩٢م) أسلم بعد فتح مكة. فهو يروي حديث: «من أصبح جنباً فلا صوم له»[٣] لم يروه عن النبي ﷺ، إنما سمعه عن فضل بن عباس رضي الله عنهما.[٤]

---

(١) الكامل في ضعفاء الرجال١/ ١٦٤، طبعة المكتبة الأثرية شيخوبورة.

(٢) كتاب العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد بن حنبل ٢/ ٤١٠، طبعة المكتبة الإسلامية دار الخاني الرياض.

(٣) الصحابة لم يعمل بهذا الحديث، فيلزم عليه الصوم.

(٤) صحيح مسلم ١/ ٣٥٣، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، طبع قديمي كراتشي (١٣٧٥هـ).

٢- أو لم يكن حاضرا في ذلك المجلس، كما ورد عن البراء رضي الله عنه: «ما كل الحديث سمعناه من رسول الله، كان يحدثنا أصحابنا عنه، كانتْ تَشْغَلُنا عنه رعيةُ الإبل».[1]

٣-أو كان صغيراً كعبدالله بن عباس وعبدالله بن الزبير رضي الله عنهم، كانا صغيرَي السِّنِ، إنهما سمعا من الصحابة الأحاديثَ، وما سمعاه من النبي ﷺ قليلٌ، ومع ذلك حديثُهم حجةٌ.[2]

وإن روى الصحابي عن التابعي ويرسله فهو موقوفٌ، والظاهر أن مراسيل الصحابة وموقوفاتهم لايجوز نسبتها إلى رسول الله ﷺ مباشرةً، ولكن مع كل ذلك عُدَّتْ مراسيلُهم وموقوفاتُهم مرفوعاتٍ؛ لأن الصحابة كلُّهم عدولٌ

---

(١) مسند أحمد١٤/ ١٩٠-١٩٢، طبع دار الحديث القاهرة سنة (١٤١٦هـ). ونحوه ورد عن أبي هريرة ﷺ كما في «الطبقات الكبرى» لابن سعد ٤/ ٣٣٠، طبع دار صادر بيروت سنة (١٣٧٧هـ).

(٢) وهذه هي الأسباب التي يقِلّ بها عدد روايات الصحابة، نعم هناك سببٌ آخر لقلة الرواية عن الصحابة الكرام، وهو التحقيق والتوقي والاحتياط فيهم في ذكر الأحاديث، وهذا السبب ذكره أخي الكبير محقق أهل العصر العلامة محمد عبدالرشيد النعماني المتوفى سنة (١٤١٩هـ)، فهو يكتب في كتابه «الإمام ابن ماجه وكتابه السنن» ص٣٢: «فالكبار من الصحابة ﷺ كان الغالب عليهم: التوقي في حديث رسول الله ﷺ، والتحري والتثبت، والإقلال في الرواية، كما روى البخاري في صحيحه عن عبدالله بن الزبير قال: قلتُ للزبير إني لا أسمعك تحدث عن رسول الله ﷺ، كما يحدث فلانٌ وفلانٌ، قال: أما أني لم أفارقه ولكن سمعته يقول: من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده في النار».(صحيح البخاري، باب التوقي في حديث رسول الله ﷺ ١/ ١٢).

وصدوقٌ وثقاتٌ. والقرآنُ أعطاهم شرفاً ومرتبة ما لم يعط أحداً من بعدهم إلى يوم القيامة بسبب تضحيّاتهم البدنيّة والماليّة في سبيل إعلاء كلمة الله. فالقرآن يُنادي في حقّهم:

١- ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾. (آل عمران:١١٠).

٢- ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ﴾ (المجادلة:٢٢).

٣- ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (المائدة:١١٩).

٤- ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:١٨).

٥- ﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾. (الفتح:٢٦).

٦- ﴿يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ﴾. (التوبة:٢١).

٧- ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾. (الأنفال:٤).

٨- ﴿حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾. (الحجرات:٧).

٩- ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (الحجرات:١٥).

يُلاحظ في هذه الآيات الكريمة أن الصحابة أعطاهم الله تعالى في الدنيا شهادةَ: ١- الصدق، والعدالة، والإيمان المعتبر ٢- والدرجات العليا ٣- والغفران ٤- ورزق كريم في الدنيا والآخرة ٥- والرُّشد والهداية ٦- والفوز

الأبدي. وفضّ عليهم ختماً، فماذا بقي بعد ذلك. ولأجل هذه الميزات مراسيل الصحابة مقبولة بالاتفاق، وهذه المراسيل غَنِيَّةٌ عن الإسناد.

وجه تكثير مراسيل الصحابة:

وجه تكثير الصحابة المراسيلَ أنهم في تبليغ الدين وتعليمه ودرسه وتدريسه ثقات وأمناء، لأجل هذا لايرون الإسناد أمرًا أساسياً، صرح في ذلك العلامة محمود حسن خان الطونكي، ما معربه:

«عُبّاد هذه القرون ثقات وأمناء في الدين، صَدَاقتُهم مسلَّمةٌ، إيمانُهم الخالصُ وتقواهم ساطعٌ كالشمسِ، هم لا يَرَوْنَ ذكر الإسناد إلى آخره لازماً. كما في صحيح البخاري، في كتاب اللباس: حدثنا آدم، حدثنا شعبة، حدثنا عبدالعزيز بن صهيب، قال: سمعتُ أنس بن مالك، قال شعبة: فقلتُ: أعن النبي ﷺ؟ فقال شديدًا: عن النبي ﷺ: من لبس الحرير. الحديث.

ففي هذا الحديث سأل شعبة عن عبدالعزيز عن الحديث أنه مرفوع أم قول أنس؟ فأجاب عبدالعزيز بشدة أنه قول رسول الله ﷺ لا من قول أنس. فلو لم يسأل شعبةُ عنه لكان الحديث منقطعاً.

وفي الصحيحين: «عن ابن شهاب أن عمر بن عبد العزيز أخر الصلاة يوما فدخل عليه عروة بن الزبير فأخبره أن المغيرة بن شعبة أخر الصلاة يوما وهو بالكوفة فدخل عليه أبو مسعود الأنصاري فقال: ما هذا يا مغيرة؟ أليس قد علمت أن جبريل نزل... (الحديث). فقال عمر لعروة: انظر ما تحدث يا عروة أو إن جبريل عليه السلام هو أقام لرسول الله ﷺ وقت الصلاة فقال عروة: كذلك كان بشير بن أبي مسعود يحدث عن أبيه».

ففي هذا الحديث لو لم يسأل عمرُ عن عروةَ لكان السندُ منقطعا»[1].

التزام السند والاهتمام به:

ثم بعد ظهور الفتن بدأ الالتزام ببيان الإسناد.[2]

كما يقول العلامة محمد بن سيرين (٣٣هـ-١١٠هـ/ ٦٥٣م-٧٢٩م): «قال لم يكونوا يسألون عن الإسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سمّوا لنا رجالكم، فيُنظر إلى أهل السنة، فيُؤخذ حديثُهم، ويُنظر إلى أهل البدع، فلا يُؤخذ حديثهم». [3]

علم من ذلك أنهم لايلتزمون بالإسناد في أول الأمر، ثم لما وقعت الفتن بدأوا يسألون عن الإسناد، إن كان مِن أهل السنة يؤخذ حديثه، وإن كان من أهل البدعة، لا يأخذونه. وعلم أيضا من ذلك أن الصحابة والتابعين كانوا يَعْمَلون على أصول التوارث، ويتضح ذلك من مطالعة مقدمة «صحيح مسلم».

ويُلاحظ هنا جيدًا أن اشتراط اللقاء بين الراوي والمروي عنه في حديث المعنن من علماء الفن الذين لم يكونوا من خير القرون هو: خلافُ التوارث والتعامل الذي اختاره أصحابُ خيرِ القرون من الصحابة والتابعين ورُؤوس الحفاظ ونُقاد الآثار. وبهذا الشرط نَتَنازَلُ عن كثير من أحاديث الأحكام المعننة.

ولذلك بالغ الإمام مسلم في الرد على من اشترط اللُّقي، واستعمل في الرد عليه بأربعة كلمات، ولم يكتف بالواحد منها. يقول في مقدمة «صحيح مسلم»: «وهذا

---

(١) أصول التوارث ص٢٩-٣٠.

(٢) والمراد من الفتن: شهادة عثمان ﷺ المتوفى سنة (٣٥هـ/ ٦٥٥م)، وواقعة جمل (٣٦هـ/ ٦٥٦م)، وواقعة صفين (٣٦هـ-٣٧هـ/ ٦٥٧م)، وكثرة نشر الكذب.

(٣) مقدمة مسلم ص١١، باب بيان أن الإسناد من الدين، طبعة قديمي كراتشي.

القول يرحمك الله في الطعن في الأسانيد ١- قولٌ مخترعٌ، ٢- مستحدثٌ، ٣- غيرمسبوقٍ صاحبُه إليه، ٤- ولا مساعدٍ له من أهل العلم عليه». [١]

وعن ابن سيرين أيضا: «إن هذا العلم دينٌ فأنظروا عمن تأخذونه». [٢]

لكن الذين أتوا بعدهم من المحدثين الذين لهم عناية بالحديث فقط، تشددوا في هذا حتىٰ أنهم لايحتجون بالروايات التي سقط فيها الوسائط. كما ترىٰ منهجهم في الإمام حسن البصري (٢١هـ-١١٠هـ/ ٦٤٢م-٧٢٨م) الذي هو جليل القدر، وحافظ الحديث، والمجتهد الكبير، لايهتَمُّون بمراسيله، بل يَرونها ريحاً ويردّونها. [٣] ومُثير الإعجاب! أن أميرالمؤمنين في الحديث الإمامُ الترمذيُ نَقل مذهبَ الحسن البصري رحمه الله تعالىٰ في تسع مواطن [٤]، ويَرَاه نجاةً لِمغفرته. ويقول الحسن البصري أنه مكث عند عدة من الصحابة وأخذ عنهم، فلأجل كثرة شيوخه من الصحابة في الرواية لم يذكر أسمائهم فردا فردا. [٥]

---

(١) مقدمة مسلم ص٢٢.

(٢) مقدمة مسلم ص٢٢.

(٣) كما في تدريب الراوي١/ ٢٠٤: وقال العراقي مراسيل الحسن عندهم شبه الريح.

(٤) أرقام الأحاديث: (١٣٩)، (١٤٠)، (١٤٤)، (٢٥٦)، (١٠٥٢)، (١١٠٢)، (١١٨٠)، (١٢٧١)، (١٤٥٦).

(٥) وقال رجل للحسن: يا أبا سعيد إنك تحدثنا فتقول: قال رسول الله ﷺ، فلو كنت تسنده لنا إلىٰ من حدثك. فقال الحسن: أيها الرجل ما كذبنا ولا كذبنا ولقد غزونا غزوة إلىٰ خراسان ومعنا فيها ثلاثمائة من أصحاب محمد ﷺ. (تدريب الراوي ١/ ٢٠٤).

لاحظ قليلا! مذهبُ الحسن البصري الفقهي الذي بني على اجتهادِه ورأيِه نجاةٌ للغفران، ولكن مراسيلُه -التي نتيجة فكره الاجتهادي أيضاً- لاقيمةَ لها. مع أن احتمالات التضعيف التي بيَّنها ابن حجر العسقلاني (٧٧٣هـ-٨٥٢هـ/ ١٣٧٢م-١٤٤٩م) في مرسل التابعي[1]، تكون في مرسل الصحابي كذلك، سوى أن هذا لايكون ضعيفا.

فوائد الإسناد:

١- فائدةُ السندِ الكبرى هي: اقتران اسم الراوي بالرسول ﷺ إلى الأبد، وتحصيل الانتساب إليه ﷺ.

٢- وفائدة السند الأخرى قبل إيجاد المطابع هي: أن الراوي يحصل له بالإسناد حقوقُ النشر والإشاعة لتحقيقات شيخِه وعلومِه، وحقُّ الاقتناء والأخذ.

وكان من العادة في الأزمنة الأولى أن الراوي يكتب في نسخته أسماء الطلبة الذين شاركوا معه عند الشيخ، وبهذا يحصل الإجازةُ وحقوقُ النشر لكلِّ الرُّواة المذكورين في ذلك الكتاب. وإليك قِصَّة تُثْبِتُ مَا قلناه:

قال العلامة ابن الصلاح: «فقد روينا: أن رجلا ادعى على رجل بالكوفة سماعا منعه إياه فتحاكما إلى قاضيها حفص بن غياث -المتوفى سنة (١٩٦هـ)- فقال لصاحب الكتاب: أخرج إلينا كتبك فما كان من سماع هذا الرجل بخط يدك ألزمناك وما كان بخطه أعفيناك منه. قال «ابن خلاد» : سألت أبا عبد الله

---

(١) نزهة النظر ص٨٥ طبع مكتبة رحمانية لاهور.

الزبيري عن هذا فقال: لا يجيء في هذا الباب حكم أحسن من هذا لأن خط صاحب الكتاب دال على رضاه باستماع صاحبه معه». [١]

وعُلِم مِن هذا أنّ طريقة الاقتباس(citation index) ١- اسم الكتاب ٢- سنة الطباعة ٣- المطبعة بدأ دور تدوينها في القرن الثاني من الهجرة.

٣-وفائدة الإسناد الثالثة: أن الإسناد ضامنٌ للتحفيظ عن التزيّف، وبه انفضح أمره، والإسناد شاهدٌ على أن الرواة كلهم موثوقون، ولذا يقال: الإسناد من الدين. والتحقيق أولى من اعتقاد قلبي[٢].

وكتبه **محمد عبد الحليم النعماني**

في ٧ محرم ١٤٣٧هـ في كراتشي باكستان

---

(١) معرفة أنواع علم الحديث ص ٣١٥، طبع دارالكتب العلمية بيروت.

(٢) مقدمة فوائد جامعة شرح عجالة نافعة ص٤٧-٥٦.

تقاریظ

پیش لفظ

بر

مشارق الانوار

(عربی مع اردو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخاری و مسلم کا انتخاب اور رسول اللہؐ کے کلماتِ طیبہ کا لبِ لباب

۲۲۷۲ قولی احادیث کا گرانمایہ مجموعہ

مشارق الانوار

(عربی معہ اردو)

فقہی ترتیب والا ایڈیشن

مؤلفہ :- امام رضی الدین حسن صغانی رحمہ اللہ

ترجمہ و فوائد از حضرت مولینا خرم علیؒ

مرتب :- مولانا محمد عبد الحلیم چشتی

ناشر

نور محمد - اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب آرام باغ - کراچی

کچھ ترتیب کے بارے میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امام حسن صغانی لاہوری رحمہ اللہ نے "مشارق الانوار" کو عواملِ نحویہ پر مرتب کیا تھا، ہم نے اس کی ترتیب فقہی ابواب پر کی ہے۔

فقہی ابواب میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ترتیب وتبویب ہی کو اصل الاصول قرار دیا ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکا، شیخین (امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ) کے ابواب کی اتباع کی ہے۔ چنانچہ حدیث کو اسی باب کے تحت بیان کیا ہے جس باب اور عنوان کے تحت شیخین نے صحیحین میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

ہم نے ترتیبِ ابواب میں صحیح مسلم کے ابواب کو پہلے ذکر کیا ہے۔ اور اس میں ان حدیثوں کو بیان کیا ہے جن کی تخریج امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں کی ہے۔ اس کے بعد ان حدیثوں کو ذکر کیا ہے جن کو شیخین نے صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں روایت کیا ہے، مگر ایسی تمام حدیثوں کو صحیح مسلم کے فقہی عنوانات کے تحت ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد صحیح بخاری کی حدیثوں کو بیان کیا ہے اور ان کو صحیح بخاری کے فقہی ابواب اور عنوانات کے تحت ذکر کیا ہے۔

گرچہ "مشارق الانوار" قولی حدیثوں کا ایک نہایت مستند ذخیرہ ہے مگر اس میں بھی حدیث کے ہر ہر جز کو بیان کرنے کا التزام نہیں کیا گیا ہے، اس لئے ابواب بندی میں کہیں کہیں ہمیں نیا عنوان قائم کرنا پڑا ہے مگر جہاں ایسا کیا ہے وہاں اس امر کی فٹ نوٹ میں تصریح کر دی ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ امام مسلم اور امام بخاری رحمہما اللہ نے اس حدیث کو کس عنوان میں ذکر کیا ہے۔

ہم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے وجوہ اور اسباب، اس کے فوائد اور اغراض اور ترتیب ابواب میں شیخین کی ترتیبِ فقہی کی رعایت اور پھر اس ترتیب میں صحیح مسلم کے ابواب کی ترجیح وغیرہ، اس قسم کی معلومات کے لئے "مقدمۂ مرتب" ملاحظہ فرمائیں۔

محمد عبد الحلیم چشتی

۱۹ رذی الحجہ ۱۳۷۵ھ

پیش لفظ

بر

نصیحۃ المسلمین

مؤلفہ

مولانا خرم علی بلہوری

(المتوفی ۱۲۷۳ھ)

مرتبہ

مولانا محمد عبدالحلیم چشتی

ناشر

نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب آرام باغ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"نصیحۃ المسلمین" مولانا خرم علی بلہوری (المتوفی سنہ ۱۲۷۳ھ) کی نہایت مشہور اور مقبول تصنیف ہے۔ اور وہ کتاب ہے جس نے شرک و بدعت کا قلع قمع کیا۔ نکھری ہوئی توحید کی دعوت دی، لاکھوں انسانوں کو کتاب و سنّت کا سچّا پیرو بنایا، اور توحید کی امانت کو سینوں کی گہرائیوں میں اُتارا ہے۔

"نصیحۃ المسلمین" کی زبان اگرچہ سادہ اور سلیس ہے مگر اس کو تالیف ہوتے آج ایک سو تیس (۱۳۰) برس گذر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جا بجا ترتیبِ الفاظ اور جملوں کی ساخت میں قدامت کا رنگ جھلکتا ہے۔ جس نے اس دور میں اس کی افادیت کو محدود کر دیا تھا۔ ہم نے اس کی افادیت کے پیشِ نظر زبان کو نئے قالب میں ڈھالا ہے۔ مگر کہیں بیجا تصرف نہیں کیا۔ جہاں تک ہو سکا مؤلف ہی کے الفاظ کو عبارت میں قائم رکھا ہے۔

قارئین کی سہولت کے لئے مسلسل عبارت کو پیراگرافوں میں تقسیم کیا۔ ذیلی عنوانات قائم کئے اور تشریح طلب امور کی فوائد میں وضاحت کی ہے۔ جہاں قابلِ ذکر نام آئے ہیں وہاں ان لوگوں کے مختصر سوانح بھی فوائد میں بیان کر دئیے ہیں۔

مولانا خرم علیؒ کی نظم پر حکیم عبدالودود نسرین نے مسدس کہا تھا۔ وہ بھی آخر میں شامل کردیا گیا ہے۔

آج جب کہ دین سے بُعد ہوتا جارہا ہے اور اسلامی تعلیمات سے بیگانگی بڑھتی جارہی ہے اس کتاب کا پڑھنا بالخصوص بچوں اور خواتین کو پڑھانا دین و دنیا کی کامرانی اور ایمان کی سلامتی کا باعث ہے۔

محمد عبدالحلیم چشتی

۱۵ رجمادی الآخرہ ۱۳۷۶ھ
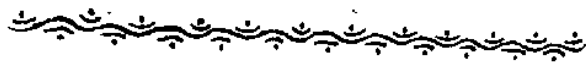
تقریظ

بر

تجلیاتِ سیرت

تجلیاتِ سیرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور غیر مسلم سیرت
نگاروں اور مذاہب عالم کے دانشوروں کا خراجِ عقیدت

پیش لفظ

از مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی
فاضل دارالعلوم دیوبند
ایم اے۔ ایم ایل ایس۔ پی ایچ ڈی
مشرف شعبہ تخصص فی الحدیث النبوی ﷺ
جامعہ علوم اسلامیہ کراچی

پیش نظر کتاب "تجلیات سیرت" رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی سیرت، اخلاق وعادات، کردار وگفتار، بے مثال قربانی وعظیم الشان خدمات کے گوناگوں پہلوؤں اور اسلامی تعلیمات کے مختلف گوشوں پر مذاہب عالم کے مشہور دانشور وارباب فکر ونظر کے افکار ونظریات، قلبی احساسات وتاثرات کا نہایت دلکش مرقع ہے۔ ان کی تحقیقات وتنقیحات اور بارگاہ رسالت میں محبت وعقیدت، دلاویزی وگرویدگی، اور تحسین وستائش کی آئینہ دار ہے۔

جو مسلمان اس کتاب کو پڑھے گا اسے حیرت ہوگی کہ ایک مخالف مذہب غیر مسلم اپنا تاثر اس طرح پیش کرتا ہے کہ مسلمان بھی انہیں پڑھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

سرکار دو عالم و سردار انبیاء کی سیرت اور اسلام جیسے منصفانہ، جامع، منظم ومکمل نظام وضابطہ حیات کا جن کا ماضی نہایت شاندار و درخشاں رہا ہے ان مذاہب عالم کے دانشوروں کے حقیقت پسندانہ اعترافات اور سچی شہادتیں حقیقت میں "ورفعنا لک ذکرک" کی جلوہ نمائی ہے کہ مسلمان ہی آپ کی یاد سے قلوب واذہان کو آباد وروشن نہیں رکھتے بلکہ غیروں کے قلب ونظر بھی اس کی نغمہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔

ہم ہوئے کہ تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

مذکورہ بالا حقائق واعترافات کے باوجود مذاہب عالم کے ان دانشوروں کا اسلام کے قبول کرنے سے کترانا حقیقت میں ایک ایسا کانٹا ہے جو اس کتاب کے پڑھنے والے کے دل میں کھٹکتا ہے اور وہ اس خلش کی چبھن کو محسوس کرتا اور

یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر اس کے اسباب کیا ہیں؟

بادی النظر میں اس کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

- قومی عصبیت
- سیاسی وجوہ و اسباب
- سائنسی علوم میں برتری و تفوق
- ماحول کی مخالفت
- عملی زندگی سے گریز
- عزیزوں اور دوستوں کے طعن و تشنیع کا خطرہ
- مالی نقصان کا ڈر
- اہل و عیال کی جدائی کا خدشہ و خطرہ
- فاتح و مفتوح کا امتیاز
- مسلم قوم کی پسماندگی
- مذہبی تعصب
- سچی طلب و تڑپ کی کمی

اس معاملہ میں خود ہماری اپنی عملی و اخلاقی خامیاں و کوتاہیاں' اسلامی تعلیمات سے بیگانگی اور پہلوتہی بھی اس دور میں غیر مسلموں کی اسلام سے دوری کا ایک اہم سبب ہے۔ عمل و عقیدہ کا یہ تضاد اور اسلامی تعلیمات سے دوری ہمارا قومی مزاج سا بن گیا ہے ہماری کیفیت اب موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کی سی ہو گئی ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

"وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا"

اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اسے اپنا راستہ نہ بنائیں' اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ بنا لیں۔

(۱۴۶۔ الاعراف)

صحابہ کرامؓ اور تابعین و تبع تابعینؒ کے زمانے میں ہر خاص و عام کی رگ و پے میں اسوہ رسول ﷺ ایسا رچ بس گیا تھا کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا' کھانا پینا' گفتگو کرنا' ملنا جلنا' رہنا سہنا' غرض ہر فعل و حرکت اسلامی تعلیمات اور اسوہ رسول ﷺ کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی۔ اس لئے آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد' جو ان کو دیکھتا متاثر ہوتا اور جو ان کے زیر سایہ آتا انہی کے رنگ میں رنگ جاتا' ان کی دین سے وابستگی' جاں نثاری' ایثار و قربانی' اخلاص و للہیت سے ہر انسان اثر لیتا اور انہی کے ڈھنگ پر چلتا تھا' اس لئے ابتدائی مدنی دور میں اسلام نہایت تیزی سے پھیلتا چلا گیا۔

"تجلیات سیرت" درس عبرت بھی ہے جو ہمیں اپنی ذمہ داری کا احساس دلاتی اور ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ اپنے آپ کو ہم انہی اسلامی اخلاق و کردار سے آراستہ و پیراستہ کریں جو ہمارے اسلاف کا طرہ امتیاز تھا اور اس امر کا بھی ہمیں جائزہ لینا چاہئے کہ ہم اس دور میں خیر امت کے فرائض 'عدل و انصاف' احسان و حسن سلوک' پرہیزگاری و نیکو کاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے اور حقوق اللہ کو پورا کرنے میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں یا شرامت کے کام کر رہے ہیں فواحش و منکرات' سرکشی و بغاوت میں مبتلا ہیں جو غیر مسلموں کے اسلام لانے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ چنانچہ مشہور ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد "عرب کا چاند" میں لکھتا ہے۔

اسلام دنیا میں اس لئے آیا تھا کہ دنیا سے کبر و غرور' جھوٹ' غیبت' بد عہدی' چوری' زنا' جوا' ظلم' فساد' ایسے انسانیت کش جرائم سے دنیا کو پاک کردے' نا اس لئے کہ اس اسلام کے دعویدار مسلمان یہ سب کچھ خود کرنے لگیں' غضب خدا'... اگر بیک وقت ایک چیز سیاہ اور سفید دونوں رنگوں کی حامل نہیں ہو سکتی'.... اسی طرح مسلمان کے ساتھ یہ تمام بدعادتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس کتاب کو پڑھنے والے کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کردار کے اعتبار سے ہمیں انہی معیاروں پر پورا اترنا چاہئے جن کا اسلام ہم سے تقاضا کرتا ہے تاکہ ہم دنیا و آخرت میں رسوائی سے بچیں۔

عہد رسالت ﷺ میں بھی دانشوران یہود و نصاریٰ کو مذہبی تعصب اسلام قبول کرنے سے مانع رہا ہے حالانکہ انہیں ان کی مذہبی کتابوں سے آپ ؐ کے آخری نبی ہونے کا خوب علم تھا۔ چنانچہ قرآن نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتا ہے:

الذین أتینا ہم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ہم و ان فریقا منھم لیکتمون الحق و ھم یعلمون (۱۴۶۔ البقرہ)

"جن لوگوں کو ہم کتاب دے چکے ہیں' وہ آپ کو پہچانتے ہیں اسی طرح جیسے اپنی نسل والوں کو پہچانتے ہیں اور بیشک ان میں کے کچھ لوگ خوب چھپاتے ہیں حق کو' حالانکہ جانتے ہوئے ہیں۔

دانشوران اہل کتاب اور ان کے علماء و اکابر سب ہی مذکورہ بالا حقیقت کو خوب جانتے اور سمجھتے تھے لیکن مذہبی تعصب سے مانتے نہ تھے' ان دانشوروں کی خوشنودی اس امر میں مضمر تھی کہ آپ ؐ (معاذ اللہ) اسلام کو خیر باد کہہ کر یہودی یا نصرانی بن جائیں' قرآن کہتا ہے۔

ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاری حتی تتبع ملتھم (۱۲۰۔ البقرہ)

اور آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جائیں۔

ہدایت ان کو ملتی ہے جن کے قلوب جہل و عناد اور شکوک و شبہات کی آلودگیوں سے پاک ہوتے ہیں' دلائل و شواہد سے چشم بینا فائدہ اٹھاتی ہے چنانچہ عہد رسالت میں رسول اللہ ﷺ کی کتاب زندگی کی ہر سطر معجزہ تھی وہ اور کلام اللہ کا لفظی و معنوی اعجاز بھی ہزاروں لاکھوں قلوب کو ایمان کی دولت سے مالا مال کرتا رہا۔ لیکن دانشوران

اہل کتاب و مشرکین اس سعادت سے بے بہرہ ہی رہے یہ دونوں معجزے آج بھی وہی مقناطیسی اثر رکھتے ہیں جیسا کہ پہلے زمانے میں رکھتے تھے چنانچہ جن کے قلوب جہل و عناد کے روگ سے پاک ہوتے ہیں وہ آج بھی اس کے حلقہ بگوش ہو جاتے ہیں چنانچہ کتاب "Why i am a Muslim" اس کی روشن مثال ہے مذاہب عالم کے دانشوروں کا اسلام قبول کرنے سے گریز کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہدایت سے محرومی ہے ایمان کی دولت سے سرفرازی نبی کے اختیار میں بھی نہیں چنانچہ قرآن میں اس امر کی وضاحت موجود ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انک لا تھدی من احببت و لکن اللہ یھدی من یشاء (۵۶۔القصص)

جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے' البتہ اللہ ہدایت دیتا ہے اسے جس کے لئے اس کی مشیت ہوتی ہے۔

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ ہدایت کا تعلق مشیت تکوینی سے ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کی مرضی اور پسند کا دخل نہیں۔

کتاب اللہ اور رسول اللہ کی برگزیدہ شخصیت دونوں عظیم ترین ہدایت کے سرچشمے قریش اور عربوں کی آنکھوں کے سامنے موجود تھے قریش کی شخصیات میں سے بعض کے متعلق رسول ﷺ کی چاہت بھی تھی کہ وہ ہدایت پا جائیں اور ایمان کی نعمت سے ہمکنار ہو جائیں اس کے باوجود انہیں ایمان کی توفیق نصیب نہ ہو سکی' جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے حقیقی چچا ابو طالب کا واقعہ جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مذکور ہے اس امر کا شاہد ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ ہم تکوینی امور کے مامور نہیں' ہم تشریعی امور کے پابند ہیں للذا ہمیں شرعی احکام اور اسوہ رسول ﷺ کی پیروی کر کے اپنے آپ کو مثالی مسلمان بنانے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے "تجلیات سیرت" انہی حقائق کی آئینہ دار ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کے الفاظ میں (بادنیٰ تصرف) آپ ﷺ کی امانت' دیانت' محبت' عفت' شرافت' حسن اخلاق' فہم و فراست' تدبیر و تدبر' جود و سخا' دلیری و مردانگی' کی گواہی جس طرح پچھلے منکروں نے دی اسی طرح آج مذاہب عالم کے دانشور یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے فاضل و عاقل دیتے چلے آ رہے ہیں اور اس کے نعت گویوں کی فہرست میں دس بیس نہیں پچاسوں بلکہ سینکڑوں ہندوؤں کے نام نظر آتے ہیں۔ اس کے نام کی پکار آج چودہ سو سال سے ہر روز پانچ پانچ بار دنیا کے گوشے گوشے سے ہوتی چلی آ رہی ہے۔

وہ کل دس برس کی ننھی سی مدت میں دنیا میں عظیم ترین انقلاب برپا کر گیا' اپنے پیچھے ایک منظم حکومت بارہ لاکھ مربع میل پر چھوڑ گیا' اور وہ بھی لاکھوں انسانوں کے قتل کے بعد نہیں ہزاروں جانیں لینے کے بعد نہیں بلکہ حیرت کے کانوں سے سنئے کہ اس کی ساری لڑائیوں میں دوست دشمن سب ملا کر کل جمع ایک ہزار اٹھارہ (۱۰۱۸) انسان کام آئے دو سو انسٹھ (۲۵۹) اپنے اور سات سو انسٹھ (۷۵۹) دشمن کے۔ جب ہی تو "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" کے گیارہویں ایڈیشن کا بیان ہے کہ دنیا کی مذہبی شخصیتوں میں سب سے بڑھ کر کامیاب وہی ہستی گزری ہے۔

"The most Successful of all religious personalities." اور ان کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید کی بابت اسی "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" کی گواہی ہے کہ روئے زمین پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب یہی ہے۔ The most widely read book in the world اور جو امت اس کے نام کا کلمہ پڑھتی ہے اس کی تعداد دنیا کے مختلف ملکوں میں ملا کر اب تقریباً ایک ارب تک پہنچ رہی ہے۔

اس ساری زندگی کو اگر ایک مستقل اور مسلسل معجزہ نہ کہئے تو آخر اور کیا کہئے۔

اسلام کی بیخ کنی کے لئے مخالفین و معاندین کتنی ہی تدبیریں کر لیں عقلی دلائل کی رو سے کوئی مذہب اس کے آگے نہیں ٹھہر سکتا غلبہ اسلام ہی کو حاصل رہا ہے' قرآن کہتا ہے۔

"یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون"

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ کو نامنظور ہے (ہر صورت) بجز اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے۔ خواہ کافروں کو کیسا ہی ناگوار گزرے۔

اس آیت کی صداقت پر چودہ سو سال سے تاریخ گواہ ہے۔ یہود و نصاریٰ' مشرکین ہر طرح سے اسلام کی بیخ کنی میں لگے ہوئے ہیں اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے اور پیروان اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی روز افزوں ہے' یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ بے دریغ روپیہ خرچ کرنے اور نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہو رہے ہیں۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی' ذکر رسول ﷺ مکتبہ تعمیر انسانیت' لاہور۔ ۱۹۸۸ء' صفحہ ۱۶۶)

سارے باطل ادیان و مذاہب اس دین حق کے دلائل و براہین کے آگے دب جائیں گے یہ غلبہ کسی وقت یا زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے البتہ غلبہ مسلمانوں کی صلاحیت و اہلیت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے۔ (تفسیر ماجدی تاج کمپنی کراچی ۱۹۵۲ء' صفحہ ۳۰۲ و ۳۰۱ حاشیہ ۱۲' ۱۳ (باد‌نیٰ تصرف)

(ڈاکٹر) محمد عبدالحلیم چشتی

سی ۲۳۔ اسٹاف ٹاؤن' جامعہ کراچی۔

تقریظ

بر

اصلاح البیوت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

اے ایمان والو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم سے بچاؤ (التحریم)

اصلاح البیوت

یعنی

قرآن وسنت کی روشنی میں گھر کی اصلاح کیلئے چالیس بیش قیمت نصیحتوں کا مجموعہ

گھر میں دینی ماحول بنانے اور اہل خانہ کی اصلاح وتربیت کیلئے بہترین تجاویز

اخلاقی ومعاشرتی مضرتوں سے حفاظت کی آسان اور کارآمد تدابیر

ترتیب وتشکیل

حضرت مولانا شفیق احمد خان القاسمی البستوی مدظلہ العالی

استاذ حدیث جامعہ خدیجۃ الکبریٰ

ناشر

مکتبہ خدیجۃ الکبریٰ

تقریظ

محقق علام حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی صاحب مدظلہ فاضل دیوبند
مشرف عام شعبہ تخصص فی الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ
بنوری ٹاؤن کراچی

دین خیر خواہی کا نام ہے یہ کتاب اسی خیر خواہی کی آئینہ دار ہے، اس خیر خواہی کا آغاز گھریلو ماحول سے ہو تو گھر جنت بن جاتی ہے، ماں باپ کو اولاد کی طرف سے راحت واطمینان رہتا ہے اور صبح وشام دل ٹھنڈا رہتا ہے، پڑوس بھی ان کے طور طریق دیکھ کر اور ان کے دینی ماحول اور نیک چلن سے اپنی اصلاح کرتا ہے، یہ ایسی نیکی اور خیر خواہی ہے جس سے دنیا وآخرت اپنی اور اپنے بچوں کی درست ہو جاتی ہے اور اسلامی طرز زندگی قلب ونظر میں رچ بس جاتا ہے۔

اس کتاب میں فاضل مصنف نے ایسی چالیس حدیثیں یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بتائی ہوئی چالیس تدبیریں جمع کی ہیں جسے ہمارے کرم فرما عزیز دوست جناب مولانا شفیق احمد بستوی فاضل دار العلوم دیوبند ومدیر جامعہ خدیجہ الکبری نے آسان اردو میں منتقل کیا ہے اور اس کے ساتھ بہت سی توضیحات ومفید ترین اضافات کو بھی شامل کیا ہے۔ جس سے ہر مسلمان فائدہ اٹھا

سکتا ہے اور اپنے گھر کی اصلاح اور ماحول کو درست کر سکتا ہے میں نے اسے سرسری نظر سے دیکھا ہے اور اسے مفید پایا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

محمد عبد الحلیم چشتی

۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

۸/ جنوری ۱۹۹۸ء

بر

مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر پیشہ میں

علم و علماء

تأثرات

محقق اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی صاحب مدظلہ العالی

مشرف شعبہ تخصص فی الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ

بنوری ٹاؤن کراچی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے اس کتاب میں ایک سو ایک عنوانات میں مسلم معاشرہ کے ہر طبقہ اور ہر پیشہ کے سینکڑوں پیشہ ور علماء کا نہایت مختصر تذکرہ کیا اور ان کی علمی اور تعلیمی لگن کا ذکر کیا ہے کہیں کہیں عہد عباسی کے بعض ثقافتی پہلو جیسے ان کی خوراک، پوشاک، استعمال کے برتن اور انواع واقسام کے کھانوں پر روشنی ڈالی گئی ہے نیز اس زمانے میں اسلامی قلمرو میں درآمد وبرامد کی منڈیوں اور ضروریات زندگی کے سامان کی فیکٹریوں اور کارخانوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اس طرح گوناگوں معلومات سے آراستہ ہو کر یہ کتاب بہت دلچسپ ہوگئی ہے بحیثیت مجموعی عمل پر ایمان رکھنے والوں کے لئے سبق آموز اور مجموعی طور پر عبرت انگیز ہے رہ رہ کر اقبال کا یہ شعر ذہن میں ابھرتا ہے۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارہ

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت :۔

ایک غافل قوم کی کھوئی ہوئی عظمت ہیں ہم
ہم سے عبرت کا سبق لو منظر عبرت ہیں ہم

سب سے زیادہ دلچسپ واہم موضوع اپاہج اور معذور علماء وارباب کمال کے حصول و کمال علم کی داستان ہے جو ارباب سیر اور مورخین اسلام نے تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں رقم کی ہے کبڑے، لولے، لنگڑے، بہرے، کانے، ہاتھ پیر سے معذور ہونے کے باوجود بڑے بڑے ائمہ فن نے ان کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا میں یہاں صرف گلے از گلزار ایک علمی شخصیت کو پیش کرتا ہوں جس کا نام ہے عطاء بن ابی رباح (۲۷ ... ۱۱۴ھ، ۶۴۷ ... ۷۳۲ء) یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی تعالی عنہ کے شاگرد تھے ان کے متعلق مورخ اسلام علامہ

شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء ج ۵، ص ۳۹۱ میں رقمطراز ہیں۔

کان اسود، اعور، افطس، اشل، اعرج، ثم عمی

موصوف کالے تھے کانے تھے، مفلے، رجے تھے ہاتھ کام نہیں کرتے تھے، لنگڑے تھے پھر اندھے ہو گئے تھے۔

مذکورہ بالا پچ معذوریوں کے باوجود حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ میں ایسا کمال حاصل کیا تھا کہ مکہ معظمہ شریف میں فتوے میں مرجع خلائق تھے ان اعذار کے باوجود حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے ساتھ جہاد میں شریک رہے۔ اس میں ہاتھ شل ہو گیا تھا۔

ان کے شاگردوں کی فہرست لمبی ہے چند نام ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں ان سے ان کی عظمت وجلالت شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور وہ حسب ذیل ہیں:

امام زہری، قتادہ، مالک بن دینارؒ، عمرو بن شعیب، حکم بن عتیبہ، سلمہ بن کہیل، اعمش، ایوب سختیانی، منصور بن زاذان، (ج ۵ ص ۷۹) یہ سب ایسے نامور راوی ہیں جن کی سند سے صحاح ستہ میں بکثرت روایتیں موجود ہیں۔

یہ امام ابو حنیفہؒ کے سب سے بڑے شیخ تھے (سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۹۱) امام اعظمؒ نے سینکڑوں نہیں ہزاروں ارباب کمال کو دیکھا اور ان سے استفادہ کیا ہے لیکن موصوف کے متعلق فرماتے ہیں۔

ما رأیت فیمن رأیت افضل من عطاء ولا اکذب من جابر الجعفی (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۸۰)

میں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے ان میں عطاء بن ابی رباح سے افضل نہیں دیکھا اور نہ جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسی کو پایا۔ موصوف جیسے ارباب کمال کے تذکروں سے تاریخ وسیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی، ضرورت ہے کہ اہل علم اس طرف توجہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں کا اولاً خود جائزہ لیں پھر بزرگ دانشوروں سے مشورہ کریں اور کسی ایک شعبے میں اپنی صلاحیتوں کو محدود نہ رکھیں، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو زیادہ عرصہ تک دبایا نہیں جا سکتا۔ ورنہ پھر وہ غلط جگہ استعمال ہوتی ہیں۔

اس لیے بہتر ومفید تر مصرف میں انہیں استعمال کرنا چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

اس دور میں عربی میں بھی کسی نے اس پر قلم نہیں اٹھایا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کو مشکل سے مشکل پیشہ علم کے سیکھنے سکھانے اور اس کی تعلیم و تدریس سے نہیں روک سکا۔

وہ ہنر و پیشہ کو رزق حلال کا وسیلہ سمجھتے اور علم کی تحصیل و تکمیل اور اس کی نشر و اشاعت کو مقصد زندگی سمجھ کر انجام دیتے تھے اللہ تعالیٰ تک رسائی اور قیامت تک نہ ختم ہونے والی کمائی کا اسے کامیاب ترین وسیلہ سمجھتے تھے اس لئے جانفشانی اور محنت کرتے تھے اور اس کا یہ ثمرہ و نتیجہ ہے کہ آج انہیں اس دنیا سے رخصت ہوئے صدیاں بیت گئی ہیں لیکن ان کی جد و جہد اور علمی سرگرمیوں اور پیشہ ورانہ مہارت کی داستان تاریخ کے صفحات پر نقش ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے والے پیشہ وروں کو یہ کتاب اپنا بھولا ہوا سبق پھر یاد دلاتی ہے کہ دیکھو تمہارے اسلاف اپنے پیشوں سے وابستہ رہ کر بھی اطوار پڑھنے پڑھانے کے علم پر کاربند رہے تم بھی انہی پیشہ وروں کے سپوت ہو انہی کے نقش قدم پر گامزن رہ کر منزل مراد تک پہنچ سکتے ہو یہ وہ نقوش ہیں جو ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہئیں۔

قاضی اطہر مبارکپوری نے یہ کتاب لکھ کر پیشہ وروں اور ہنرمندوں کی رہنمائی کی ہے ہم سب کو ان کا احسان مند ہونا چاہیے۔

یہ ایک ایسی کتاب ہے جس نے اردو ادب میں ایک گونہ اضافہ کیا ہے اور شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند نے اس کتاب کو شائع کر کے پیشہ وروں کی رہنمائی و ہمت افزائی کی ہے وہ اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد کی مستحق ہے دعا ہے اللہ تعالیٰ اس سے برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے آمین۔

ہم مولانا شفیق احمد بستوی قاسمی، مدیر جامعہ خدیجہ الکبریٰ کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے پاکستان میں اسے شائع کر کے اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا باجان جان ہمراز کردی

محمد عبدالحلیم چشتی

۳۰ رجب ۱۴۲۱ھ

تقریظ

بر

رسولِ اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی ازدواجی زندگی
غیر مسلم حلقوں کے اعتراضات و شبہات کا علمی و تحقیقی جائزہ
ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

پیش لفظ

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی
(فاضل دار العلوم دیوبند، تلمیذ مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ)
ایم اے، ایم ایل ایس، پی ایچ ڈی
نگرانِ تحقیق وتالیف شعبہ تخصص فی الحدیث النبویؐ
جامعہ علومِ اسلامیہ کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وبعد:

''رسولِ اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی'' ڈاکٹر حافظ محمد ثانی سلّمہٗ کی سیرتِ طیّبہ پر اپنے موضوع کے حوالے سے اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی یہ کرم نوازی ہے کہ اس نے انہیں محبوبِ دو عالم، سیّدِ عرب وعجم، ہادیِ اعظم، حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیّبہ کے گونا گوں پہلوؤں پر کتابیں اور حیاتِ طیّبہ کے ہمہ جہت موضوعات پر علمی مقالات لکھنے کی سعادت بخشی، سیرت نگاری کے باب میں اس سے قبل ان کی اور بھی کتابیں شائع ہوچکی ہیں، جن میں ''تجلّیاتِ سیرتؐ'' جس کے تادمِ تحریر تین ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں اور ''محسنِ انسانیتؐ اور انسانی حقوق'' کا انگریزی ترجمہ نومسلم جرمن خاتون (Zahra Bainther) نے "The Greatest Benefactor of Mankind and Human Rights" کے نام سے کیا اور دارالاشاعت کراچی کے مدیر وناشر جناب خلیل اشرف عثمانی نے اسے شائع کیا، یہ اپنے موضوع پر اہمیت کی حامل ہیں۔

''رسولِ اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی'' میں مؤلّف نے رسولِ اکرم ﷺ کی متعدد ازواجِ مطہراتؓ کے آپؐ کے نکاح میں آنے کی وجوہ واسباب پر روشنی ڈالی ہے اور حقائق کو

اجاگر کیا ہے، ان کے نتائج وثمرات کی وضاحت کی ہے۔ ازواجِ مطہراتؓ کے مختصر سوانحی حالات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ بعض امّہات المومنینؓ کی سیرت کے علمی ومجتہدانہ مقام ومرتبے، ان کے تلامذہ، خدمات اور قرآن وسنّت کی ترویج واشاعت میں ان کے کردار وخدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ علمی وتحقیقی اسلوب اختیار کرتے ہوئے حواشی وحوالہ جات مستند اور بنیادی مآخذ سے ذکر کیے ہیں، جن سے کتاب کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے۔ مستشرقین اور دیگر غیر مسلم حلقوں کے رسولِ اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی پر اعتراضات وشبہات کے ازالے کے لیے مدلّل انداز میں بحث کرتے ہوئے تقابلی اور تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی کے موضوع پر مستشرقین کے اعتراف وبیانات کی روشنی میں مدلّل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

پیشِ نظر کتاب میں فاضل مؤلف نے ''رسولِ اکرم ﷺ کی شادیاں'' حقائق، اسباب، ثمرات کے زیرِ عنوان رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی متعدد شادیوں کے اسباب و وجوہات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ہمہ گیر اثرات کا بھی جائزہ پیش کیا ہے، اور ہر شادی کی حکمت، اس کے دوررس وہمہ گیر اثرات کو بیان کیا ہے۔

کتاب کے آخری حصے میں رسولِ اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی ''خلاصۂ بحث'' کے زیرِ عنوان اختتامیے میں پوری بحث کا اختصار اور جامعیت کے ساتھ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت واہمیت اور اس کے ہمہ گیر اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر موضوع پر مدلّل بحث کی گئی ہے، انگریزی اور عربی کے بنیادی مآخذ سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرتِ طیّبہ کے اہم موضوع پر اس کتاب کو عربی اور انگریزی میں بھی شائع کیا جائے، تاکہ اس کی اہمیت وافادیت مزید عام ہوسکے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے مستشرقین اور دیگر معترض حلقوں کے اعتراضات وشبہات کے ازالے میں بھرپور مدد فرمائے، اس سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچائے، اس کاوش کو شرفِ قبولیت نصیب فرمائے، شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے اور مؤلف کے لیے اسے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(محمد عبدالحلیم چشتی۔ کراچی)

تقریظ

بر

نبوت اور سلطنت

الموسوم بہ

کتاب اور صاحبِ کتاب

نبوّت اور سلطنت

مُصنّف

حضرت مولانا محمد حامد رحمۃ اللہ علیہ

سابق استاذ الادب جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن

تقریظ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی مدظلہم

استاذ قسم التخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

کتاب وصاحبِ کتاب

نبوت اور سلطنت مصنفہ مولانا محمد حامد رحمۃ اللہ علیہ،
موصوف سید خانوادہ کے گوہر شب چراغ تھے۔
والد کا نام : حافظ سیّد تہوّر علی تھا
یہ متقی، خداترس اور صاحب بذل المجہود مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مہاجر مدنی ؒ
(۱۲۶۹ـ۱۳۴۶ھ/۱۸۵۲ـ۱۹۲۷ء) کے مرید تھے۔ اللہ نے انہیں تین فرزند عطا کئے تھے۔ بڑے محمد حامد ان سے چھوٹے محمد بدر عالم، ان سے چھوٹے محمد محمود تھے۔ حافظ تہوّر علی کی نیک نامی کیلئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو اولاد عطا کی تھی ان میں سے دو بڑے زندگی بھر دین کی خدمت کرتے رہے۔

مولانا محمد حامد رحمہ اللہ ۱۳۱۴ھ=۱۸۹۶ء میں رامپور میں پیدا ہوئے، انکی زندگی کے تین دور ہیں بچپن میرٹھ میں اور طلبِ علم کا زمانہ مظاہر العلوم سہارنپور میں گذرا۔ جوانی اور ادھیڑ عمری کا دور پشاور میں بسر ہوا، بڑھاپا کراچی میں کٹا۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ سے حدیث پڑھی اور سند حاصل کی، انہی کے مرید رہے۔

میں نے موصوف کو خوب دیکھا ہے، اوقات کے بہت پابند تھے اور اس میں کسی کی رورعایت نہیں کرتے تھے۔

حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ (۱۳۹۷ھ / ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء) کے یہاں ہر قسم کے لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی اس لئے بعض اوقات اگر درس گاہ میں جانے سے پہلے لوگ آجاتے اور درسگاہ میں جاتے دیر ہو جاتی موصوف انہیں بھی ٹوکنے میں چوکتے نہ تھے۔ یوپی والوں کی طرح شیروانی ہمیشہ ان کے زیب تن رہتی تھی۔

پشاور کالج میں زندگی اس طرح بسر کی کہ ڈیل ڈول، چال ڈھال، وضع قطع میں پٹھان نظر آتے تھے، پشتو بھی اہلِ لسان کی طرح بولتے تھے دور سے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ یوپی کا رہنے والا ہے یہاں جیسا دیس ویسا بھیس تھا۔

نہایت محنت سے پڑھا، کتابیں خوب یاد تھیں، منجھے ہوئے عالم اور مدرس تھے۔ پڑھاتے خوب تھے، عربی ادب اور معقولات میں کامل دست گاہ حاصل تھی، ۱۹۲۲ء سے لیکر ۱۹۵۷ء تک اسلامیہ کالج پشاور میں دینیات کے استاذ اور نائب ناظم رہے تقریباً ۳۵ برس پشاور اسلامیہ کالج میں اپنے فرائضِ منصبی انجام دیتے رہے پھر کراچی آگئے اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ادب اور منطق کے استاذ اور ناظمِ تعلیمات رہے۔ یہاں اونچے درجہ کے استاذوں میں ان کا شمار تھا۔

یہاں کے نامور استاذ مولانا محمد انور بدخشانی، قاری مفتاح اللہ، مولانا فضل حق یوسفی اور مولانا عبدالعلیم خان وغیرہ ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔

کراچی میں پہلے سولجر بازار میں ایک مکان میں قیام پذیر رہے پھر دستگیر کالونی میں مکان لیا۔

مولانا کا کنبہ بڑا تھا شادیاں بھی دو کی تھیں آٹھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں ان میں سے اکثر حیات ہیں ان کی اولاد میں سے بعض عالم ہیں کچھ پاکستان اور کچھ بیرون

ممالک میں قیام پذیر ہیں۔ ان کا پوتا مولوی عمر فاروق آجکل امریکہ میں ہے وہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کا فاضل ہے۔

آخری عمر میں دماغ پر فالج کا اثر ہوا۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء رشوال ۱۳۹۷ھ میں علامہ محمد یوسف بنوریؒ کی وفات سے ایک ہفتہ قبل اللہ کو پیارے ہو گئے اس لئے ان کی وفات پر مولانا بنوری رحمہ اللہ ماہنامہ ''البینات'' میں کچھ نہ لکھ سکے۔ تمام عمر پڑھنے پڑھانے میں لگے رہے اللہ پاک ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

موصوف جس پایہ کے مدرس اور استاذ تھے اس پایہ کے مصنف اور محقق نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ''نبوت اور سلطنت'' کے علاوہ ان کی کوئی مستقل یادگار تصنیف نہیں۔ یہ ہی ان کی پہلی اور آخری تصنیف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مدارس میں لکھنے پر زور نہیں دیا جاتا اس لئے تحقیقی اور تصنیفی خدمات کا سلسلہ وسیع نہیں ہے۔

نبوت اور سلطنت اپنے موضوع پر نہایت مختصر کتاب ہے۔

چھوٹے سائز کے ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۹۴۱ء میں پشاور سے شائع کی گئی تھی۔

موصوف نے زمانہ تالیف میں التراتیب الاداریہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ موضوعِ کتاب کے متعلق موصوف لکھتے ہیں :

جہاں تک میرا خیال ہے کسی اردو کتاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہانہ زندگی کا تذکرہ نہیں کیا گیا، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کا ایک بڑا حصہ درج کیا گیا ہے لیکن آپ کے نظامِ حکومت کی

بحث وہاں نہیں ملتی۔"

مولانا کا یہ خیال کہ اردو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہانہ زندگی کا تذکرہ نہیں کیا گیا تعبیر درست نہیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی سراسر زاہدانہ، قائدانہ ومنصفانہ تھی۔ اس بات کا اندازہ حضرت انس بن مالکؓ کے حسب ذیل بیان سے کیا جا سکتا ہے :

"ایک بار ہم مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اس نے اونٹ کو مسجد میں بٹھا کر باندھا پھر پوچھنے لگا "ایکم محمد" تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ ہم نے بتایا محمد یہ سفید رنگ کے شخص ہیں جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ آپ سے کہنے لگا "اے عبدالمطلب کے بیٹے! آپ نے اس سے فرمایا میں سن رہا ہوں، وہ کہنے لگا آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اور سختی سے پوچھوں گا آپ اپنے دل میں بُرا نہ مانیے گا، تو آپ نے فرمایا جو تمہارا جی چاہے پوچھ...... (اس نے کئی باتیں پوچھیں اور آپ نے جواب دیا، آخر میں اس نے بتایا) میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور بنی سعد بن بکر سے میرا تعلق ہے۔(۱)

یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زاھدانہ قائدانہ ومنصفانہ زندگی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

مولانا شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری جلد میں "حکومت الٰہیہ" کے عنوان سے اردو میں بہت پہلے ۱۳۳۰ھ = ۱۹۱۱ء میں سب کچھ بہترین انداز سے

(۱) ج:۱، ص:۳۴، صحیح بخاری فی باب ماجاء فی العلم بقولہ تعالیٰ رب زدنی علما، طبع: ۱۴۱۰ھ، ناشر: دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۰ھ، ۱۹۹۰ء

جمع کیا ہے۔ مولانا نے اسے دیکھا نہیں۔

اردو میں صوفیانہ ادب کا محور و مرکز **لا معبود الا اللہ، لا مسجود الا اللہ، لا مقصود الا اللہ، لا موجود الا اللہ** ہے، سارا علمی ذخیرہ اس میں موجود ہے۔ اور یہی کلمات صوفیانہ ادب کے تمام انواع واقسام کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح اردو میں مولانا مودودیؒ کی تحریر وتحریک کا محور اور مرکز **ان الحکم الا اللہ** رہا ہے جو کہ تمام ابواب شریعت اور انواع واقسام کو حاوی ہے۔ اس موضوع پر اتنا علمی وتحقیقی مواد چھپا ہوا موجود ہے کہ کسی اور زبان میں شاید ہی آیا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا محمد حامد کی یہ کتاب پہلی کتاب ہے اس اعتبار سے کہ وہ پاکستان کی سرزمین پشاور سے ۱۹۴۱ء میں شائع کی گئی تھی، اسے اولیت کا شرف حاصل ہے۔

کتاب کی خوبیوں اور خامیوں پر مولانا محمد حامد رحمہ اللہ نے جو **عرضِ حال** کے عنوان سے لکھا ہے وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

میں نے یہ کتاب "نبوت اور سلطنت" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہانہ زندگی کے واقعات پر لکھی ہے۔ مگر قلت وقت اور دیگر مشاغل نے اس کی تالیف میں نظر ثانی کرنے سے معذور رکھا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ اسکی تدوین اور ترتیب میں دوبارہ غور کیا جائے۔ لیکن میرے مکرم جناب مولانا عبدالقادر صاحب ہیڈ ماسٹر کالجییٹ سکول کے اصرار اور تقاضا نے مجھ کو کماحقہٗ اس کا موقع نہ دیا۔ مولانا موصوف علوم مغربیہ وشرقیہ دونوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اور انہوں نے اجمالی طریقے سے اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ اس کو

جلد طبع کرا دیا جائے۔ اہل علم حضرات سے استدعا ہے کہ اگر اس کتاب میں کسی قسم کی کوتاہی اور سقم محسوس کریں تو بنظر عنایت مجھے مطلع کر دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔ خود میرا خیال ہے کہ بعض مضامین تشریح طلب ہیں نیز بعض عنوان آپ ﷺ کی شاہانہ زندگی کے رہ گئے ہیں۔ ان کو دوسری اشاعت میں بڑھا دیا جائے گا۔ میں نے اس کتاب کا کچھ حصہ بغرض تنقید جناب مولانا عبدالرحیم صاحب ناظم کتب خانہ علوم مشرقیہ اسلامیہ کالج کی خدمت میں پیش کیا۔ موصوف نے بعد مطالعہ اس کو بہت پسند فرمایا۔ بلکہ اس کی طباعت میں وہ بھی محرک ثابت ہوئے۔ مولانا علوم مشرقیہ میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔ اور ایک بہترین کتبخانہ کے ناظم ہیں۔ اس لئے میں نے ان کی رائے پر اعتماد رکھتے ہوئے اپنے تردد کو دور کر دیا۔ مولوی صاحب نے مراجعت کتب میں میری بڑی امداد فرمائی ہے ساتھ ہی میں اپنے مہربان سید قمر علی شاہ صاحب کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو باوجود سرحدی ہونے کے اردو، فارسی، علم و ادب کا اچھا ملکہ رکھتے ہیں انہوں نے بعض بعض مقامات پر لطیف ادبی اصلاح کی ہے۔ میں ان تمام اصحاب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آخر میں اتنا عرض کروں گا کہ اس کتاب کا طرز بیان سادہ اور شستہ رکھا گیا ہے اور موجودہ زمانہ کے رسائل کی طرح عبارت آرائی اور دقت مضامین سے دانستہ گریز کیا گیا ہے تاکہ عوام الناس بھی استفادہ کر سکیں۔ آئندہ اشاعت میں اور اہم مضامین شامل کئے جائیں گے اور قیمتی آراء و اصلاح کو بنظر امتنان و استحسان قبول کیا جائے گا۔

مجھے امید ہے کہ قارئین اس نئی تالیف اور آنحضرت ﷺ کی شاہانہ زندگی کے کارناموں کو ملاحظہ فرما کر محظوظ ہوں گے۔

ممکن ہے اگر یہ کتاب مولانا کی زندگی میں دوبارہ اشاعت پذیر ہوتی تو جن باتوں کی مولانا نے عرض حال میں نشاندہی کی ہے ان کی اصلاح ہو جاتی اور وہ بعض مضامین جن کو مولانا نے چھوڑ دیا ان کا بھی اضافہ ہو جاتا لیکن افسوس ہے کہ ان کی زندگی میں اس کی نوبت نہ آسکی۔

ناشر قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے موصوف کی ایک بھولی بسری کتاب کو از سر نو شائع کر کے اس کو حیات تازہ بخشی ہے۔

امید ہے اہل علم اور عام اردو دان اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم
استاذ قسم التخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۱۲/۴/۱۴۲۷ھ، ۱۱/۵/۲۰۰۶ء

تقریظ

بر

نعمان اور قرآن

القرآن الحکیم
نعمان رحمہ اللہ اور قرآن
امام عالی مقام حضرت امام ابو حنیفہ کے قرآن کریم سے عشق و محبت
اور انتہائی تعلق و لگاؤ سے متعلق واقعات پر مشتمل ایک اچھوتی تحریر
حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم
استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ
و مدیر صفہ ٹرسٹ محمود سٹریٹ موہنی روڈ لاہور
لاہور
صفہ ٹرسٹ

کلماتِ خیر

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ،اما بعد

ہمارے کرم فرما مولانا نعیم الدین ، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے فاضل اوراس جامعہ کے مشہور اُستاذ ہیں ، موصوف نے ایک رسالہ ، جس کا عنوان ''نعمان اور قرآن'' رکھا ہے ، میں ایسے تلاوتِ قرآن کے دلدادہ صحابہؓ اور تابعین کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے قرآن مجید ایک رات میں دو رکعات کے اندر ختم کیا۔ خلفاء راشدین حضرات عمرؓ وعثمانؓ ، حفاظِ حدیث ، مفسرین وائمہ مجتہدین کا یہ عمل اُن کے قرآن سے شغف اور محبت کا آئینہ دار ہے ، یہ تو بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے اور بعض فقہاء ، مفسرین اور پیشوایانِ اُمت نے خود بیت اللہ کے اندر یہ مبارک عمل سرانجام دیا ہے جو اُمت کے لیے نماز میں قرآن کی تلاوت کی طرف راہنمائی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ، ایسے ائمہ وفقہاء کو شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں ''لسانِ صدق'' (ان کا ذکرِ جمیل اُمت میں عام کر رکھا ہے منہاج السنۃ جلد ۴ صفحہ ۷۷ مطبع مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور) قرار دیا ہے۔

بعض کم فہم اس مبارک عمل کو اپنی بے بصیرتی وبدبختی کی وجہ سے بدعت

قرار دیتے ہیں، یہ کوئی اچھی بات نہیں، اللہ سے باتیں کرنا، شب بیداری کرنا،
اس کے کلام کو پڑھنا جس کے ہر ہر حرف پر دس نیکیوں کا حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے
اس کو بدعت قرار دینا بڑی زیادتی ہے، اس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی
ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے،

مولانا نے اس رسالہ میں قرآن وسنت کی روشنی میں اس حقیقت کو واضح
کیا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے ان لذت آشناؤں کے اس طرزِ عمل کو اُمت نے
ہمیشہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس پر ایک جماعت ہمیشہ سے عمل پیرا
رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چونکہ روح میں وُسعت رکھی ہے اس لیے خاصانِ خدا کے
اوقات میں بھی ایسی وسعت اور برکت کردی جاتی ہے کہ وہ تھوڑے سے وقت
میں بھی بہت بڑا کام بخیر وخوبی کر گزرتے ہیں، یہ بڑی برکت اور سعادت کی بات
ہے، سچ کہا ہے امداد صابریؒ نے

ے یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے

یہ ایسے خاصانِ خدا کا عمل ہے جن کو ائمہٗ جرح وتعدیل نے متقبولانِ
بارگاہ میں شمار کیا ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ ومفسرین نے ان کی شان
میں ایسے الفاظ ہرگز روانہیں رکھے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ائمہ جرح وتعدیل
میں شمار کیا گیا ہے اور یہ ان کے ثقہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ مولانا
عبدالحیؒ فرنگی محلی (المتوفیٰ ۱۳۰۴) نے عربی میں اس موضوع پر مستقل کتاب لکھی

ہے جو شیخ عبد الفتاح ابو غدہ ؒ کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے شائع ہو گئی ہے اہلِ علم کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ہمیں مولانا نعیم الدین کا ممنون ہونا چاہیے کہ اُنہوں نے اس قسم کے شکوک وشبہات کا بہ حسن وخوبی ازالہ کیا ہے، ہر شخص جو اس رسالہ کو پڑھے گا اُسے انشاء اللہ حق تک رسائی بخوبی ہو جائے گی، مجھے اُمید ہے کہ اس رسالہ سے پڑھے لکھے اور عام لوگوں کو یکساں طور پر فائدہ ہوگا۔

ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی
رئیس شعبہ تخصص علومِ حدیث
جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی
۱۵ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ
وارد حال لاہور، خانقاہ سیّد احمد شہید ؒ

تقریظ

بر

آسان اصولِ حدیث

آسان اُصولِ حدیث
''السعی الحثیث'' اصولِ حدیث کے موضوع پر حضرت مولانا
محمد انور بدخشانی صاحب زید مجدہم کی مختصر و جامع فارسی تالیف
ہے، جس کی افادیت کے پیشِ نظر مولانا مفتی محمد ولی درویش
نے پشتو زبان میں ''الجہد الأثیث'' کے نام سے اس کا ترجمہ فرمایا
تھا، جسے اردو قالب میں ڈھالنے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔
اردو ترجمہ
محمد عمران ولی
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
اسلامی کتب خانہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 021-4927159

کلماتِ بابرکات

محقق ومدقق، تلمیذ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم
فاضل دارالعلوم دیوبند
ونگران شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی، امّا بعد:

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوریؒ ٹاؤن کے استاذِ حدیث مولانا محمد انور بدخشانی صاحب کے فارسی زبان میں اصولِ حدیث کے متعلق رسالے ''السعی الحثیث'' کا پشتو ترجمہ مولانا مفتی محمد ولی درویش رحمہ اللہ (۱۹۴۴ء-۱۹۹۹ء) نے کیا تھا، جس کو اب مفتی ولی صاحب رحمہ اللہ کے فرزندِ ارجمند مولانا عمران ولی نے اردو کا جامہ پہنایا ہے، یہ ایک اچھی خدمت ہے اور جامعہ کے استاذانِ حدیث کی تقریظیں اس پر شاہدِ عدل ہیں، اس عاجز سے بھی مولانا عمران نے لکھنے کیلئے کہا لیکن استاذانِ حدیث کی تقریظوں کے بعد اب اس رسالے کے متعلق مزید لکھنے کی حاجت نہیں، اللہ تعالیٰ انہیں خیر کے کاموں کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین.

یہاں یہ بات یادرکھنے کے لائق ہے کہ اس رسالے میں اور اصولِ حدیث کی دیگر کتابوں میں جو اصول بیان کیے جاتے ہیں، حدیث کی ٹیسٹنگ (Testing) کے یہ تمام اصول اہلِ اثر (اہلِ حدیث) کے ہیں، اہلِ نظر (فقہاء) کے نہیں، جیسا کہ حافظ الدنیا حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳ھ-۸۵۲ھ) نے اس کی تصریح بھی کی ہے چنانچہ حافظ صاحب شرح نخبۃ الفکر میں رقم طراز ہیں:

"فان التصانیف فی اصطلاح أهل الحدیث قد کثرت للأئمۃ فی القدیم و الحدیث......الخ"

(نزهۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ص ۱۳ قدیمی)

''اہلِ حدیث کی اصطلاحاتِ (حدیث) کے متعلق ائمۂ متقدمین ومتاخرین کی تصانیف بہت ہیں''

اسی مناسبت سے حافظ صاحب نے اپنی اس کتاب کا نام بھی "نزھۃُ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مُصطلحِ اھلِ الأثر" رکھا ہے۔

فقہاء کے ہاں حدیث کی ٹیسٹنگ (Testing) کے اصول وہ ہیں جو ائمۂ مذاہبِ اربعہ (حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ) نے اپنے اصول کی کتابوں میں "کتابُ السنۃ" کے تحت بیان کیے ہیں، ہمارے نصابِ تعلیم میں اصولِ حدیث کے مختصرات کا رواج اسی وجہ سے ہے کہ اہلِ حدیث کو انہیں کی مصطلحات میں جواب دیا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابوعمر وعثمان بن صلاح رحمہ اللہ (۵۷۷ھ-۶۴۳ھ) کی کتاب "مقدمۃ ابن الصلاح" کے بعد ان اصطلاحات کا استعمال عام ہو گیا، اسی لئے ہمارے مشائخ نے بھی انہی کی زبان میں ان کو جواب دینے کیلئے یہی اصطلاحات استعمال کیں، یہی وجہ ہے کہ وہ صحیح احادیث جو فقہائے مجتہدین کے اصول سے ٹکراتی ہیں، انہیں معلول قرار دے کر بتا دیتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے قابلِ عمل نہیں ہیں، لہٰذا وہ احادیث جن کے متعلق بالعموم سوالات کیے جاتے ہیں ان کے جوابات مذاہبِ اربعہ میں سے ہر ایک کی "کتاب السنۃ" میں موجود ہیں۔

انہی وجوہ سے مذاہبِ اربعہ کے باہمی اختلافی نقطۂ نظر کو واضح کرنے کیلئے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ (۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ) نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جو ان کے فتاوٰی میں "بیانِ مآخذِ مذاہبِ اربعہ" کے عنوان سے مذکور ہے، (فتاوٰی عزیزی، ص۴۲۹، ایچ ایم سعید)

اور مولانا محمد انور بدخشانی صاحب نے مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ (۱۳۳۳ھ-۱۴۲۰ھ) کے کہنے پر اصولِ سرخسی سے انتخاب کر کے "اصول الحدیث للامام السرخسی المنتقٰی من کتابہ الشھیر اصول السرخسی" شائع کی ہے، مولانا بدخشانی صاحب اپنی اس کتاب کی وجۂ تالیف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ان شیخی اجازۃُ الشیخ عبد الرشید النعمانی -رحمہ اللّٰہ تعالیٰ- امام الحدیث و رجالہٖ و امیر علماء عصرہ فی النقد و الجرح والتعدیل أمرنی بانتقاء ھٰذہٖ الاصول من "اصول السرخسی

المشـار اليه". فلمّا و صلتُ الى الانتهاءِ و فرغت عن الانتقاء قدّمتُ المسرّدة لديه فأشار بحسن الانتخاب اليه......"

(اصول الحدیث للامام السرخسیؒ، ص ٦، بیت العلم کراچی)

میرے شیخ (جن سے مجھے اجازتِ حدیث حاصل ہے) علمِ حدیث و رجال کے امام، نقد اور جرح وتعدیل میں اپنے ہم عصر علماء کے سرخیل (مولانا) عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (امام ابوبکر محمد بن احمد سرخسی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۸۳ھ) کی کتاب) اصولِ سرخسی سے اصولِ (حدیث) کے انتخاب کا حکم دیا، (چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل میں) جب میں نے کام پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور انتخاب کے عمل سے فارغ ہوا تو مسوّدہ مولانا نعمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا، مولانا نے حسنِ انتخاب کی داد دی۔

محمد عبدالحلیم چشتی
خادمِ شعبہ تخصّص فی الحدیث
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف
بنوریؒ ٹاؤن کراچی ۵
۱۰ ربیع اول ۱۴۳۰ھ
۸ مارچ ۲۰۰۹ء

تقریظ

بر

تعوذ و تسمیہ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَعَوُّذ وَتَسْمِیَہ

تالیف

حافظ محمد عبدالودود ذاکر علیمی

ابن

فضیلۃ الشیخ ابوالعلاء محمد عبدالعلیم ندوی نوراللہ مرقدہ

دانش گاہ علیمی

بفرزون، نارتھ ناظم آباد ٹاؤن، کراچی۔

M.A. HALEEM CHISHTI
M.A. Islamic Studies, M.L.S, Ph.D.
Fazil-i-DEOBAND (India)
MUSHRIF & USTADUL HADIS Jamiatul uloom-il-islamia
Banuri Town-Karachi.

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی
ایم اے اسلامیات، ایم ایل ایس، پی ایچ ڈی
فاضل دارالعلوم دیوبند (انڈیا)
مشرف التخصص و تالیف و
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

Ref. ________ Date ________

کتاب وصاحبِ کتاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ! اَمَّا بَعْدُ !

میرے برادر زادہ حافظ محمد عبدالودود صاحب سلمہ، اعلیٰ تعلیم یافتہ انگریزی داں ہیں۔ (M.A / MPA / DABIP / TOT) اور اعلیٰ عہدہ پر فائز، بحیثیت سینئر فیکلٹی کوآرڈینیٹر، گورنمنٹ افسران وایگزیکیٹو کو لیکچر دیتے رہے۔ یہ عرصہ تین دھائیوں پر محیط ہے۔

موصوف ایسے عنوان اور موضوع پر لکھتے ہیں، جن پر منجھے ہوئے عالم لکھیں۔ یہ ان کے ذوقِ علمی، شوقِ مطالعہ اور درس وتدریس کے وسیع تجربہ کا نتیجہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریم ہے کہ اس نے ایک ایسے آدمی سے یہ کام لیا ہے جو انگریزی داں ہیں، اس پر یہ جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ ''وما توفیقی الا باللّٰہ'':

یہ کتاب بہت دلچسپ اور معلومات افزا ہے، زبان شستہ و رواں ہے۔ جملے سلیس وبامحاورہ ہیں۔ پیراگراف متناسب ومتوازن ہیں۔ الفاظ کی قباء عبارت کی قامت پر نہایت موزوں ہے۔ تحریر میں ربط وضبط، مبتدا وخبر میں تسلسل وتواتر، سیاق وسباق میں یگانگت، طرزِ اسلوب شگفتہ ودلنشین اور اندازِ بیان نہایت مؤثر ہے۔

کتاب کی خوبی یہ ہے کہ حوالوں سے آراستہ ہے، جس سے اس کا علمی پایہ بلند ہوگیا ہے۔ عنوانات کی کثرت نے کتاب کی شان میں اضافہ کیا ہے۔ سائنسی علوم کی ہم آہنگی نے مدعا کے ثبوت میں پڑھنے والے کی دلچسپی کو بڑھایا ہے۔ میرے خیال میں اردو ادب میں یہ ایک اچھا اضافہ ہے۔

مشک آنست کہ ببوید خود نہ کہ عطار بگوید

میں گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے جستہ جستہ ہی کتاب سن سکا ہوں۔ کسی پڑھنے والے کو کتاب میں کوئی بات کھٹکے، مصنف ماشاء اللہ بقیدِ حیات ہیں، ان سے مل کر اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔

حافظ صاحب گوناگوں امراض کا شکار، دائمی ذیابطیس و بلند فشار کے مریض ہیں۔ بائیں ٹانگ کٹ چکی اور ہارٹ سرجری ہو چکی ہے۔ وہ معذور ضرور ہیں، لیکن مجبور ومحتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اوپر نیچے چڑھتے اترتے ہیں، قرآن شریف پڑھتے رہتے ہیں نماز باجماعت کا بھی اہتمام کرتے ہیں، خود کار چلا کر لیکچر دینے جاتے ہیں۔ سیمینار روغیرہ میں شرکت کے لیے اسلام آباد، لاہور اور کوئٹہ بھی جانا ہوتا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ دیگر امور بھی احسن طریقے سے انجام دیتے ہیں۔ کراچی جیسے تجارتی شہر میں حوالوں کے لیے دور دور جا کر لائبریریوں میں کتابیں دیکھتے، حوالے ڈھونڈتے اور کتاب تیار کرتے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی پڑھے لکھے تندرست جوانوں کے لیے بہت سبق آموز و قابلِ رشک ہے۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انہیں مزید لکھنے کی توفیق دے۔ کتاب کو حسنِ قبول عطا فرمائے اور اسے آخرت میں بخشش کا ذریعہ بنائے، آمین، ثم آمین۔

دعاگو

محمد عبد الحلیم چشتی

مشرف (نگراں تحقیق وتالیف)

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔

۷، شوال المکرم ۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۶ ستمبر ۲۰۰۹ء

تقریظ

بر

اللہ جل جلالہ ذاتِ والاصفات

الموسوم بہ

کتاب اور صاحبِ کتاب

دانش گاہِ علیمی
بفرزون، نارتھ ناظم آباد ٹاؤن، کراچی۔

M.A. HALEEM CHISHTI

M.A. Islamic Studies, M.L.S, Ph.D.
Fazil-i-DEOBAND (India)
MUSHRIF & USTADUL HADIS Jamiatul uloom-il-islamia
Banuri Town-Karachi.

Ref ——————

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

ایم اے اسلامیات، ایم ایل ایس، پی ایچ ڈی
فاضل دارالعلوم دیوبند (انڈیا)
مشرف شعبہ تحقیق و تالیف، و
استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

Date ——————

کتاب وصاحبِ کتاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ الصْطَفٰی ! اَمَّا بَعْدُ !

میرے برادر زادہ[۱] حافظ عبدالودود صاحب سلمہ، اعلیٰ تعلیم یافتہ انگریزی داں ہیں۔ (M.A. / MPA / DABIP / TOT) اور اعلیٰ عہدہ پر فائز، بحیثیت سینئر فیکلٹی کوآرڈینیٹر، گورنمنٹ افسران وایگزیکٹیو کو لیکچر دیتے رہے۔ یہ عرصہ تین دھائیوں پر محیط ہے۔

موصوف ایسے عنوان اور موضوع پر لکھتے ہیں، جن پر منجھے ہوئے عالم لکھیں۔ یہ ان کے ذوقِ علمی، شوقِ مطالعہ اور درس وتدریس کے وسیع تجربہ کا نتیجہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریم ہے کہ اس نے ایک ایسے آدمی سے یہ کام لیا ہے جو سند یافتہ عالم نہیں۔ اس پر یہ جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ **"وما توفیقی الا باللّٰہ"**۔

یہ کتاب بہت دلچسپ اور معلومات افزا ہے، زبان شستہ و رواں ہے۔ جملے سلیس وبامحاورہ ہیں۔ پیراگراف متناسب ومتوازن ہیں۔ الفاظ کی قباء عبارت کی قامت پر نہایت موزوں ہے۔ تحریر میں ربط وضبط، مبتدا وخبر میں تسلسل وتواتر، سیاق وسباق میں یگانگت، طرزِ اسلوب شگفتہ ودلنشین اور اندازِ بیان نہایت مؤثر ہے۔

کتاب کی خوبی یہ ہے کہ حوالوں سے آراستہ ہے، جس سے اس کا علمی پایہ بلند ہوگیا ہے۔ عنوانات کی کثرت نے کتاب کی شان میں اضافہ کیا ہے۔ سائنسی علوم کی ہم آہنگی نے مدعا کے ثبوت میں پڑھنے والے کی دلچسپی کو بڑھایا ہے۔ میرے خیال میں اردو ادب میں یہ ایک اچھا اضافہ ہے۔

مشک آنست کہ ببوید نہ کہ عطار بگوید

میں گونا گوں مصروفیات کی وجہ سے جستہ جستہ ہی کتاب سن سکا ہوں۔ کسی پڑھنے والے کو کتاب میں کوئی بات کھٹکے، مصنف ماشاء اللہ بقیدِ حیات ہیں، ان سے مل کر اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔

حافظ صاحب[1] گونا گوں امراض کا شکار، دائمی ذیابطیس و بلند فشار کے مریض ہیں۔ بائیں ٹانگ کٹ چکی اور ہارٹ سرجری ہو چکی ہے۔ وہ معذور ضرور ہیں، لیکن مجبور و محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اوپر نیچے چڑھتے اترتے ہیں، قرآن شریف پڑھتے رہتے ہیں نماز با جماعت کا بھی اہتمام کرتے ہیں، خود کار چلا کر لیکچر دینے جاتے ہیں۔ سیمنار ر وغیرہ میں شرکت کے لیے اسلام آباد، لاہور اور کوئٹہ بھی جانا ہوتا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ دیگر امور بھی احسن طریقے سے انجام دیتے ہیں۔ کراچی جیسے تجارتی شہر میں حوالوں کے لیے دور دور جا کر لائبریریوں میں کتابیں دیکھتے، حوالے ڈھونڈتے اور کتاب تیار کرتے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی پڑھے لکھے تندرست جوانوں کے لیے بہت سبق آموز و قابلِ رشک ہے۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ انہیں مزید لکھنے کی توفیق دے۔ کتاب کو حسنِ قبول عطا فرمائے اور اسے آخرت میں بخشش کا ذریعہ بنائے، آمین، ثم آمین۔

مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی
ایم اے اسلامیات، ایم ایل ایس، پی ایچ ڈی
فاضل دار العلوم دیوبند (انڈیا)
استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
Date ______

حاشیہ ۱:

ہر کسے را کار خویش و ہر کسے را یار خویش
صیرفی بہتر شناسد قیمتِ دینار خویش

ان کے والد میرے حقیقی بڑے بھائی محمد عبد العلیم ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ابو العلاء کنیت اور آغا عرف) مجھ سے دس سال بڑے تھے۔ ابتدائی تعلیم والدِ ماجد سے حاصل کی اور تایا سے تکمیل حفظِ قرآن کیا۔ اسی کے ساتھ حافظ جی ابا (تایا مرحوم) اور ابا میاں مرحوم سے خوشنویسی کی مشق بھی کرتے رہے (یہ دونوں حضرات جیپور کے نامور خطّاط تھے) یہاں تک محنت کی کہ اس فن میں ملکہ (Command) حاصل ہو گیا۔ تعلیم الاسلام جیپور ہی میں مفتی اعظم راجستان حضرت مولانا قدیر بخش صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے عربی علوم

کی تحصیل شروع کی۔ ۱۹۳۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت بھیج دیے گئے۔ اس کے ایک سال بعد جب برادرِ معظم محقق العصر علامہ محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہوکر آئے، اس وقت انہیں بھی ندوۃ العلماء منتقل کر دیا گیا۔ وہاں وہ اپنے مربی و شفیق استادِ معظم، مہتمم و شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان ٹونکی رحمہ اللہ کے ساتھ ہی رہے (بجائے ندوہ کے ہاسٹل کے) اس طرح انہیں بحیثیتِ خادمِ خاص شب و روز حضرت شیخ رحمہ اللہ سے استفادہ کا خوب موقع ملا۔ وہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی عبادت و ریاضت، درس و تدریس اور روزمرہ کی زندگی کے معمولات سے خوب واقف تھے۔ اس طرح کامل چار سال (۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۸ء) وہ سفر و حضر، خلوت و جلوت میں حضرت شیخ کے ساتھ رہے، ان کی زندگی کے ہر ہر پہلو کو قریب سے دیکھا۔ تحصیلِ علمِ حدیث کے علاوہ تصوف و سلوک کی تعلیم بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ جو مجاز خلیفہ تھے، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ۔ اور حضرت شیخ ہی سے حدیث کی سند لی۔

حضرت شیخ حیدر حسن خان ٹونکی رحمہ اللہ نے سہیل یمانی شیخ حسین ابنِ محسن انصاری خزرجی نزیل بھوپال کے شہرۂ آفاق درسِ حدیث میں شرکت کی، جو اس وقت اپنے محدثانہ طرزِ یمنی خصوصیات اور علوِ اسناد کے لحاظ سے نہ صرف ہندوستان، بلکہ اپنے عہد میں ممتاز تھا۔ شیخ ٹونکی رحمہ اللہ نے شیخ یمنی رحمہ اللہ سے صحاح ستہ کا درس لیا۔ پورے انہماک اور مطالعہ و تحقیق کے ساتھ مصروف استفادہ رہے۔ شیخ یمنی رحمہ اللہ نے ان کو تمام صحاح و متداول کتبِ حدیث کی سند دی، جو نہایت عالی اور قلیل الوسائط ہے، اور جو بیک واسطہ مجتہدِ یمن، امام قاضی محمد ابن علی شوکانی رحمہ اللہ، صاحب ''نیل الاوطار'' پر منتہی ہوتی ہے۔ یہ سند علماء میں وجہ افتخار رکھتی ہے۔

برادرِ محترم نے ندوۃ العلماء میں درجہ عالم تک تعلیم حاصل کی، پھر اورنٹیل کالج لاہور میں پڑھا، مولوی فاضل کی سند پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۴۰ء میں حاصل کی۔ ۱۹۴۱ء میں علامہ محمود حسن خان ٹونکی رحمہ اللہ کی خدمت میں دکن حیدر آباد چلے گئے۔ جہاں دارالترجمہ کے تحت ''معجم المصنفین'' کی تدوین و تالیف میں علامہ موصوف کی زیرِ نگرانی کام کیا۔ اس طرح ہزاروں رجالِ اسلام کے علمی و تحقیقی کام کے مطالعے کا موقعہ ملا۔

''علامہ محمود حسن خان ٹونکی رحمہ اللہ کی کتاب ''معجم المصنفین'' ایک تصنیفی کارنامہ، بلکہ ایک فردِ واحد کی حیثیت سے عالی ہمتی، وسعتِ نظر اور محنتِ شاقہ کا ایک شاہکار ہے۔ یہ علمی و تحقیقی کارنامہ عربی میں ۶۰ جلدوں، بیس ہزار صفحات پر مشتمل اور چالیس ہزار اشخاص کے تراجم پر حاوی ہے۔ افسوس ہے کہ اس عظیم کتاب کے صرف چار حصے مملکتِ آصفیہ کی توجہ سے شائع ہو سکے''

(پرانے چراغ جلد اول صفحہ ۲۰۰، از سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

برادرِ محترم نے کم و بیش تین سال علامہ موصوف کی صحبتِ فیوز قدسی صفات سے استفادہ کیا اور سندِ حدیث علامہ محمود حسن خان ٹونکیؒ سے حاصل کی، بالواسطہ محدث قاری عبدالرحمن پانی پتی، شیخ المشائخ

والمحدثین امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نور اللہ مرقدھم۔

آغا بھائی ۱۹۵۰ء میں جے پور سے کراچی منتقل ہو گئے۔ یہاں علامہ ابن الجزریؒ کی معروف کتاب "الحصن الحصین" (من کلام سید المرسلین ﷺ) کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ کیا اور "القول المتین" کے نام سے اس کی مبسوط شرح لکھی۔ جسے نور محمد اصح المطابع کارخانۂ تجارت کتب، کراچی ۱۹۵۵ء میں شائع کی۔ یہ مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا مہتم بالشان کارنامہ ہے، حق تعالیٰ شانہ نے اس ترجمہ وشرح کو قبولیتِ عامہ عطا فرمائی کہ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

میرے بڑے بھائی مولانا محمد عبدالعلیم ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

"مجھے تین بزرگوں سے "الحصنِ الحصین" کی اجازت حاصل ہے (۱) میرے مربی اور شفیق استاد شیخ الحدیث ندوۃ العلماء مولانا حیدر حسن خان ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۱۳۶۱ھ) خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۲) مولانا حیدر حسن خان کے برادرِ بزرگ علامہ محمود حسن خاں، مولف معجم المصنفین (۳) مبلغ اعظم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی متعابن اللہ و المسلمین بفیوضہ ابد. میں برادرانِ اسلام کو اس کی اجازت دیتا ہوں اور بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے آمین۔ و اخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ والہ واصحابہ اجمعین. (بحوالہ مقدمہ القول المتین)

مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اکابرین علمائے کرام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور مشائخ عظام کی صحبتِ فیوزِ قدسی صفات سے بہرہ ور رہے۔ اتباعِ سنت کی شدت سے پیروی کرتے تھے۔ ہر لمحہ یہ خیال دامن گیر رہتا کہ کوئی عمل سنت کے خلاف نہ ہو جائے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، رسول اللہ ﷺ کی زبانِ صدق ترجمان سے وارد اقوال المتین نوکِ زبان تھے۔ صبح سے رات سوتے وقت تک ہر عمل میں حضورِ انور ﷺ سے مروی دعائیں وردِ زبان ہوتیں۔ حبِ رسالتماب ﷺ سے وافر حصہ رکھتے تھے اور ہمیشہ مدح صحابہ رضی اللہ عنہم میں رطبُ اللسان رہتے تھے۔ القول المتین کی مبسوط شرح، فضائلِ درود شریف پر جامع و مستند رسالہ کی تالیف اور کافی عرصے تک ریڈیو پاکستان حیدرآباد کے پروگرام "مشعلِ راہ" میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حیاتِ طیبہ پر تقاریر اس سلسلے کی کڑی ہیں۔

مولانا عبید اللہ پنھور ناظم رحمۃ اللہ علیہ جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈو شریف حیدرآباد سندھ کی درخواست اور بے حد اصرار پر محدث وفقیہِ سندھ علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس اللہ سرہ کے قلمی وغیر مطبوعہ رسائل وکتب کا اردو میں ترجمہ کیا۔ جن میں "فرائضِ اسلام" اور "کشف الرین عن مسئلۃ رفع الیدین" کے تراجم مترجم کی زندگی میں شائع ہو کر اہلِ علم سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

عربی رسالہ ''التعامل'' ان کے استاد و شیخ حضرت مولانا حیدر حسن خان قدس سرہ کی تالیف ہے جو اس سے قبل کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا تھا، اگرچہ اس رسالے کو اس سے قبل محقق العصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ نے ''ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ'' میں نقل کر دیا تھا۔ اس کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اور ''تنقیح الکلام فی النھی عن القراء ۃ خلف الامام'' تالیف علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس اللہ سرہ کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمے ان کے آخری ایام کی یادگار ہیں۔ افسوس ہے موت نے مہلت نہ دی ورنہ کچھ اور کام کر جاتے۔

حضرت شیخ الحدیث حیدر حسن خان ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد امیرِ تبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ سے تجدیدِ بیعت کی، تبلیغی جماعت سے وابستہ رہے، اور حتی المقدور وقت بھی لگایا۔ یہ سلسلہ اسی طرح تا دمِ زیست جاری و ساری رہا۔

جب رئیس المبلغین (چھوٹے حضرت جی) حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ بھی عالمِ بالا کی طرف رحلت فرما ہوئے اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تجدیدِ بیعت کیا اور آخر تک اسی طریق پر گامزن رہے۔

حضرت شاہ فضل اللہ گیلانی ''الصمد'' (پروفیسر و سربراہ شعبۂ دینیات، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) بانیِ دار العلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا شاہ محمد علی مونگیری رحمہ اللہ کے پوتے اور خلیفہ مجاز تھے۔ انہوں نے مولانا ندویؒ کو سلسلۂ قادریہ مجددیہ اور نقشبندیہ مجددیہ کی خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت مونگیری رحمہ اللہ خلیفہ مجاز تھے، شیخ الطریقت حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد' آبادی رحمہ اللہ کے اور وہ شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، نور اللہ مرقدہٗ کے۔ (یہ قوی نسبت ہے)

آغا بھائی ہمیشہ مصائب و آلام اور دنیوی تفکرات سے بھی دو چار رہے اس کے باوجود، صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، حرفِ شکایت کبھی زبان پر نہ آیا۔ بڑے صابر و شاکر، متحمل مزاج، قناعت پسند اور پیکرِ تسلیم و رضا تھے۔ شاید علامہ اقبال نے ان جیسے لوگوں کے لیے ہی کہا ہے۔

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے

مولانا محترم درس و تدریس، تحریر و تقریر اور کثرت سے تلاوتِ قرآنِ مجید میں مشغول رہتے تھے۔ ہم بھائیوں میں یہ حافظِ قرآنِ مجید بھی تھے اور یہ ان کی امتیازی خصوصیت بھی تھی۔ ذاکر و شاغل، شب بیدار، تہجد گزار تھے۔ اور سورہ المزمّل اور حزب البحر الشاذلی کے عامل تھے۔ الحصن الحصین (من کلامِ سید المرسلین) از بر یاد تھی۔ اللہ تعالیٰ عزاسمہ سے عجز و انکساری سے جم کر دعا مانگتے تھے۔ اثر و تاثیر کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ ہزاروں کے مجمع میں چھوٹا ہو یا بڑا متاثر نظر آتا تھا۔ اور آنکھیں نم آلود ہو جایا کرتی تھیں۔

ساقیا صحبتِ دیرینہ جو یاد آتی ہے
چشمِ ترصورت پیانہ چھلک جاتی ہے

مولانا ندوی رحمہ اللہ نے عمر زیادہ نہیں پائی، لیکن اولاد کی اچھی تربیت کی، ماشاءاللہ ان کی ساری اولاد اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ملک و بیرونِ ملک اعلیٰ عہدوں پر فائز بھی ہیں۔ ماشاءاللہ چھ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

چار شنبہ ۶ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ بمطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۸۷ء کو بعد نمازِ عشاء اور اپنے معمولات سے فراغت کے بعد سو گئے۔ حسبِ معمول تہجد کے لیے اٹھے، حوائجِ ضروریہ سے فراغت کے بعد وضو کیا کہ اچانک سانس کا دورہ پڑا اور وقتِ موعود آپہنچا۔ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ'' کا ذکر بالجہر کرتے ہوئے بستر پر سیدھے لیٹ گئے۔ اور یہ دعا پڑھتے ہوئے ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْ'' جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن''

نمازِ جنازہ میں علماء، صلحاء، تلامذہ اور عوام و خواص کا جمِ غفیر تھا۔ حتیٰ کہ معروف روحانی بزرگ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان رحمہ اللہ باوجود ضعیفی کے دو اشخاص کے سہارے سے نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ برادرِ معظم محقق العصر حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اللہ تعالیٰ شانہٗ مغفرت فرمائے اور ان کے دراجات کو بلند فرمائے اور قربِ خاص سے سرفراز فرمائے۔ آمین، ثم آمین! (ماخوذ از تذکرۂ رحیمی)

''كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ''

(ان کے مزید حالات کے لیے دیکھیے **''سبدِ گل''** تصنیف پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی، مطبع رہبر پبلیشرز اردو بازار کراچی نیز ''علماء کی کہانی خود ان ہی کی زبانی'' تالیف ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن، مطبع طیب اکیڈمی ملتان)

دعا گو:
محمد عبدالحلیم چشتی
مشرف (نگرانِ تحقیق و تالیف)
جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔
۷، شوال المکرم ۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۶ ستمبر ۲۰۰۹ء

تقریظ

بر

مراۃ الانساب

يا ايها الناس انا خلقنكم من ذكر وانثى وجعلنكم شعوبا وقبائل لتعارفوا
الحمد للہ والمنہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ ایسے نئے طرز پر ہے جس میں اولوالعزم انبیاء علیہم السلام
خلفاء اربعہ صحابہ کرام و ائمہ اربعہ و دیگر بزرگان صوفیاء عظام و سلاطین عام مشاہیر کے سلاسل مع صحیح حالات تاریخی اس طرح لکھے
درج ہیں کہ موجودہ زمانہ تک نسل کا منتہی دکھا دیا گیا ہے۔ سادات حسنی حسینی زینبی علوی عباسی شیوخ و
انصاری اسرائیلی مغل افغانان میرزایان وغیرہ جسقدر مشہور اقوام ہیں سبکی اباواجداد کی مکمل سوانح اور نسلی عبارتیں موجودہ اور آئندہ نسلوں کا
مرآۃ الانساب
ہونیکی وجہ سے سب کا مکمل نسب نامہ ہے اور ہو سکتا ہے
جسکو حسب فرمایش سرکار دولتمدار عالی جناب محمد عبدالواجد علیخاں صاحب بہادر بانسی ضلع بلند شہر جاگیردار جگتپور ممبر کونسل
جناب مولانا مولوی ضیاء الدین احمد صاحب علوی نقشبندی مجددی وکیل امروہی نے مرتب و تالیف کیا
اور باہتمام حافظ عبدالکریم
مطبع رحیمی منشی محمد عبدالرحیم واقع پرتولیہ بازار جیپور میں طبع ہو کر شایع ہوا
ناشر
ڈاکٹر محمد عبدالرحمن غضنفر
مؤسس و مدیر
الرحیم اکیڈمی
اے ۱۷/۱۷ اکرام آباد، لیاقت آباد، کراچی۔
موبائل: ۰۳۲۲-۲۸۶۷۴۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

''مرأۃ الانساب اردو'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام، خلفاء راشدین اور اولیاء کرام کے شجرۂ نسب کی جامع کتاب ہے، جو''۱۳۳۵ھ۔۱۹۱۷ء'' کی تالیف ہے۔ یہ کتاب ۹۰ برس پہلے ''رحیمی پریس'' سے شائع کی گئی تھی اور ابا میاں کی خوش نصیبی تھی کہ اس کتاب کی کتابت کا قرعۂ فال ان کے نام نکلا، اور ابا میاں کو انبیاء و خاتم الرسل ﷺ اور ان کی آل و اولاد کا نسب نامہ لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

دوسری خوش نصیبی یہ ہے کہ اسے رحیمی پریس سے چھاپنے کا سہرا بھی انھی کے سر بندھا۔

تیسری بات خوشی کی یہ ہے کہ ''مرأۃ الانساب'' جیسی علمی کتاب جے پور جیسے غیر علمی شہر میں بزبان اردو شائع کی گئی۔

چوتھی یہ کہ ''مرأۃ الانساب'' اپنے موضوع کی سب سے پہلی اور اب تک غالباً آخری کتاب ہے جیسے راجپوتانہ جے پور میں اشاعت پذیر ہونے کا موقع ملا۔

رحیمی پریس غالباً (اس زمانے میں) کسی مسلمان کا قائم کردہ پہلا پریس تھا، جہاں سے اردو و فارسی کی متعدد کتابیں شائع ہوئیں، منجملہ ''مرأۃ الانساب'' اردو بھی ہے۔ جو حنائی اور سفید دو رنگوں میں پندرہ ۱۵ ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی، جس کے بیشتر نسخے نواب صاحب نے خرید کر اہل علم کو تحفے میں دیئے۔ اس طرح کتاب ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اور ۱۹۴۷ سے ہی اس کے نسخے نایاب ہوگئے اور جب سے اب تک اس کی دوبارہ اشاعت نہ ہوسکی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ ابا میاں کے سب سے چھوٹے بیٹے ''برادر عزیز ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن غضنفر مدیر ''الرحیم اکیڈمی کراچی'' سے اسے دوبارہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ الرحیم اکیڈمی کو حسن قبول کی نعمت سے سرفراز فرمائے، میرے والد کے اس قلمی شاہکار کو اپنے دربار میں قبول فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی۔۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ۔۲۰۱۰ء

تقریظ

بر

نماز کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا

نماز
کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا

حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق

مؤلف

مفتی محمد انعام الحق صاحب قاسمی

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بیت العمار کراچی

0333 - 3136872

تقریظ

علامہ، فقیہ، محدث ناقد، جرح وتعدیل کے امام، اسمائے رجال کے ماہر

حضرت الاستاذ محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ کے بھائی اور جانشین

حضرت العلامہ جناب ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

تلمیذِ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

استاذ ومشرف تخصص فی علوم الحدیث النبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی،

امابعد!

اسلام میں انسائیکلوپیڈیا، Encyclopaedia۔

اسلام کا علمی وثقافتی ورثہ ''اقرأ'' اور ''علم بالقلم'' (املاء وکتاب) کا مرہون منت ہے۔

دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں دینی معاشی ومعاشرتی، سیاسی اور مملکت کے انتظامی امور کے زیر اثر ان میں تنوع و کثرت آتی رہی، پھر جلد وہ وقت آ گیا کہ دانشورانِ اسلام ''علم وآگہی'' کے عنوان پر کم وبیش ہر فن میں مختلف بصیرت افروز دائرہ ہائے معارف مرتب اور مدوّن کرتے رہے۔

فقہی دائرہ معارف کا آغاز

فقہی دائرہ ہائے معارف کا آغاز دوسری صدی ہجری کے نصف اول اور ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (۱۵۰ھ-۷۶۷ء) کی فقہی مجلس سے ہوا۔

فقہی دائرہ معارف میں مبسوط ومطول

فقہی دائرہ معارف میں مبسوط ومطول دائرہ معارف کی اولین مثال امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ (۱۸۲ھ-۷۹۸ء) کی کتاب ''الأمالی'' ① (The Complete Comprehensive Subjective Jurisprudence) سے جو تین سو جلدوں سے بھی زیادہ میں تھی، ہوا۔ ②

مختصر امالی

اس کے بعد امام ابوحنیفہ اور امام قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ کے شاگردِ رشید، مقنن وفقیہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ (۱۸۹ھ، ۸۰۴ء) نے ''الجامع الصغیر''، (The Short Comprehensive Subjective Jurisprudence) اور ''المبسوط''، (The Complete Comprehensive Subjective Jurisprudence) وغیرہ لکھ کر کیا، اس سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ موضوعی مختصر دائرہ معارف کا سلسلہ ''الجامع الصغیر'' سے چلا۔

ان فقہی موضوعی دائرہ ہائے معارف کو پانچویں صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی میں ایسا قبول عام حاصل ہوا کہ شمس الائمہ السرخسی رحمہ اللہ (۴۸۳ھ-۱۰۹۰ء) کو حق گوئی کی پاداش میں شاہِ وقت خاقان نے اوزجند ③ کے قلعہ کے گہرے کنویں میں اتارا، ④ امام السرخسی نے کنویں کے مَن پر بیٹھے ہوئے طلبہ کو فقہی دائرہ معارف ''المبسوط'' ⑤ املاء کرایا۔

---

① ''الأمالی'': البحر، ج-۱، ص-۲۵۰۔

② کشف الظنون، ج-۱، ص-۱۶۴۔

③ اوزجند: ماوراء النہر کا ایک شہر ہے جو فرغانہ کے نواح میں واقع ہے۔ لغت نامہ دہخدا، جلد ۶، ص ۴۹۱۔

④ البحر، ج-۱، ص ۴۔

⑤ ''المبسوط'' فقہ کی یہ معرکۃ الآراء تصنیف، حاکم شہید ابوالفضل محمد بن احمد المروزی رحمہ اللہ (۳۳۴ھ) کی ''الکافی'' کے مسائل کی تشریح وتفصیل ہے۔ کشف الظنون: ج-۲، ص ۱۳۷۸۔

اس املائی ذخیرہ کی وسعت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ علمی سرمایہ اس ترقی یافتہ دور میں بیروت سے تیس (۳۰) جلدوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اوزجند کے قلعہ کے کنویں میں امام السرخسی رحمہ اللہ نے دو اور کتابیں ایک اصول فقہ میں ''المحرر'' جو دو جلدوں میں ہے اور دوسری امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ''السیر الکبیر'' کی شرح ''باب الشروط'' تک املاء کرائی تھیں، ۴۸۰ھ میں آزادی کے بعد بقیہ حصہ فرغانہ میں مکمل کیا۔

یہ ہمارے علمی وثقافتی دور کا ایک ایسا روشن وشاندار کارنامہ ہے جس کی مثال دائرہ ہائے معارف کی دنیا میں اپنی نظیر آپ ہے۔

اردو، عربی اور فارسی زبان کے فتاوی کی جملہ کتابیں موضوعی دائرہ ہائے معارف کی نمایاں اور روشن مثالیں ہیں۔

اردو میں ''فتاوی محمودیہ'' فقہی مسائل کا موضوعی دائرہ معارف پچیس (۲۵) جلدوں میں شائع کیا گیا ہے، یہ مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ (۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶ء) کی تالیف ہے اور اس کی مزید جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ کر کے شائع کی جا رہی ہے۔

اس ترقی یافتہ دور میں الف بائی ترتیب پر اردو میں کسی فقیہ نے فقہی دائرہ معارف ترتیب نہیں دیا۔

برصغیر پاک وہند میں یہ سعادت وفخر دار العلوم دیوبند کے فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نامور استاد و نائب مفتی، میرے بڑے بھائی مولانا محمد عبد الرشید نعمانی رحمہ اللہ (۱۴۲۰ھ) کے شاگرد مولانا محمد انعام الحق قاسمی چاٹگامی کو حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے روزہ، زکوۃ اور قربانی کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا اور اب ''نماز کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا'' چار چھوٹی جلدوں میں شائع کیا۔

یہ انسائیکلو پیڈیا مندرجہ ذیل خوبیوں سے آراستہ ہے

۱-موصوف نے نماز سے متعلق کم و بیش سب ہی مسئلے اردو میں الف بائی ترتیب پر چاروں جلدوں میں شائع کئے ہیں، اردو میں یہ بیش بہا مفید و جامع کتاب اپنی نظیر آپ ہے۔

۲-دوسری خوبی یہ ہے کہ حوالوں سے بھی آراستہ ہے۔

۳-موصوف کا برسوں کا تجربہ اس کی صحت کی شہادت و سند کے لئے کافی ہے۔

۴-اس کی زبان سہل اور آسان ہے۔

میں اپنی مصروفیت کی وجہ سے اس کتاب کو مکمل نہ دیکھ سکا، جستہ جستہ دیکھی ہے کہیں کسی مسئلہ میں کوئی بات کسی کو کھٹکے تو وہ مفتی صاحب سے جو بحمد اللہ بقید حیات ہیں اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں فرائضِ منصبی برابر انجام دے رہے ہیں، پوچھ سکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اسے قبول عام کی سند سے نوازے اور اس فقہی سلسلہ کی بقیہ کڑیاں پائے تکمیل تک پہنچائے۔آمین۔

محمد عبد الحلیم چشتی

محمد عبدالحلیم چشتی (پی، ایچ، ڈی)

خادم شعبہ تخصص علوم حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ

۲۳/۴/۱۴۳۲ھ/۲۹/۳/۲۰۱۱ء

تقریظ

بر

یادگارِ اکابر

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رح نمبر

شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ/جون ۲۰۱۵ء

اکابر علماء دیوبند کے نایاب مقالات کے لیے مخصوص سالانہ مجلہ

یادگارِ اکابر

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نمبر

فیضانِ دعا

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ

مرتب: محمد نعمان ارشدی

مکتبہ رشیدیہ

اظہارِ مسرت اور دعا

یادگار اسلاف حضرت مولانا محمد ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی مدظلہ العالی
(فاضل دارالعلوم دیوبند تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)

سبحانہ وتعالیٰ

مولانا قاسم نانوتوی نمبر:

یہ نمبر محمد نعمان ارشدی نے ترتیب دیا ہے، اس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

۱- حالات وسوانح، ۲- فضل وکمال، ۳- ردِ فرقِ باطلہ

۴- سفرِ آخرت، ۵- نادرات۔

اس میں سات مقالات حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ہیں، جو اپنے موضوع پر نئی معلومات کے جامع ہیں۔ دو مقالے پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کے ہیں، بقیہ مقالات وقت کے نامور اور دانش ور محققین کے قلم سے ہیں، جو نت نئے عنوانات اور نادر معلومات سے آراستہ ہیں۔ کل چھیالیس مقالات ہیں۔ اکثر مقالات حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے معاصرین، تلامذہ اور کچھ بعد کے حضرات کے ہیں، جنہیں جناب محمد نعمان ارشدی نے محنت اور جستجو سے ترتیب دیا ہے، اس پر ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسے حسنِ قبول کی نعمت سے سرفراز کرے۔

محمد عبدالحلیم چشتی

۲۶ رشعبان ۱۴۳۶ھ

(۱۴ رجون ۲۰۱۵ء)

تقریظ

بر

مجالس حضرۃ رائپوریؒ

ملفوظات

قطب الارشاد حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری نور اللہ مرقدہ

۱۹۴۶ء تا ۱۹۵۱ء

جمع کردہ

مولانا حبیب الرحمٰن رائپوری مرحوم

تلخیص : حافظ غلام فرید صاحب

نظرِ ثانی : مولانا عبدالجلیل صاحب برادر زادہ حضرت اقدس رحمہ اللہ

عالمی رابطہ ادبِ اسلامی پاکستان

نظر تحقیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ

''مجالس حضرت رائے پوریؒ'' جمع کردہ حضرت حبیب الرحمن رائے پوریؒ جس کے مرتب اول اور تلخیص کرنے والے جناب حافظ غلام فریدؒ تھے اور اب اس کی تسہیل مولانا محمد سہیل فاروق صاحب حفظہ اللہ نے فرمائی ہے، جیسا کہ ابتداء کے تین عنوانات ''اک کاوش کہنہ ملخص''، ''سبب تسہیل'' اور ''اسلوب تسہیل'' میں اس کتاب کی اہمیت، تلخیص وتسہیل کی ضرورت اور اسلوب تسہیل اور ترتیب جدید کو واضح کرتے ہوئے اس کتاب کا تعارف کروایا ہے۔

یہ بڑی قابل قدر کتاب ہے۔ اس میں حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کے ملفوظات کو ۶۰ مجالس میں ذکر کیا ہے جس سے حضرت کی شخصیت کے فضل وکمال ہی پر روشنی نہیں پڑتی بلکہ اس کے ماحول، اس سے وابستہ افراد، اس شخصیت کے فیض علمی، اصلاحی، مساعی اور گوناگوں خصوصیات کے ساتھ ساتھ ان سے کئے گئے سوالات اور ان کے جوابات سے ان کی ۔۱۔ ذہنی رسائی ۲۔ دقت نظر ۳۔ ذہانت وفراست ۴۔ ماحول پر نظر ۵۔ تربیت حاصل کرنے والوں کی خواہشات اور آرزو ۶۔ فائدہ اٹھانے والی شخصیات کے عصری رجحانات کی تاریخ بھی آشکارہ ہو جاتی ہے ۷۔ اور نت نئی معلومات سے آنے والوں کی صلاحیتوں سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اور پھر ان مجالس میں موجود ۔۱۔ تاریخی ۲۔ سماجی ۳۔ علمی نکات ۴۔ اور فوائد سے نہ صرف ایک تاریخ متعارف

ہوتی ہے بلکہ ان علمی اور تاریخی معلومات و فیوضات سے آئندہ نسلوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ اور ان میں فرمائے گئے ملفوظات رہنمائی اور دستگیری کا کام دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ کتاب اس دور کا دائرہ المعارف اور انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں ۔۱۔ تاریخ ۲۔ تصوف ۳۔ تبلیغ ۴۔ سیاست ۵۔ علمی مباحث ۶۔ مواعظ ونصائح ۷۔ اس وقت کے اور آئندہ آنے والے حالات کے متعلق معلومات اور بہت کچھ موجود ہے۔ موصوف کو اصلاحی مسائل میں مصروفیت کی وجہ سے کسی کتاب کی تالیف کو موقع نہ مل سکا البتہ ان کے گراں قدر ملفوظات نے ان کی تصنیفات کی کمی کو صحیح معنوں میں پورا کر دیا ہے اور اسی کے ذریعے لوگوں کی اصلاح فرمادی ہے۔

حضرت رائے پوریؒ اکابر ومشائخ کی کیسی پاسداری فرماتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب تک حکیم الامت حضرت تھانویؒ زندہ رہے انہوں نے اپنی چار پائی حجرے سے نہیں نکالی یعنی گوشہ نشینی میں زندگی بسر کی اور اصلاح کا کام علانیہ نہیں کیا، جب حضرت تھانویؒ کا انتقال ہو گیا تب مولانا الیاسؒ کے اصرار پر انہوں نے اپنی چار پائی حجرے سے باہر نکالی، اللہ اللہ! کس قدر اکابر ومشائخ کی لجپالی و پاسداری تھی۔

حضرت رائپوریؒ پر اکابر ومشائخ کیسا اعتماد فرماتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب آپ نے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی وصیت کی پاسداری میں حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا کہ حضرت مجھ میں جو خامی رہ گئی ہے اس کو بھی دور فرمائیں تو حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا اب کونسی خامی رہ گئے ہے جس کو میں نکالوں۔

یہ ہے اکابر کا اعتماد اور ان کی سند، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے کیسی تربیت فرمائی تھی جس پر حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی مہر ثبت کردی۔ ان سب کمالات کے باوجود اتنی فروتنی اور عاجزی تھی کہ حضرت تھانویؒ کے (وجود حیات) میں اپنی مجلس جمانا پسند نہیں کیا۔

اس کتاب کی جمع وترتیب، تسہیل وتلخیص، نشر واشاعت، کسی بھی قسم کی خدمت میں شامل تمام حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں، البتہ دوران مطالعہ بعض عنوانات میں کچھ کمی اور تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی تو تمام مجالس کا بالغور مطالعہ کر کے ان عنوانات میں تبدیلی اور اضافہ کر کے ان عنوانات کی فہرست بھی مرتب کردی ہے۔

اس کام میں حضرت مولانا رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا ایما، صاحبزادہ مولانا محمد ابراہیم صاحب، صاحبزادہ مولانا قاری احمد سعید صاحب، صاحبزادہ قاری محمد مظفر صاحب، صاحبزادہ بھائی عبدالقادر صاحب کی سرپرستی، مولانا محمد یاسین شیخ، مولانا عبداللہ بن مسعود، بھائی عتیق انور صاحب کی کاوش اور بندۂ ناچیز کی سعادت (نظر تحقیق)۔

اللہ تعالیٰ سب کو اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد عبدالحلیم چشتی

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ

۲۳ مارچ ۲۰۱۶ء

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن

تخصص فی الحدیث

تقریظ

بر

نخبۃ السراجی

اس کتاب میں علم میراث کے قواعد بطرز جدید ذکر کیے گئے ہیں جس کی
مدد سے ہر عام و خاص بآسانی علم میراث سیکھ سکتا ہے
نخبة السراجي
تقاریظ
حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم نعمانی چشتی
حضرت مولانا مفتی محمد عبد المنان
مؤلف
مفتی امتیاز خان جدون
فاضل جامعة العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
دار احیاء المیراث
کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم نعمانی چشتی حفظہ اللہ تعالیٰ

رئیس شعبہ تخصص فی علوم الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
واستاذ الحدیث جامعۃ الرشید کراچی

نحمدہ ونصلي علی رسوله الكريم، أمّا بعد!

موصوف نے نہایت سہل انداز میں میراث کے مسائل کا حل پیش کیا ہے، مصنف کا اختیار کردہ طریقہ کار فنِ میراث میں ایک نیا طرز ہے، جو انتہائی مفید ہے، جس سے طلباء کے لیے فہم میراث میں نئی راہ ہموار ہو گی۔

بہر حال کتاب انتہائی آسان، مفید اور جامع ہے، اللہ تعالی اس کو قبول عام کی سند سے سرفراز فرمائے۔

آمین۔

مولانا ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی زید مجدہ
مجلس دعوت تحقیق اسلامی
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
1439/5/3 ہجری

تقریظ

بر

مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ

عالم باعمل — صوفی باصفا

مولانا محمد امین اورکزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ
عالم باعمل • صوفی باصفا
محمد ظفر اقبال
تقریظ
حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی دامت برکاتہم
استاذ قسم التخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ عمر فاروق

تقریظ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم

مولانا محمد امین اورکزئی رحمہ اللہ کا شمار حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے فائق شاگردوں میں ہوتا ہے، ان کی زندگی علم وعمل کا مجموعہ تھی، ان کی پابندیٔ وقت لائق دید تھی، خاموشی کے ساتھ ہمیشہ صبح سے شام تک اپنے کام میں مشغول رہتے، اس دوران اکثر تحریر وتصنیف ان کا مشغلہ ہوتا۔

جناب ظفر اقبال صاحب کا مرتب کردہ مجموعہ جو "مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ: عالم باعمل ـــــ صوفیٔ باصفا" کے نام سے موسوم ہے، اس میں حضرت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو واقعات کی روشنی میں انتہائی خوب صورت انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ ہر واقعہ اپنی جگہ سبق آموز ہے اور اس میں طالبان علوم کے لیے بہت سے اسباق ہیں یقیناً مولانا اورکزئی رحمہ اللہ کی زندگی کے یہ معمولات قابل تقلید ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ رب العزت جناب ظفر اقبال صاحب کو اس اچھے عمل پر اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کے قلم کو بابرکت بنائے، آمین۔

(ڈاکٹر) محمد عبدالحلیم چشتی

محمد عبدالحلیم چشتی

۱۴۳۹/۶/۸ھ

مشرف تخصص فی علوم الحدیث

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

بر

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ایک نظر میں

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
ایک نظر میں
تقریظ
حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی صاحب
مؤلف
محمد یاسین شیخ
THE ISLAMIC EDUCATIONAL ACADEMY
شمائل
SHAMA'IL

تقریظ

حضرت الاستاذ علامہ ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم

تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

(پی۔ایچ۔ڈی لائبریری سائنس، سابق لائبریرین جامعہ کراچی، رئیس شعبہ تخصص فی علوم الحدیث بنوری ٹاؤن، استاذ حدیث جامعۃ الرشید، کراچی)

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی کامیابی اپنے پیارے حبیب ﷺ کی کامل اتباع میں رکھی ہے، نبی اکرم ﷺ وہ واحد شخصیت ہیں جن کی زندگی پر سب سے زیادہ لکھا گیا، پھر یہ شرف صرف مسلمانوں کے حصہ میں نہ آیا بلکہ غیر مسلموں اور مستشرقین نے بھی آپ ﷺ کی سیرت پر بخوبی کام کیا مگر ان سب کے باوجود بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑھتا ہے کہ موجودہ زمانے میں جہاں علوم کا حصول آسان سے آسان تر ہوتا چلا گیا وہیں سیرت رسول ﷺ جیسے اہم موضوع سے دور ہوتے چلے گئے، پھر سیرت سے دوری میں عوام وخواص ہر ایک مبتلا ہے۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ سیرت کا کوئی ایسا اختصار کیا جاتا کہ جسے پڑھ کر سیرت کے مطالعہ کا شوق بھی بیدار ہو اور ایک نظر میں آپ ﷺ کی مبارک زندگی سے ہر ایک شخص واقف ہو جائے۔ اللہ ہمارے شاگرد مولانا محمد یاسین شیخ (سلمہ اللہ) کو جزائے خیر عطاء فرمائے جنہوں نے بحکم الٰہی یہ اہم کام انجام دیا۔

زیر نظر کتابچہ "سیرت رسول ﷺ ایک نظر میں" مختصر ہونے کے ساتھ جامعیت بھی لیے ہوئے ہے۔ سہل زبان کے استعمال کی وجہ سے ہر عام وخاص، مرد عورت، بوڑھے بچے اسے لے اور پڑھے۔ خاص طور پر والدین اور تعلیمی ادارے اپنے بچوں کو یہ پڑھائیں اور انہیں یاد کرائیں تاکہ نئی نسل میں آپ ﷺ کی محبت میں اضافہ ہونے کے ساتھ، مزید سیرت کے تفصیلی مطالعہ کا شوق بھی بیدار ہو اور آپ ﷺ کی زندگی کو اپنی زندگی میں لے کر آئیں۔ ہر ایک اس کتابچہ کو خود بھی پڑھے اور دوسروں کو ہدیہ بھی کرے۔

اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف مولانا محمد یاسین شیخ (سلمہ اللہ) اوران کے تمام معاونین کی اس کاوش کو قبول فرمائے، ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت فرمائے اور انہیں اسی طرح اخلاص کے ساتھ اپنے دین کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(ڈاکٹر) محمد عبدالحلیم چشتی
۳۱ دسمبر ۲۰۱۸ء

تقریظ

بر

سوئے حرم

(مجموعہ حمد و نعت و سلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کرے حمد رب ہے یہ کس کی زباں
نبیؐ کو ہے اقرارِ عجز بیاں

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اُس کی | کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار
جو تو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو | نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

سوئے حرم

(مجموعۂ حمد و نعت و سلام)

مع انوار و تجلیاتِ حرمین
بزبان اُردو، عربی، فارسی

مُرتّب
شبیر احمد عُفی عنہ

تقریظ
مولانا محمد عبدالحلیم چشتی

زمزم پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حامدًا و مصلیًا

امابعد! نعت ہر مومن کے دل کا نور وسرور اور اس کے درد کی دوا وشفاء ہے۔ نعت کے مجموعے چھوٹے بڑے بہت شائع ہوتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ ان میں مستقل دیوان بھی ہیں اور انتخابات بھی۔ چنانچہ عبدالعزیز خالد کے مجموعے منحمنا وغیرہ اپنی نوعیت کے واحد مجموعے ہیں جن کی نظیر دوسری زبانوں میں بھی ملنا مشکل ہے اور جب تک قیامت نہیں آتی یہ سلسلہ برابر چلتا رہے گا، اس لئے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے پیرائے بھی لامتناہی ہیں، ہر نعت گو کا رنگ جدا ہے اور انداز فکر ونظر جدا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ اس سلسلہ کا قیامت تک جاری رہنا بھی ختم نبوت کی دلیل ہے۔

شبیر احمد زید لطفہ کے مجموعۂ نعت وسلام (سوئے حرم) کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مختصر بھی ہے اور جامع بھی اور اس میں اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں کا چیدہ چیدہ انتخاب ہے اور انتخاب نعت میں ایک سے ایک بڑھ کر نعت ہے لیکن ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر ہست کا مصداق ہیں جو جناب شبیر احمد صاحب میرٹھی کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار اور حسنِ ذوق ووسعتِ نظر اور محنت وکاوش کا شاہد عدل ہے۔

اس مجموعہ کے حصہ اردو میں ہندوستان وپاکستان کے مشہور نعت گو شعراء

امیر مینائی، مولانا ظفر علی خانؒ، زائر حرم حمید صدیقی لکھنوی، اقبال سہیل، ماہر القادری، علامہ اقبال، سید نفیس الحسینی، بہزاد لکھنوی، زکی کیفی، سید اقبال عظیم، حنیف اسعدی، روش صدیقی وغیرہ کے علاوہ اکابر علماء و مشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، سید سلیمان ندویؒ، مولانا حسرت موہانیؒ اور دیگر غزل گو شعراء مثلاً حفیظ جالندھری، اصغر گونڈوی، احسان دانش وغیرہ کا نعتیہ کلام بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے حرمین شریفین کی حاضری کا شوق پڑھنے والے کے دل کو حبِ رسولؐ سے گرماتا اور بیتاب کرتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ کتاب کا نام "سوئے حرم" بھی اسی بات کا متقاضی ہے۔

اسی حصہ میں اقبال سہیل اعظم گڑھی کی نعت "موج کوثر" کا حسب ذیل شعر اردو زبان میں ایک ایسا جامع شعر ہے جس کی نظیر اردو ہی نہیں کسی اور زبان میں بھی شاید ہی مل سکے۔ پڑھیے اور لطف اندوز ہوجیے:

جتنے فضائل جتنے محاسن ممکن میں ہوسکتے تھے ممکن
حق نے کیے سب اس میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم[1]

عربی زبان میں قصائد اور نعتیہ کلام کو دیکھ کر مرتب کے حق میں بے ساختہ دل سے دعا نکلتی ہے۔ انتخاب اتنا بلند اور معیاری ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب شہر مدینہ منورہ کی محبت ایک ایک لفظ سے ٹپکتی ہے۔

اس حصہ میں مشہور نعت گو صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے علاوہ علامہ بوصیریؒ، امام صرصریؒ، امام عبداللہ العسکریؒ، علامہ محمد ابن جابر اندلسیؒ، شیخ عبداللہ شبراویؒ، شہاب الدین محمود حلبی وغیرہ کا نعتیہ کلام شامل ہے۔

عربی کلام کا "باستثناء چند" اردو ترجمہ و تشریح بھی بڑی کاوش سے لکھا ہے۔

---

[1] انتخاب کلام اقبال سہیل، ص ۳۰۷، ترتیب و مقدمہ ضیاء الدین اصلاحی، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۹ء

فارسی حصہ میں اولیاء کرام شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شمس تبریزیؒ، مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، شیخ سعدیؒ کے علاوہ دیگر شعراء علامہ اقبال، جگر مراد آبادی وغیرہ کے جذباتِ محبت سے بھرے ہوئے کلام ہیں۔

تینوں زبانوں میں چیدہ چیدہ اشعار بھی کتاب کی زینت ہیں اور عجیب جذبات انگیز اثر رکھتے ہیں۔

نعتیہ کلام کے اس مجموعہ میں مجھے جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ مرتب کی محنت اور اخلاص ہے۔ کراچی میں جہاں علمی کتب خانوں کی جیسی کمی ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ بعض کتب خانے ضرور ہیں لیکن ان تک ان کی رسائی کہاں جو نہ ادیب ہیں اور نہ شاعر۔ لہٰذا اس مجموعہ کو مرتب کرنے میں شبیر احمد صاحب کو جو دشواریاں پیش آئیں ہوں گی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اس کی مثال وہ اشعار ہیں جو مسجد نبویؐ کے باب السلام کی چوکھٹ کے دونوں بازوؤں پر لکھے ہوئے ہیں۔ یہ اشعار نہ کسی مجموعۂ نعت میں میری نظر سے گزرے اور نہ کسی سیرت کی کتاب میں منقول دیکھے۔ مرتب موصوف نے کسی لائبریری کی الماریون سے تلاش کر کے انہیں اس مجموعہ کی زینت بنایا ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو شرف قبول عطا فرمائے اور جس نے اس کارِ خیر میں مدد کی ہے اسے بھی اجر عظیم سے نوازے اور اس کتاب کی اشاعت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد عبدالحلیم چشتی خادم شعبہ تخصص علوم حدیث
جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

تقریظ

بر

یادگارِ اکابر

حضرت شاہ محمد اسماعیل دہلوی شہیدؒ نمبر

فیضانِ دعاء

اُستاذُ القُرّاء والحُفّاظ حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب نوراللہ مرقدہ

اکابر - علمائے دیوبند کے نایاب مقالات کے لیے مخصوص سالانہ مجلّہ

یادگارِ اکابر کراچی

حضرت شاہ محمد اسماعیلؒ دہلوی شہیدؒ نمبر

شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ / اپریل ۲۰۲۰ء

مدیر و مرتب

قاری تنویر احمد شریفی

خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن، کراچی

مکتبہ رشیدیہ کراچی

کلماتِ مسرت وحوصلہ افزائی

از

یادگارِ اسلاف حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم صاحب چشتی دامت برکاتہم
(تلمیذ رشید: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خانوادہ شاہی میں گوناگوں افراد اپنی خصوصیات میں بہت ہی ممتاز ہیں۔ چناں چہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ جنھوں نے قران مجید کا ترجمہ اور مختصر حواشی ومعانیِ خیر وکار آمد تفسیر کی ہے، اپنی نظیر آپ ہیں۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے لفظی ترجمے سے ان کی شہرت ہے۔ ہر شخص اپنے فضل و کمال میں یکتا ویگانہ ہے۔

شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے فرزند شاہ اسماعیل صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اس خانوادے کے آخری آدمی ہیں، جن کو دین کی اشاعت، عقاید کی اصلاح اور زورِ بیان میں جیسی قدرت حاصل ہے، ان کے معاصرین میں کم ہی کسی کو نصیب ہوئی۔ ان کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اصلاحِ عقاید اور رسم ورواج کی درستگی میں بے نظیر ہے۔ اس سے ان کو جیسی قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی، کم کسی کے حصے میں آئی۔

''تقویۃ الایمان'' آج بھی زندہ ہے اور اس کی افادیت آج بھی مُسلَّم ہے۔ اس کتاب کا عربی میں ترجمہ مولانا علی میاں صاحبؒ نے کیا ہے، وہ بھی شایع ہو چکا ہے۔ اسی کتاب کی بہ دولت اردو ادب کی تاریخ میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ اپنے گوناگوں صفات میں، اصلاحِ عقاید واعمال،

مجاہدانہ سرگرمیوں میں اور شہرتِ دوام میں بے مثل ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خانوادہِ شاہی کی شہرت حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ پر اختتام پذیر ہوئی۔

بہت ہی خوشی ہوئی کہ مولانا تنویر احمد شریفی سلمہٗ نے مجلّہ ''یادگار اکابر'' کا ایک خصوصی شمارہ ترتیب دیا، اور قدیم مضامین کو تلاش کر کے مجلّے کا حصہ بنایا ہے۔ یہ مقالات یک جا کہیں نہیں تھے، اور اب ان کا ملنا بھی ہر ایک کے بس کا نہیں تھا۔ پھر خاصے کی چیز یہ کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا ایک خاص مقالہ، جو اب تک غیر مطبوعہ تھا، اس مجلّے میں شامل کیا۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو مزید اس قسم کی خدمت کی توفیق دے۔ اسی طرح اپنے اکابر کے افکار کو پڑھنے کا موقع طلبا کو ملے۔ آمین!

محمد عبدالحلیم چشتی

۱۶رشعبان ۱۴۴۰ھ

۲۲راپریل ۲۰۱۹ء

بر

آسان بیان القرآن

مع

تفسیر عثمانی

قرآن کریم کی دو مستند اور مقبول تفسیریں

آسان بیان القرآن

مع

تفسیر عثمانی

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ التوبہ

1

ترجمہ قرآن شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ

خلاصہ تفسیر حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

فوائد تفسیر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

تسہیل و ترتیب

عمر انور بدخشانی

استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

Banuri

بنوری

تاثرات

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب زید مجدہ

(شاگرد رشید: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ)

رئیس شعبہ تخصص علوم حدیث: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

الحمد لله رب العالمين ، والعاقبة للمتقين، أمّا بعد :

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا خاص فضل جس پر فرماتے ہیں اسے قرآن وحدیث کی خدمت کے لیے چن لیتے ہیں، قرآن کریم کی جس انداز سے بھی خدمت کی جائے بہت بڑی سعادت کی بات ہے، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ آخری دور میں اس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ جیل میں رہ کر یہ بات سمجھ میں آئی کہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب قرآن سے دوری بھی ہے، اسی فکر میں انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور اپنے شاگردوں کو اس کی ترغیب بھی دی۔

زیر نظر کتاب انہی کے ترجمہ قرآن کی خدمت ہے جس میں مرتب کتاب نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن، مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر (بیان القرآن) اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے فوائد تفسیریہ کی جمع وترتیب کی ہے، البتہ تسہیل کا کام صرف ''بیان القرآن'' سے متعلق ہے، ''بیان القرآن'' چونکہ حضرت تھانویؒ نے خواص کے لیے لکھی تھی، اس لحاظ سے انہوں نے اس کی تعبیرات بھی علمی اختیار کی تھیں، چنانچہ ''بیان القرآن'' کا ایک حصہ تو وہ ہے جو خالص عربی زبان میں ہے، جس سے فائدہ اہل علم تو اٹھا سکتے ہیں عام اردو خواں نہیں، جب کہ دوسرا حصہ اردو زبان میں ہے، البتہ اس کی تعبیر علمی ہے، مرتب نے اس دوسرے حصے کی تسہیل کا کام سرانجام دیا ہے، جبکہ پہلا حصہ انہوں نے حذف کر دیا ہے، البتہ تفسیر عثمانی کی تمام عبارات من وعن نقل کی ہیں۔

مرتب کے مذکورہ منہج کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔آیات قرآنیہ کے ذیل میں ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ اور اس کے ذیل میں ''خلاصہ تفسیر'' کے عنوان سے تفسیر ''بیان القرآن'' کو ذکر کیا ہے۔

۲۔بیان القرآن کے بعد سرخ امتیازی لکیر ڈال کر ہر آیت کے ذیل میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے فوائد تفسیر کو ذکر کیا ہے۔

۳۔مؤلف کے اس طرز عمل سے تفسیر عثمانی اور تفسیر بیان القرآن یکجا ہو گئے، گویا کہ مرتب نے علماء دیو بند میں سے دو بڑے علماء کے تفسیری نکات کو جمع کر کے دار العلوم دیو بند کی تفسیری خدمات کو اجاگر کیا ہے۔

۴۔نیز عام طور پر طلبہ کرام بیان القرآن یا تفسیر عثمانی میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے اپنا مطالعہ اس ایک حد تک محدود کرتے ہیں، مرتب کی اس کاوش سے اب طلبہ کے لیے دونوں تفسیروں کو بیک وقت پڑھنا آسان ہوگا۔

مرتب حفظہ اللہ ایک باذوق اور سلیقہ مند شخصیت ہیں اس لیے انہوں نے کتاب کی تسہیل میں بقدر وسعت خوب کوشش کی ہے، تفسیر چونکہ خواص کے لیے ہے، خصوصا طلبہ مدارس کے لیے، اس لیے طلبہ کو اس کتاب سے استفادہ کرنا آسان ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالی موصوف کی اس سعی کو قبول فرمائے، اور ان کی کتاب کو طلبہ دین کے لیے نافع بنائے، موصوف اور ان کے والدین کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے اور ان کو مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وصلى الله وسلم على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه وأمته أجمعين

د۔محمد عبد الحلیم چشتی

۷ ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ

تقریظ

بر

گلدستۂ دعوت

نقش قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ جل جلالہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے
چھ صفات سے متعلق چالیس منتخب احادیث مع ترجمہ، نیز احادیث نبویہ کے
بیان میں احتیاط اور روایت حدیث میں جھوٹ کی مذمت کے حوالے سے
اہل علم کے کلام کا انتخاب، طالب علم وفضلاء کے لیے ایک علمی تحفہ
گلدستہ دعوت
تقاریظ
حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مدظلہم
مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن
حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی مدظلہم
مشرف شعبہ تخصص فی الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن تلمیذ رشید حضرت مدنیؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد حسین صدیقی مدظلہم
استاذ جامعہ بنوریہ، سائٹ کراچی
جمع وترتیب
محمد نذیر یعقوب
فاضل جامعہ تعلیم القرآن والسنہ ومتخصص فی علوم الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن
اسلامی کتب خانہ

کلمات تقریظ

علامہ، محدث ناقد، جرح وتعدیل کے امام اسمائے رجال کے ماہر

حضرت الاستاذ محمد عبد الرشید النعمانی رحمہ اللہ کے بھائی اور جانشین

حضرت العلامہ جناب ڈاکٹر محمد **عبد الحلیم چشتی صاحب** دامت برکاتہم العالیہ

تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید **حسین احمد مدنی** قدس سرہ

استاذ ومشرف تخصص فی علوم الحدیث النبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

زیر نظر کتابچہ بنام "گلدستہ دعوت" اس میں مولوی محمد نذیر سلمہ نے دعوت وتبلیغ کے "چھ نمبر" کی فضیلت میں سے ہر نمبر سے متعلق پانچ پانچ احادیث کا انتخاب کیا ہے، یہ اتنا مختصر ہے کہ ہر ایک نہایت آسانی سے اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ہر چھوٹا بڑا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اللہ تعالی اس رسالہ کو خوب قبولیت نصیب فرمائے۔ آمین۔

محمد عبد الحلیم چشتی

۸/ ۵/ ۱۴۴۱ھ

6/1/2020

مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی

رئیس شعبہ تخصص علوم حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ الحدیث جامعۃ الرشید

تقریظ

بر

ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت

ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت

محمد عبد الحمید تونسوی

محدث جلیل، عالم نبیل، استاذ العلماء
حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر **محمد عبدالحلیم صاحب چشتی** زید مجدہم
مشرف تخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی
واستاذ الحدیث، جامعۃ الرشید کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محدثین کے ہاں حدیث کی ابتدائی تقسیم جن دو بڑی نوع کی طرف ہوتی ہے، ان میں سے ایک نوع ضعیف کہلاتی ہے۔

ضعیف حدیث اپنی تئیں بہت متنوع، پہلودار اور ہمہ جہت ہے۔ اس کی بیشمار اقسام ہیں اور قبول یا رد ہونے کے اعتبار سے اس کے مختلف مراتب ہیں، جو راویوں کی یادداشت میں تفاوت یا دیگر اسباب کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں۔ محدثین نے تفصیل کے ساتھ ان کے تمام اقسام اور مراتب کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کی درجہ بندی کر کے اس کا حکم واضح کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ''مقدمہ'' میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس کی ۴۹ انواع کا ذکر کیا ہے، جبکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تدریب الراوی'' میں تحریر کیا ہے کہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ۴۲ انواع بیان کئے ہے، اور حافظ شرف الدین مناوی نے ۱۲۹ کی تفصیل دی ہے،، جو عقلاً تو سب ممکن ہیں اور اکیاسی ان میں سے ایسی ہیں جن کا وجود بھی ممکن ہے۔ اس سے ضعیف حدیث کی وسعت اور تنوع کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ضعیف حدیث کی اسی وسعت اور ذخیرہ احادیث میں اس کی اہمیت کی

بنا پر اس کی پہچان از حد ضروری ہے۔ حاکمؒ نے ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں امام احمدؒ اور اسحاق بن راہویہؒ سے نقل کیا ہے:

''ان العالم اذالم یعرف الصحیح من السقیم والناسخ والمنسوخ من الحدیث لایسمی عالما''

کہ ایک عالم اگر صحیح وضعیف اور ناسخ ومنسوخ میں کی پہچان نہیں رکھتا تو وہ عالم نہیں کہلا سکتا۔ (معرفۃ علوم الحدیث:٦٠)

ضعیف حدیث کے حوالے سے اہم بحث اس کی شرعی حیثیت کی ہے کہ شریعت کے دائرے میں کس حد تک اس پر عمل جائز ہے۔ مولانا محمد عبدالحمید تونسوی صاحب مدظلہ نے موضوع کے اسی پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت، اس سلسلے میں ائمہ اربعہ کا عمل، کتب ستہ کے مصنفین کا تعامل اور جمہور امت کا مذہب واضح فرمایا ہے۔

کتاب اپنے موضوع پر ایک انوکھی تصنیف ہے، جس میں مصنف نے موضوع پر بہترین اور مستند مواد جمع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے نافعیت سے نوازے۔

والسلام

محمد عبدالحلیم چشتی

محمد عبدالحلیم چشتی

۵ محرم ۱۴۳۹ھ

تقریظ

بر

الوردۃ الحاضرۃ

فی

احادیث تلامیذ الامام الاعظم واحادیث العلماء الاحناف

فی الجامع الصحیح الامام البخاری

الوردة الحاضرة

في

أحاديث تلاميذ الإمام الأعظم
وأحاديث العلماء الأحناف في
الجامع الصحيح للإمام البخاري

تأليف:
محمد مفيض الرحمن بن أحمد حسين الشاتغامي

زمزم ببلشرز

تصدير بقلم فضيلة الأستاذ العلامة المحدث الكبير الدكتور/ محمد عبد الحليم النعماني (حفظه الله تعالىٰ) رئيس قسم التخصص في علم الحديث الشريف بجامعة العلوم الإسلامية علّامة بنوري تاؤن كراتشي باكستان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

حامدًا ومصليًا ومسلمًا

أما بعد! فإن تلميذي الفاضل محمد مفيض الرحمٰن بن أحمد حسين البنغلاديشي قد أتم دراسته بدار العلوم الديوبندية بالهند، ثم جاء باكستان والتحق بجامعة العلوم الإسلامية علّامة بنوري تاؤن كراتشي، وأكمل التخصص في الفقه الإسلامي ثم التحق بقسم التخصص فى علم الحديث، فما وجدته إلا مجتهدا ومشتغلا بالعلم، وحريصًا على البحث والتحقيق والمطالعة والمراجعة إلى الكتب، وقصارىٰ أمره أنه بذل أوقاته في إمعان النظر في الكتب المهمة وإزدياد العلم الفَينة بعد الفَينة مع أنه شاب لم يتجاوز عن إثنتين وعشرين سنة.

ولا حاجة لرأي بعد تقريظ صاحب الفضيلة الشيخ العلامة المحقق الكبير الدكتور/ محمد بشار عواد الأعظمي على كتابه «أحاديث تلاميذ الإمام الأعظم وأحاديث العلماء الأحناف في الجامع الصحيح للإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ».

وفقه الله تعالىٰ لما يحبه ويرضاه، وينفع به، ورقاه إلى ذروة الكمال. امين

كتبه

محمد عبد الحليم النعماني، خادم قسم التخصص في علم الحديث الشريف بجامعة العلوم الإسلامية علّامة بنوري تاؤن كراتشي ١٤٢٣/٢/٢٢هـ.

تقریظ

بر

تدوین مذہب الاحناف

واصولہ فی الحدیث

تدوين مذهب الأحناف

وأصوله في الحديث

تأليف:

محمد مفيض الرحمن بن أحمد حسين الشاتغامي

فريج جامعة دار العلوم بديوبند وخريج قسم التخصص في الفقه الإسلامي وقسم
التخصص في الحديث النبوي بجامعة العلوم الإسلامية علامة بنوري تاؤن كراتشي

زمزم ببلشرز

للطباعة والنشر والتوزيع

تصدير بقلم فضيلة الأستاذ العلامة المحدث الكبير الدكتور محمد عبد الحليم النعماني (حفظه الله تعالىٰ) رئيس قسم التخصص في علم الحديث النبوي الشريف بجامعة العلوم الإسلامية علامة بنوري تاؤن كراتشي باكستان

باسمه سبحانه وتعالىٰ

الحمد لله وكفى و سلام على عباده الذين اصطفىٰ

أما بعد فالشيخ العالم الباحث المفتي محمدمغيض الرحمٰن بن أحمدحسين الشاتغامي قدألف كتابا ,, تدوين مذهب الأحناف وأصوله في الحديث ,,ومحتوياته مشتملة على عناوين عدتها ٤٧ منهامثل :

(١)ترجمة الإمام الأعظم رحمه الله تعالىٰ.

(٢)منزلة الكوفة بين أمصار الإسلام .

(٣)الإمام أبو حنيفة أول من دوّن علم الشرعية وأول من وضع كتاب الفرائض و كتاب الشروط وأول متكلم أهل السنة.

(٤)عنايته بطلب العلم والحديث وغير ذلک.

قد بحث عنها العلماء قبله ولكن بذل جهده واستفرغ

وسعه في جمعه وترتيبه بعنوان جديد ورتبه في أسلوب جديد في أقلّ الوقت.

أرجو أن ينفع به وينتفع به الناس كما ألف قبله كتابه الوردة الحاضرة في أحاديث تلاميذ الإمام الأعظم وأحاديث العلماء الأحناف في الجامع الصحيح للإمام البخاري ١٤٢٣هـ ٢٠٠٢م.

أدعو الله أن يتقبل منه، ويبارك فيه علمًا وعملاً ويوفقه لمايحب ويرضى من القول والفعل.

كتبه

محمد عبدالحليم النعماني.

خادم قسم التخصص في علم الحديث النبوي الشريف

بجامعة العلوم الإسلامة علامة بنوري تاؤن كراتشي

باكستان ١٤٢٤/٣/٢٣هـ ٢٠٠٣/٥/٢٦م

تقریظ

بر

آداب الطعام

فی ضوء

سنۃ خیر الانام

آداب الطعام
في ضوء
سنة خير الأنام
لأبي عبد الله عبد البصير الخراساني
دار البصائر الإسلامية
للنشر والتوزيع

بسم الله الرحمٰن الرحيم

تقريظ بقلم:

فضيلة الأستاذ المحدث الكبير الشيخ الناقد الدكتور محمد عبدالحليم النعماني (حفظ الله تعالى) رئيس قسم التخصص في علوم الحديث بجامعة العلوم الإسلاميّة علامة بنوري تاؤن كراتشي برقم ٥ .

الحمد لله و كفىٰ و الصلاة و السلام على نبيّنا المصطفى و بعد:

فقد اطلعت على كتاب ممتع نافع المسمىٰ بـ « آداب الطَّعام فِي ضَوءِ سُنَّةِ خَيْرِالأنَام » لمؤلفه العالم الفاضل الباحث المحقق أبي عبدالله عبدالبصير الخُراساني أحد متخرجي قسم الدراسات الإسلاميّة العلياء بجامعة دارالعلوم كراتشي وقسميّ التخصص في علوم الحديث والفقة الإسلامي بجامعة العلوم الإسلامية علاّمة بنوري تاؤن كراتشي رقم ٥ .

وقد بذل الباحث جهداً كبيراً وتناول الموضوع بالاعتناء البالغ والتحقيق الأنيق و دراسة علمية متميزة، واستوعب جوانبه استيعاباً بالغاً حيث صار الكتاب فريداً في نوعه.

كما أن هذا كتاب جليل يحتوى على معان حسنة عزيزة وفوائد جمة غزيرة بالرغم لما أوهب الله لمؤلفه ملكة الإستنباط والتحقيق، وتبحراً خاصاً في علم الرواية والدراسة عن أسانيدها حيث حوت هذه المجموعة على ثروة علمية ضخمة في آداب نبينا ﷺ حول الطعام والشراب.

ولا أملك إلا أن أهنئ فضيلة المؤلف بهذا الجهد المبذول حيث وفقه الله تعالىٰ أن يأتي بمثل هذا الكنز الفاخر والدرّة الثمينة النفيسة تثير الإعجاب والتقدير.

وختاما أسأل الله سبحانه وتعالىٰ أن يتقبله منه بقبول حسن ويجعله سبب الرُّشد والهداية لجميع المسلمين والحمد لله رب العالمين.

وكتبه: محمد عبدالحليم النعماني

٢٦/ شعبان المعظم ١٤٢٤هـ

تقریظ

بر

الجمع بین الاثار

مما اتفق علیٰ روایتہ ابویوسف القاضیؒ و محمد بن الحسن الشیبانیؒ

عن ابی حنیفۃ الامام الربانیؒ

الجمع بين الآثار

مما اتفق على روايته أبو يوسف القاضي ومحمد بن الحسن الشيباني

عن أبي حنيفة الإمام الرباني رحمهم الله تعالى

تأليف

محمد أيوب الرشيدي

خريج قسم التخصص في علوم الحديث النبوي بجامعة العلوم الإسلامية علامة محمد يوسف بنوري تاون كراتشي

و

لمحات من تاريخ التفقيه والفقه الإسلامي

وهي تقدمة على هذا الكتاب للعلامة المحقق المحدث البحاثة الدكتور

محمد عبد الحليم النعماني

رئيس قسم التخصص في علوم الحديث النبوي بجامعة العلوم الإسلامية علامة محمد يوسف بنوري تاون كراتشي

زم زم ببلشرز

كلمة الأُستاذ العلاّمة، المحدِّث، النَّاقد، البحَّاثة، فضيلة الدكتور محمد عبد الحليم النعماني ، حفظه الله ورعاه.

بسم الله الرحمن الرحيم

حامدًا ومُصلِّياً ومُسلِّماً وبعد:

لمّا ألقى على كاهلي واجبةُ مناقشة الأُطروحات المقدّمة للحصول على شهادة التخصّص في الفقه الإسلامي وفُوِّض إليّ أمر استعراض المقالات العلمية بجامعة العلوم الإسلامية بنوري تاؤن كراتشي عام (١٤٠٨ هـــ).

واجهتُ بأمر عجيب؛ وذلك رَغم الموسوعات التي قيد بها جميع جوانب الفقه الإسلامي والمبسوطات الطوال التي أُلِّفت في شتى المتعلقات للفقه الإسلامي، مع هذا كلِّه لم أجد تصنيفاً يشتمل على تاريخ الفقه الإسلامي ونشأته، وكيف بداية أمرِ التربية الفقهية؟ ومن هم الفُقهاء الأوَّلين؟ الذين برعوا في معرفة الدّين حتى جعل النبي صلى الله عليه وسلم فتوى الناس إليهم في مسائل الحياة وأمور الفتوي؟ وما ميزة الاختيار وأصول الانتخاب في إرسال النقباء؟

قصير الكلام أنّ هذه الأسئلة وما يتعلق بها، قد شغل خاطري، واستولى على مشاعري، وألجئني إلى التتبّع والتفحُّص عن ذلك في الكتب التي أُلِّفت حول الفقه الإسلامي وأصوله، ونظرتُ إلى كتب الفتوى ومقدّماتها، والتقاريظ التي قدّمها أباجل المفتية؛ ولكن مع الأسف لَمْ أجد عن هذا الجانب ذكراً في أيٍّ منها.

وإنَّ الشيخ العلامة محمد الزاهد الكوثري صنّف كتابه ''فقه أهل العراق'' وعلى قرب المضمون بهذا الموضوع لم يُشرْ إليه.

قدم عندنا الأخ المفضال، العلامة، الدكتور بشَّار عوّاد معروف، بكراتشي عام ١٤٢٢هـــ فَحَدَثَ بيننا حوار حول هذا الموضوع فسألته هل صنّف أحد؟ فحرَّك رأسه إيماء إلى عدم العلم، (ومن شغَفه بالحديث وروايته أنّه استجازني رواية الحديث لنفسه ولابنه بُندار حفظهما الله ورعاهما، وبمشورته تغيّرت نسبتي

"الجشتــي" إلى "النُّعماني").

وعبرتُ النظر على فهارس المعارف الإسلامية "Index Islamicus"، فلم أجد في هذا المجال أثراً عن أحد من المؤلفين المسلمين ولا المستشرقين. فصممتُ العزم لجمع العدّة وترتيبها حتى وفقني الله لإعداد مقالة مُفصّلة بعنوان "عهدِ رسالت مين صحابه كي فقهي تربيّت" وانتشرت في المجلة العالمية "السيرة" رقم: "٢" في شهر رمضان المبارك عام ١٤٢١هـ، وأيضاً برقم: "٧" في شهر رمضان المبارك عام ١٤٢٣هـ في مرحلتين باللغة الأُرْديَّة فوقع موضع القبول عند أرباب القلم وأصحاب النظر. وسيقدّم إلى القراء الناهمين وهو في حال الطبع في رسالة مستقلة إن شاء الله تعالى.

ولقد كنتُ أُمنّي النّفس بتعريبها وتقديمها في ثوب أَجمل وأَحسن إلى العالم العربي ولكن ثبطّني عن مباشرة العلم تزاحم الأشغال العلمية الأخرى. مرّت الأيام السّنون والأمنية هكذا كانت تختلجُ في الصدور حتى جاء الله بهذا الشاب محمد بن عبد الواحد من إيران لتكميل هذا الأمل وتحقيق هذه الأمنية، فقام لتلخيصها وترتيبها باللغة العربية وقرأها عليَّ فبعد المناقشة وإدراج أشياء حسبما بدا لي عند الحاجة جاءت في هذه الحلة البهيجة.

أَتــــاني هَواهَــــا حِــــينَ لم أَعــــرفِ الهَــــوىٰ
فَــــصَادفَ قلبــــاً خاليــــاً فتَمَكّنــــا

فإنّي لم آل جُهداً ولم أدّخر وسعاً في خدمة هذه الزاوية من العلم، ولكنّي لم أدّع الإحاطة والفوز باقتناص آخر درره، فهذا أمر مفوّض إلى العلماء الفاحصين والنُّقّاد المتضلّعين فهم يحكمون إلى كم وفق النجاح للمحقّق.

فسمّيتها "**لَمَحَاتْ من تاريخ التّفقيه والفقه الإسلامي**" وجعلتها مُقدِّمة على هذا الكتاب:

"اَلْجَمْعُ بَيْنَ الآثارِ"

مِمَّا اتَّفق على روايته أبو يوسف القاضي ومحمد بن الحسن الشَّيْبَاني عن أبي حنيفة الإمَام الرَّبَّاني.

الذي ألَّفه تلميذي محمد أيوّب الرَّشِيدي –سلّمه الله وعفاه– أثناء دراسته بقسم التَّخصّص في علم الحديث الشريف.

ورتّبتها على بابين: الباب الاوّل في: تاريخ الفقه والتفقيه.

والباب الثاني، يشتمل على الفصلين:

الفصل الاوّل في مكانة الإمام محمد بن الحسن الشيباني في الحديث.

والفصل الثاني في مكانة الإمام أبي يوسف في الحديث، وقد أشرتُ بأنظار خاطفة إلى هذه الناحية مع أنّه يحتاج إلى البسط والتفصيل وهو الحق، وسيُقدّم إلى القُرّاء المُولعين بالحديث والفقه في رسائل مُستقلّةٍ إن شاء الله تعالى، وما ذلك على الله بعزيز.

وإني مسرور أنّ الله جلّ وعلى اسمه، استخدمني لهذا العمل العظيم، فأشكره وأسأله مزيد التوفيق في سبيل خدمة الدِّين القويم إيّاي، ومَن قام بتلخيصه وترتيبه غفر الله لي وله ولوالدينا أجمعين. وأتضرَّع إليه سبحانه: "رَبِّ أَوزِعني أَنْ أَشْكُرَ نعْمَتَكَ الَّتي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وعَلى وَالِدَيَّ. وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضٰهُ واَصلِح لي فِي ذُرِيَّتِي ط اِنِّي تُبْتُ اِلَيْكَ وإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○"[1].

وصلِّ اللهمّ وسَلِّم على حبيبك محمّد وآله وصحبه ومن قام بخدمة دينك إلى يوم الحساب.

وكتبه

محمد عبد الحليم النعماني

رئيس قسم التخصّص في علوم الحديث النبوي الشريف

بجامعة العلوم الإسلامية علاّمة محمد يوسف بنوري تاؤن كراتشي.

١٤٢٥/٦/٢٥ هـ = ٢٠٠٤/٨/١٢م.

---

[1]- سورة الأحقاف: الأية ١٥.

تقریظ

بر

تراجم حفاظ الحدیث و نقاد الآثر

تراجم حفاظ الحديث ونقاد الأثر

لمحمد بن رستم بن قباد الحارثي البدخشي
(ت ١١٦١هـ)

حقق نصوصه وعلق عليه
محمد بن عبد الواحد بزرگ زاده
الأستاذ بجامعة دار العلوم زاهدان

دار الهلال

بسم الله الرحمن الرحيم

تقريظ فضيلة العلامة

الدكتور عبدالحليم النعماني

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الأمين، أما بعد:

كانت نسخة من كتاب «تراجم حفاظ الحديث ونقاد الأثر» عند الشيخ الفاضل المفتي سعد الله الحنفي المراد آبادي (المتوفى سنة ١٢٩٤هـ) في مكتبته الشخصية، ونُقِلت إثر وفاته إلى ندوة العلماء بلكهنو، وكان شقيقي العلامة عبد الرشيد النعماني رحمه الله قد رأى هذه النسخة عندما زار مكتبة ندوة العلماء، فلما سمعتُ بها طلبت استنساخها ودفعت ثمنه، فاستنسخ منها الشيخ عدة نسخ، واحتفظ بإحداها لنفسه، ووضع أخرى في إحدى المكتبات.

وكنت أرغب ان أقوم بخدمة هذا الكتاب تحقيقًا وتعليقًا، ثم أعتني بطبعه، بدأت العمل ولكن كثرة الأعمال والأشغال منعتني من ذلك، فكلفت بالعمل عليه أحد تلامذتي النابهين وهو: محمد برزكزاده الإيراني، من محققي الأساتذة في جامعة دار العلوم بزاهدان، فبدأ بالعمل، ومكث فيه زهاء عشر سنوات، كما حكى قصته بتمامها في المقدمة.

وبحق قد قام بالعمل خير قيام، وأتمه أحسن إتمام، ووفّى خدمة الكتاب وأدى حقه، وكلّ ذلك لأجل ما بذل فيه من غاية الجهد، وما تكبد من المشقة والعناء، مع الذوق العلمي الرفيع الذي رزقه الله تعالى ووفقه لذلك، فهو يستحق الثناء والتقدير على هذه الخدمة، أكرمه الله بنعمه في الدنيا والآخرة، وبارك في جهوده وقلمه، وزاده علمًا وعملًا ونفع به خلقه. آمين.

وهذا وقد اعتنى بالحفاظ كثيرون، ولكن الأبحاث التي احتواها هذا الكتاب مجتمعة يخلو عنها الجميع.

أعلى الله درجة المصنف والمحقق وأجزل مثوبتهما، وجزاهما بما عانوا في سبيل خدمة هذه الأمة أحسن ما يجزي به الصالحين.

١٤٣٧/١/١٨

وكتبه

محمد عبد الحليم النعماني

تقریظ بر

فقہ سیرۃ امیر المؤمنین

عمر بن عبد العزیزؒ

فقه سيرة أمير المؤمنين عمر بن عبد العزيز

قدم له

سماحة الدكتور عبد الرزاق اسكندر

معالي الشيخ محمد أنور بدخشاني

فضيلة الدكتور عبد الحليم النعماني

ألفه

أبو المجد محمد شريف الراشد

فاضل ومتخصص في الحديث، جامعة العلوم الإسلامية بنوري تاون، كراتشي

مدرس بالجامعة الحمادية، شاه فيصل كالوني كراتشي

دار الكتب العلمية

Dar Al-Kotob Al-ilmiyah

DKi

أسسها محمد علي بيضون سنة 1971 بيروت - لبنان

Est. by Mohammad Ali Baydoun 1971 Beirut - Lebanon

Établie par Mohamad Ali Baydoun 1971 Beyrouth - Liban

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على محمد خاتم النبيين، وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

كان عمر بن عبد العزيز رحمه الله من خيرة رجال بني أمية، وله تاريخ حافل بالعبر، جدير بالاقتداء. أرسل رجلين للتعليم، وقرّر لهما راتبا، فقبله واحد ولم يقبله الثاني، فلما علم بذلك قال: لانعلمُ فيما فعل يزيد بأسا، وأكثر الله فينا أمثالَ الحارث.

كان بيته "الخانقاه السُمَيْساطية"، في دمشق، وعندي كتابٌ، فيه أحوال هذا البيت عبر التاريخ، وقد نزل الإمام الغزالي رحمه الله في ذلك البيت، حين قدم دمشق.

وكانت له بصيرة في الفقه، قال الإمام محمد رحمه الله في الموطأ (٢/ ٣٧): أخبرنا أبو مصعب قال: حدثنا مالكٌ عن زُرَيْق بن حكيم أنه أخبره: أنه أخذ عبدًا آبقًا، قد سرق، قال: فأشكل عَلَيّ أمْرُهُ، قال: فكتبتُ فيه إلى عمر بن عبد العزيز: أسأله عن ذلك، وهو الوالي يومئذ، قال: فأخبرتُه أنني كنتُ أسمع أن العبد الآبقَ إذا سرَقَ وهو آبق لم تُقْطَعْ يدُه. قال: فكتب إلي عمر بن عبد العزيز نقيضَ كتابي: يقول: كتبتَ إليَّ أنك كنت تسمع أن العبد الآبق إذا سرق لم تقطع يده، وأن الله تبارك وتعالى يقول في كتابه: ﴿وَٱلسَّارِقُ وَٱلسَّارِقَةُ فَٱقْطَعُوٓا۟ أَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَٰلًا مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾﴾ (المائدة: ٣٨) فإن بلغت سَرِقَتُه رُبُعَ دِينارٍ فصاعدًا - فاقطع يدَه.

وكانت حصته من الخلافة مختصرة، لكن قراراته العادلة، ورَدّه الظلم - ثقُلا على بني أمية، فدَسُّوا رَجلاً، فأطعمه السُّم، ومات منه رحمه الله. وبالجملة فقد كان مَقامُه عاليا حتى عُدَّ خامسَ الخلفاء الراشدين، ويعلم دقة نظره ودرجته في الاجتهاد عن القصة المذكورة.

وقد كتب عدد من العلماء حول سيرته، وهذا الكتاب الذي جمع فيه - تلميذي محمد شريف راشد المحترم سيرتَه - معلوماتٌ جميلةٌ حول عمر بن عبد العزيز رحمه الله، جزاه الله خيرا، فقد أعَدَّ لنفسه متاعا للمغفرة يوم القيامة، وتقبل الله سعيه.

وأرجو أن لا يقف عنده، بل يخطوا خطوات إلى الأمام في التصنيف، فقد أعطاه الله ملكة في العربية.

اللهم اجعل عمله خالصا لوجهك الكريم، اللهم اجعله نافعا له وللأمة والإنسانية، اللهم فَقِّهْهُ في الدين وعَلِّمْه التأويل، وحَبِّبْه إلى الناس.

الدكتور محمد عبد الحليم النعماني

رئيس التخصص في علوم الحديث، جامعة العلوم الإسلامية، كراتشي

١٨ ربيع الأول ١٤٣٧هـ

تقریظ

بر

دسائس ضد الاسلام

فی

وادی مرجان

دسائس ضد الإسلام
في
وادي مرجان
أشاد به
د. الشيخ عبد الحليم النعماني د. الشيخ عبد الرزاق إسكندر
قام بالتعريب
أ. رضوان سعيد النعماني

M.A. HALEEM CHISHTI

M.A, Islamic Studies, M.L.S, Ph.D.
Fazil-i-DEOBAND (India)
MUSHRIF & USTADUL HADIS Jamiatul uloom-il-Islamia
Banuri Town-Karachi.

ایم اے اسلامیات، ایم ایل ایس، پی ایچ ڈی
فاضل دارالعلوم دیوبند (انڈیا)
مُشرف (نگران تحقیق وتالیف) و
استاذالحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

Ref. ____________

Date. ١٤٣٧/٨/١٣هـ
٢٠١٦/٥/٢١م

كلمة الأستاذ الدكتور مولانا محمد عبد الحليم النُّعْماني

الحمد لله الذي أرسل رسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ، ولوكره المشركون. والصلاة والسلام الأتمان الأكملان على نبينا محمد خاتم النبيين ، وعلى آله وصحبه ، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

أما بعد :

إن معنى ختم النبوة نهاية سلسلة الأنبياء المرسلين التي أجراها الله ـ سبحانه وتعالى ـ لهداية الثقلين إلى نبينا محمد ـ صلى الله عليه وسلم ـ ؛ فلا نبي بعده. وهذه العقيدة من العقائد الرئيسية الإسلامية التي لا يكتمل الإيمان إلا بها ؛ لما أنها ثابتة بالبراهين القاطعة من القرآن ، والسنة ، وإجماع الأمة. فقد نطقت مئة آيةٍ قرآنية بها ، و كذلك الأحاديث الكثيرة. فمن أنكر خاتميته ـ صلى الله عليه وسلم ـ مرق من الدين.

فلقد تناول الكُتّابُ هذا الموضوع عن جوانبه المختلفة. أما من حيث الرواية والقصة على مستوى العامة من الناس : فأرى أن أول من حَرَّك القلم هو الكاتب البديع الراوية الشهير بديارنا في باكستان باللغة الأردية الحاج " اشتياق أحمد " ـ رحمه الله ـ فبدأ سلسلة روايات تكشف عن فضائح عمليات الفئة الباغية ، ودسائسها ضد الإسلام ، وأهاليه بمنهج رائع ، المسماة بـ"القاديانيين" عزواً إلى قرية "قاديان" قريةِ قائدهم اللعين المُتَنَبِّي "مرزا غلام أحمد القادياني".

ولقد سُرِرْتُ وطَرِبْتُ حين عَلِمْتُ أن تلميذي الرشيد " محمد رضوان سعيد النعماني " قام بترجمة روايته من هذه السلسلة المسماة بـ"وادي مرجان " ، وسمّاها " دسائس ضد الإسلام في وادي مرجان ". فقَدَّم جهوده المكثفة في عمله هذا تقبل الله سعيهما. وأرى ترجمته ـ حسب ماتصفحت صفحات من الكتاب ـ فصيحاً ، تُوَضِّحُ المرام ، وتقدم الصورة الصحيحة بالطريقة المثلى.وهي أول روايةٍ بالعربية (حول ختم النبوة) بديارنا في باكستان ، بل في العالَمِ الإسلامي كله ـ حسب ما أعلم ـ.

فجزى الله المؤلف والمترجم ، وكل من تعاونهما على هذا العمل الخير، وأنزله المقعدَ المُقَرَّبَ عنده يوم القيامة ، وجعلنا من المُشَفَّعِيْنَ بشفاعة خاتم الرسل والأنبياء محمد ـ صلى الله عليه وسلم ـ.

محمد عبد الحليم النعماني

تقریظ

بر

کشف النقاب

عمایقولہ الترمذی وفی الباب

كشف النقاب

عما يقوله الترمذي وفي الباب

الجزء السادس

تاليف

الدكتور محمد حبيب الله مختار الشهيد رحمه الله المتوفى ١٤١٨ھ

رئيس: جامعة العلوم الإسلامية كراتشي
و
مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي سابقًا

مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي
جامعة العلوم الإسلامية

علامه محمد يوسف بنوري ٹاؤن كراتشي باكستان

كلمة الشيخ الدكتور محمد عبد الحليم النعمـاني حفظه الله ورعاه

الحمد لله وكفىٰ والصلاة والسلام على عباده الذين اصطفىٰ، أما بعد!

ان لكتاب الإمام الترمذي رحمه الله ميزات تميزه عن غيره من الكتب الستة، ومن أهم ميزاته أنه قد جمع في كتابه هذا كثيراً من أنواع علم الحديث، منها: جمع الأحاديث الشريفة ، والكلام على الرجال ، ومستدلات الفقهاء الأربعة ، وفقه الحديث ، خاصة إنه يذكر المذاهب التى لم تدوّن ولكن كان لها متبعون يتبعونها في عصر هؤلاء العلمـاء والفقهاء.

وكذلك للترمذي رحمه الله ميزة أخرى أنه يذكر الأحاديث ويشير إلى غيرها من الأحاديث المباركة التي لم يذكرها في كتابه صريحاً فهو يشير إليها بقوله : «وفي الباب عن فلان»، فجمع بهذه الطريقة مجموعة كبيرة من الأحاديث المباركة حيث جعل كتابه جامعاً بالنسبة لجوامع أخرى.

قد كتب العلمـاء قبل ذلك كتباً عن قول الترمذي رحمه الله: «وفي الباب» منهم الحافظ العراقي (٨٠٦هـ) قد كتب كتاباً سمّاه «اللباب عمّا قال عنه الترمذي وفي الباب» وابن حجر رحمه الله (٨٥٢هـ) و سمّـاه «العجاب في تخريج ما يقول فيه الترمذي وفي الباب»، ولكن لم يطبع واحد منهمـا، وهناك كتاب آخر اسمه «نزهة الألباب عمـا يقوله الترمذي وفي الباب»

للحسن الوائلي، و قد خرّج جميع أحاديث الكتاب وما أشار إليه في الباب، قد طبع في خمس مجلدات من مكتبة دار ابن الجوزي.

فهذه الكتب الثلاثة لتخريج قول الترمذي رحمه الله : «وفي الباب» ولكن لم يطبع الأوّلان منها ولم يذكر الثالث الأحاديث التي لم يشر إليها الإمام الترمذي رحمه الله ، مع أن عدد هذه الأحاديث كثيرة ، لكن كتاب الشيخ حبيب الله مختار الشهيد رحمه الله جامع للأحاديث التي أشار إليها الترمذي رحمه الله والتي لم يشر إليها، فكتابه من هذه الناحية جامع من جميع ما كتب حتى الآن في قوله «وفي الباب».

وهذا الكتاب موسوعة كبيرة لتخريج «وفي الباب» ، ما كان في وسع أحد -في ذلك الوقت حيث لم يتيسر له ما تيسر لمحققي زماننا من المكتبة الشاملة و برامج الحاسوبية- أن يكمله إلا باللجنة ، لكن الشيخ رحمه الله أطال الجهد لتجهيزه وإخراجه من الصباح إلى الليل حتى تيسر له ما قد خرّجه من أبواب الترمذي.

هذا، ولكن المنية حالت دون آماله ، حيث استشهد رحمه الله مظلوماً، وبعد استشهاده قد وفّق الله جامعتنا مرة أخرى تكميل ما قد بقي منها وطبع ما لم يطبع ، فقرّروا لذلك خرّيجي الجامعة و بعض المتخصّصين في علوم

الحديث فيها لأن يكملوه ويعملوا عليه ، فاجتهدوا في ذلك حتى حان أوان طبع بعض المجلدات منها .

ندعو الله سبحانه وتعالى أن يتقبل منّا هذا الأمر القصير، وأن يوفّقنا لإكمال كتاب الشيخ حبيب الله وكذلك كتاب معارف السنن، و نشر الأزهار، وطباعتها ؛ لتكون خدمة للأمة الإسلامية وتراثاً للخلف. و صلى الله و سلم على سيدنا محمد و آله و صحبه أجمعين .

(الشيخ الدكتور) محمد عبد الحليم النعماني (حفظه الله)

رئيس قسم التخصص في علوم الحديث

بجامعة العلوم الإسلامية

(١٤/٨/١٤٣٩هـ-١/٥/٢٠١٨م)